مستنصر حسین تارڑ کی مذہبی سفر نامہ نگاری کا فکری اور فنی جائزہ

(”منہ ول کعبے شریف“ اور ”غارِ حرا میں ایک رات“ کے حوالے سے)

مقالہ برائے ایم فل (اُردو)

مقالہ نگار

آسیہ بی بی

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جون ۲۰۱۹ء

مستنصر حسین تارڑ کی مذہبی سفر نامہ نگاری کا فکری اور فنی جائزہ

(”منہ ول کعبے شریف“ اور ”غارِ حرا میں ایک رات“ کے حوالے سے)

مقالہ برائے ایم فل (اُردو)

مقالہ نگار

آسیہ بی بی

یہ مقالہ

ایم فل (اُردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگویجز

(اُردو زبان و ادب)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جون ۲۰۱۹ء

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگویجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: مستنصر حسین تارڑ کی مذہبی سفر نامہ نگاری کا فکری اور فنی جائزہ
(''منہ ول کعبے شریف'' اور ''غارِ حرا میں ایک رات'' کے حوالے سے)

پیش کار: آسیہ بی بی رجسٹریشن نمبر: 1316/M/U/S17

ماسٹر آف فلاسفی

شعبہ: شعبہ زبان و ادب اردو

ڈاکٹر صائمہ نذیر ____________

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد سفیر اعوان ________

ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

بریگیڈیئر محمد ابراہیم ___________

ڈائریکٹر جنرل

تاریخ ____________

اقرارنامہ

میں آسیہ بی بی حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد کے ایم۔فل سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر صائمہ نذیر کی نگرانی میں کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا اور نہ آئندہ کروں گی۔

____

آسیہ بی بی

مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

فہرست ابواب

ABSTRACT

Title: The Ideological and Artistic analysis and comparison of "MOO VALL KAABEY SHARIF" AND "GHAR-E-HIRA MAI AIK RAAT".

The topic of my MPhil Thesis is THE IDEOLOGICAL AND ARTISTIC EVALUATION OF RELIGIOUS TRAVELERS "MOO VALL KAABEY SHARIF" AND "GHAR-E-HIRA MAI AIK RAAT" OF MUSTANSAR HUSSAIN TARAR. To talk about the topic, both these travelers have been referred. Both these travelers are related to religion. "MOO VALL KAABEY SHARIF" is a Hajj traveler while "GHAR-E-HIRA MAI AIK RAAT" is about one night stay of Mustansir in Ghar e Hira. This thesis has been divided into five chapters whose detail is as under.

First chapter is about introduction and basic discussion in which the introduction to the topic, introduction to the traveler and the tradition of travelers in Urdu has been briefly discussed. Moreover, the status of Mustansir as a traveler writer has also been thrown light upon.

2nd chapter portrays the ideological analysis of "MOO VALL KAABEY SHARIF" AND "GHAR-E-HIRA MAI AIK RAAT". From ideological perspective, these travelers discuss the immense love of Allah and Holy Prophet SAAW, the love for Prophet's city, shrines, Ghar-e-Hira and affiliation with Islamic History and sympathy for Devil have been discussed.

3rd chapter is about the artistic overview of "MOO VALL KAABEY SHARIF" and "GHAR-E-HIRA MAI AIK RAAT". From artistic overview, language and expression, way of writing, methodology, scene job, thinking power, exaggeration, fancy, satire and humor and monologue from both two travelers has been discussed.

4th chapter is about the artistic and ideological comparison of "MOO VALL KAABEY SHARIF" and "GHAR-E-HIRA MAI AIK RAAT". Here the introduction to this comparison has been presented and the similarities between two travelers have also been thrown light upon. Later on, the differences present in the two travelers are also explained.

5th chapter is about the overall review of the travelers under discussion. At the end of the chapter, the results of the research and further recommendations have been explained.

اظہار تشکر

سیر و سیاحت انسان کا فطری ذوق ہے۔ کائنات کی ہر شے سفر میں ہے اور یہ سفر ازل سے ابد تک جاری رہے گا اسی طرح مجھے بھی بچپن سے ہی سیر و سیاحت کا خاصا شوق رہا ہے اور پھر زمانہ طالبعلمی سے میں نے مختلف مصنفین کے سفر ناموں کو پڑھا ہے ان میں میری دلچسپی کو سب سے زیادہ جس شخصیت نے اپنی طرف راغب کیا ہے وہ مستنصر حسین تارڑ ہیں۔ ایم۔ فل کے مقالے کے موضوع کا وقت جب قریب آیا تو میری نگران ڈاکٹر صائمہ نذیر نے اس حوالے سے میری دلچسپی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مجھے مستنصر حسین تارڑ کے مذہبی سفر ناموں کے حوالے سے تحقیقی کام کرنے کا مشورہ دیا تو میری خوشی کی انتہا نہ تھی اور پھر میں نے اس حوالے سے تحقیقی کام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس مقالے کی تکمیل کے حوالے سے میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ جس نے مجھے اس قدر حوصلہ اور ہمت عطا کی کہ میں ایم۔ فل کا مقالہ پایہ تکمیل تک پہنچا سکوں۔ اس کے بعد میں اپنی نگران مقالہ ڈاکٹر صائمہ نذیر صاحبہ کی بے حد مشکور ہوں جنہوں نے ہر مشکل وقت میں میرا ساتھ دیا اور مقالے کی تسوید و تحریر میں میری رہنمائی کی اور ان کی مدد سے میرا یہ تحقیقی مقالہ پایہ تکمیل تک پہنچا اس دورانیے میں انہوں نے موضوع کے انتخاب سے لے کر اس کو انجام تک پہنچانے میں میرا حوصلہ بڑھایا۔ اس کے علاوہ میں خصوصی طور پر شعبہ اردو ڈاکٹر روبینہ شہناز صاحبہ کی بے حد مشکور ہوں۔ اس کے بعد میں اپنے والدین کا شکر ادا کرتی ہوں جن کی دعاوں کی بدولت اور شفقت کی بدولت میرا مقالہ مکمل ہوا۔ میری والدہ جو کہ اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن ان کی نیک دعائیں اور نیک تمنائیں ہمیشہ میرے ساتھ ہیں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے (آمین)۔ اس مقالے کو اگر میں مکمل کر سکی ہوں تو اس سلسلے میں شکریے کی سب سے بڑی حقدار میری ساس (حیات بی بی) ہیں جنہوں نے میری ماں سے بڑھ کر میرا ساتھ دیا اور مجھے اجازت دی کہ میں اپنی تعلیم کو مکمل کروں اور اس سلسلے میں انکا سب سے بڑا تعاون میرے بیٹے عبد اللہ اسماعیل کا خیال اور دیکھ بھال ہے۔ میں نے جب بھی انہیں یونیورسٹی سے گھر واپسی پر آکر یہ کہا کہ عبد اللہ نے آپ کو بہت تنگ کیا ہو گا تو ان کا جواب ہمیشہ مسکراہٹ کے ساتھ یہ ہی رہا کہ "نہیں" بالکل بھی تنگ نہیں کیا اور میری اولاد ہے اگر میں خیال نہیں رکھوں گی تو کون رکھے گا۔ میری خدا سے دعا ہے کہ اللہ ان

کی عمر دراز کرے اور ان کو صحت و تندرستی عطا فرمائے (آمین)۔ اس کے علاوہ میں اپنے شوہر محمد اسمٰعیل کی بھی مشکور ہوں جنہوں نے مجھے اس مقام تک پہنچایا اور میری تعلیم حاصل کرنے کو اپنی خواہش بنایا اور اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے صحیح معنوں میں میرا ساتھ دیا۔ ان کی ہمیشہ سے ہی یہ خواہش رہی ہے کہ میرے نام کے ساتھ ڈاکٹر لگے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس قابل کرے کہ میں ان کی اس خواہش کو پورا کر سکوں (آمین)۔ اس کے علاوہ اپنے تمام اہل خانہ کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں اور ہر اُس شخص کا جس نے میری رہنمائی کی اور اس مقالے کی تکمیل کے لیے میری مدد کی۔ میں ان سب کے لیے خدا سے دعا گو ہوں کہ اللہ انہیں صحت عطا فرمائے (آمین)۔

آسیہ بی بی

ایم۔ فل اُردو

اسلام آباد

باب اول:

موضوع تحقیق کا تعارف و بنیادی مباحث

الف: تمہید

i۔ موضوع کا تعارف:

مجوزہ تحقیقی مقالے کا موضوع "مستنصر حسین تارڑ کی مذہبی سفر نامہ نگاری کا فکری اور فنی جائزہ" ہے۔ "سفر نامہ" نثری ادب میں سفر کے حالات و واقعات، مسافر کے مشاہدات کا اظہار ہے۔ سفر نامے قدیم ترین تاریخی و تہذیبی ماخذ ہیں۔ یہ ایک ہمہ جہت صنف ادب ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو زیر بحث لاتی ہے۔ سفر نامے کی بدولت انسان نئی نئی دنیاؤں سے متعارف ہوتا ہے۔ کسی بھی خطے کے تہذیبی، مذہبی، معاشرتی اور سیاسی حالات کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے سفر نامہ سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔ سفر نامہ صداقتوں کا مرقع ہوتا ہے۔ اس میں مسافر اپنے دلی جذبات و کیفیات کو بیان کر کے دوسروں کو اپنے سفر میں شامل کرتا ہے۔ ایسا کرنے سے اگر کوئی لالچ نہ ہو تو سچ کے سوا کچھ بیان نہیں کیا جاتا۔ یوں کسی بھی خطے کے سفر نامہ میں اس خطے کی صحیح تاریخ بھی شامل ہوتی ہے۔ سفر نامہ تاریخ و جغرافیہ کے لیے ابتدائی اور حقیقی مواد مہیا کرتا ہے۔ اس میں مختلف اقوام کے معاشرتی و معاشی مسائل، عملی و ادبی مباحث، سیاسی صورتِ حال، معیشت، معاشرت اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ تمام امور پر بات کی جاتی ہے۔

مستنصر حسین تارڑ عصر حاضر کے ایک نامور ناول نگار، سفر نامہ نگار، طنز و مزاح نگار، کالم نگار سیاح، دانشور، اداکار، ٹی وی میزبان اور ادیب ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ کو جدید سفر نامہ نگاری کا بانی کہا جاتا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں ان کا پہلا سفر نامہ کتابی شکل میں شائع ہوا۔ یہ سفر نامہ "نکلے تیری تلاش میں" کے عنوان سے منظر عام پر آیا۔ مستنصر حسین تارڑ کے سفر ناموں میں سیاسی، معاشرتی، جغرافیائی، تہذیبی اور تاریخی عناصر موجود ہیں۔ اب تک ان کے ۲۲ سفر نامے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ چونکہ سیاحت کے دلدادہ ہیں۔ اس لیے انہوں نے پاکستان کے خوبصورت علاقوں کی سیاحت کر کے ان پر بھی سفر نامے تخلیق کیے۔ زیر مقالہ موضوع "مستنصر حسین تارڑ کی مذہبی سفر نامہ نگاری کا فکری اور فنی جائزہ" آپ کے اُن سفر ناموں سے

متعلق ہے جن میں مذہب سے عقیدت کی مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ میں نے اس سلسلے میں آپکے دو مذہبی سفر ناموں کو انتخاب کیا ہے "غار حرا میں ایک رات "اور" منہ ول کعبے شریف "ان دونوں سفر ناموں کا فکری و فنی جائزہ اور آخر میں تقابل بھی پیش کیا جائے گا۔

ii۔ بیانِ مسئلہ:

مستنصر حسین تارڑ کے سفر نامے فکری اور فنی حوالے سے منفرد حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔ مذہبی سفر ناموں کے حوالے سے اگر بات کی جائے تو مستنصر کی مذہب سے عقیدت کی والہانہ مثالیں آپکے مذہبی سفر ناموں میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ چنانچہ میرے ایم فل کے مجوزہ تحقیقی مقالے کا موضوع "مستنصر حسین تارڑ کی مذہبی سفر نامہ نگاری کا فکری اور فنی جائزہ" ہے۔ مذہبی سفر نامہ نگاری کے حوالے سے آپ کے دو سفر نامے "غارِ حرا میں ایک رات" اور "منہ ول کعبے شریف" کا انتخاب کیا گیا ہے۔ یہ دونوں سفر نامے آپ کے مکے اور مدینے میں قیام اور زیارات سے آپ کی مذہبی عقیدت اور محبت کو نہایت خوبصورتی سے پیش کرتے ہیں۔

iii۔ تحقیقی مقاصد:

مجوزہ تحقیق میں درج ذیل مقاصد پیش نظر ہوں گے:۔

1. مستنصر حسین تارڑ کی بحیثیت مذہبی سفر نامہ نگار انفرادیت اور روحانی واردات کو متعارف کرانا۔
2. مستنصر حسین تارڑ کے مذہبی سفر ناموں میں امتیازات تلاش کرنا۔
3. مستنصر حسین تارڑ کے مذہبی سفر ناموں میں مذہبی مقامات یا عناصر کی نشاندہی کرنا۔

iv۔ تحقیقی سوالات:

درج ذیل سوالت کو مدِ نظر رکھ کر تحقیق کی جائے گی۔

1. یہ سفر نامے فنی اعتبار سے کیسے ہیں؟
2. ان سفر ناموں میں مصنف کا مشاہدہ کیا ہے؟
3. ان سفر ناموں کے فکری اور فنی امتیازات کیاہیں؟

v۔ نظری دائرہ کار:

مستنصر حسین تارڑ کا شمار عصرِ جدید کے سفر نامہ نگاروں میں کیا جاتا ہے۔ آپ نے چونکہ دنیا کے مختلف ممالک کی سیاحت کی ہے اور اس حوالے سے سفر نامے بھی لکھے ہیں لیکن مذہب کے حوالے سے جو سفر نامے آپ نے تخلیق کیے ہیں اور ان سفر ناموں میں مذہب اور مذہبی مقامات سے آپ کی محبت قابل دید ہے۔ زیرِ تحقیق مقالے میں آپکی مذہب سے عقیدت، مذہبی مقامات سے محبت اور والہانہ عشق کے حوالے سے تحقیقی کام کیا جائے گا۔

vi۔ تحقیقی طریقہ کار:

تحقیق کا انداز تاریخی اور دستاویزی ہو گا اور درج ذیل باتوں کو سامنے رکھا جائے گا:

1. دورانِ تحقیق مستنصر حسین تارڑ سے ملاقات اور انٹرویو کیے جائیں گے۔
2. بنیادی مآخذات کے حوالے سے "غارِ حرا میں ایک رات" اور "منہ ول کعبے شریف" سے استفادہ کیا جائے گا۔
3. ثانوی مآخذات میں زیادہ انحصار سفر نامے پر لکھی گئی مختلف تحریروں اور مضامین اس کے ساتھ ساتھ سفر نامے پر تحقیقی و تنقیدی کتب سے بھی استفادہ کیا جائے گا۔
4. مستنصر حسین تارڑ پر سفر نامہ نگاری کے حوالے سے کئے جانے والے مقالات بھی قابل توجہ ہوں گے۔
5. ادبی جریدوں میں ان پر شائع ہونے والے مضامین سے استفادہ کیا جائے گا۔

vii۔ مجوزہ موضوع پر ماقبل تحقیقی کام:

مستنصر حسین تارڑ چونکہ سیاحت کے دلدادہ ہیں۔ اس لیے اس حوالے سے آپ نے بہت سارے سفر نامے لکھے اور ان پر تحقیقی کام بھی کیا گیا ہے۔ لیکن مذہب کے حوالے سے تاحال آپکے کسی سفر نامے پر تحقیقی کام نہیں کیا گیا۔ چنانچہ زیرِ تحقیق موضوع "مستنصر حسین تارڑ کی مذہبی سفر نامہ نگاری کا فکری اور فنی جائزہ" پر تادم تحریر کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا۔ اس لیے مجوزہ موضوع اس کمی کو پورا کرنے میں اپنا ایک اہم کردار ادا کرے گا۔

viii۔ تحدید:

مستنصر حسین تارڑ کے مذہبی سفر ناموں کا فکری اور فنی جائزہ لیا جائے گا۔ اس لیے اس حوالے سے آپکے دو سفر ناموں کا انتخاب کیا گیا ہے۔ "منہ ول کعبے شریف" اور "غارِ حرا میں ایک رات" اور انہی دونوں سفر ناموں تک موضوع کو محدود کیا گیا ہے۔

ix۔ پس منظری مطالعہ:

کسی بھی تنقیدی اور تخلیقی کام کے لیے پسِ منظری مطالعے کا ہونا از حد ضروری ہے۔ مجوزہ موضوع تحقیق کے ان تمام کتب و مضامین کا مطالعہ کیا جائے گا جن سے متعلقہ مواد حاصل ہو۔ رسائل و جرائد اور مستنصر حسین تارڑ کے سفر ناموں سے بھی استفادہ کیا جائے گا اور ان تمام اسکالرز اور اساتذہ کرام سے رابطہ کیا جائے گا جو اس موضوع پر دسترس رکھتے ہوں۔ اس کے علاوہ مختلف ویب سائٹس، لغات، انسائیکلوپیڈیا اور انٹرنیٹ سے بھی مواد حاصل کیا جائے گا۔

x۔ تحقیق کی اہمیت:

مستنصر حسین تارڑ کے سفر ناموں میں مذہب سے والہانہ عقیدت اور محبت بہت شدت کے ساتھ دیکھنے کو ملتی ہے۔ انہوں نے مذہبی سفر ناموں میں اپنی اس شدت کو کھل کر بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنے مذہبی سفر ناموں میں انھوں نے نہ صرف اپنے تخیل کی مدد سے مذہبی عقیدت کو بیان کیا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تاریخی صداقتوں کو بھی بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے ان مذہبی سفر ناموں میں مکے اور مدینے کے مقامات کو جس خوبصوتی اور دلکشی سے بیان کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

ب۔ سفر نامے کا تعارف:

ادب کی نثری اصناف کو دیکھا جائے تو ان میں سے ایک اہم صنف سفر نامہ بھی ہے۔ پہلے پہل اس کا آغاز مغرب سے ہوا لیکن گزرتے وقت کے ساتھ اسے اردو زبان نے بہت جلد قبول کر لیا اور بہت تھوڑے وقت میں اس صنف میں بہت بڑے بڑے نام شامل ہو گئے۔ عام طور پر سفر نامے کو معلومات و تفریح کے ذریعے کے طور پر ہی پڑھا جاتا ہے اس لیے ہمیں زیادہ تر تنقیدی و تحقیقی کام بھی انہی دو حوالوں کے طور پر دیکھنے کو ملتا ہے۔

سفر نامے میں سفر عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی مسافت طے کرنے کے ہیں جب کہ نامہ فارسی زبان کا لفظ بمعنی تحریر یا خط کے ہیں۔ سفر نامہ کے لفظی و معنوی تعارف کے لیے وضاحت اس طرح ہیں۔

ا۔ سفر: (ع) مذکر، مسافرت تک، ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانا۔[۱] ۲۔ سفر: (ع،ف) اسم مذکر، مسافرت، جانا، سیاحت، سفر کرنا، فعل متعدی: سیاحت کرنا، جاترا کرنا، مسافرت کرنا، روانہ ہونا، کوچ کرنا۔[۲] ۳۔ سفر نامہ: (ع،ف) سفر کے حالات اور سرگزشت[۳] ۴۔ سفر نامہ: (ع،ف) اسم مذکر: سیاحت نامہ، سفر کی کیفیت، روزنامچہ سفر، حالات و سرگزشت۔[۴]

ایڈوانس لرنرز ڈکشنری میں سفر نامے کی تعریف اس طرح سے کی گئی ہے۔

> "Travel (verb, noun): (i) to go one place to another especially over a long distance (ii) To travel abroad / across Africa around the world". [۵]

سفر سے مراد ایک جگہ یا مقام سے دوسری جگہ یا مقام پر جانا ہے۔ سفر آج کے دور میں بہت سے طریقوں سے اختیار کیا جا رہا ہے۔ مثلاً بحری، بری وغیرہ وغیرہ۔ ان طریقوں کو اختیار کر کے انسان نہایت آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پر پہنچ سکتا ہے اور اس طرح اپنے مطلوبہ مقاصد حاصل کر سکتا ہے۔ جو شخص سفر کرتا ہے اسے مسافر یا سیاح کہتے ہیں۔ Oxford ڈکشنری میں سیاح سے مراد

> "Trav-el-ler (expecially B,E) Trav-el-er (Am,E Usually) (i) a person who is travelling or who often travel (ii) a person who does not live in one place but travel around, especially a part of group". [۶]

سفر انسانی زندگی میں ایک بہت خاص اہمیت رکھتا ہے۔ جس سے انسانی زندگی پر بہت گہرے اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ جو لوگ زیادہ سفر کرتے ہیں وہ ان کا تذکرہ اپنے دوستوں سے کئی بار کر چکے ہوتے ہیں۔ اللہ

تعالیٰ نے انسان کی سرشت میں یہ شامل کیا ہے کہ وہ کائنات کو تسخیر کرے، نئے نئے مقامات کی سیر، وہاں کی تہذیب و تمدن اور روایات کو نہ صرف مشاہدہ کرے بلکہ اسے قلم کے ذریعے دوسرے انسانوں تک پہنچانے کا کام بھی سرانجام دے۔ سفر نامے کے تعارف کے متعلق ابوالاعجاز حفیظ صدیقی لکھتے ہیں۔

> "اجنبی شہروں اور غیر ممالک کے جغرافیائی اور سماجی حالات سے انسان نے ہمیشہ گہری دلچسپی لی ہے ایک سیاح جب اپنے جغرافیائی و سماجی گردوپیش سے نکل کر کسی دوسرے مقام پر پہنچتا ہے تو اسے وہ تمام چیزیں جو اس کے اپنے مولا و منشا کے مانوس ماحول سے مختلف ہوتی ہیں۔ اختلافِ ماحول اور اختلافِ معاشرت کے باعث دلچسپ اور استعجاب انگیز نظر آتی ہیں اور وہ باتیں جو مشترک معلوم ہوتی ہیں اور وہ انہیں دوسروں (بالخصوص اپنے ہم وطنوں) کے لیے قلم بند کر لیتا ہے ایسی تحریر کو ہم ادبی اصطلاح میں سفر نامہ کہتے ہیں"۔ (۷)

سفر کے ذریعے انسان کو دوسرے مقامات کی سیر و تفریح کا موقع ملتا ہے۔ اس لیے جب کوئی سفر نامہ نگار سفر کرتا ہے اور بعد میں اسے ادبی نوعیت سے ہم کنار کرتا ہے تو اس میں اس کی کاوش اور بھی زیادہ منفرد انداز میں ہمارے سامنے آتی ہے کیونکہ اس میں ایک خاص قسم کی تحیر آفرینی بھی ہمیں دیکھنے کو ملتی ہے۔ سفر کے ذریعے سے سفر نامہ نگار کے خیالات میں ایک خاص قسم کا تجسس پیدا ہوتا ہے وہ اپنے سامنے آنے والے ہر منظر کو ایک خاص آنکھ سے دیکھتا ہے اور اس کا یہ تجسس اس کے خیالات میں بہت زیادہ وسعت اور گہرائی پیدا کر دیتا ہے۔ اسے سفر کے دوران مختلف لوگوں سے میل جول رکھنا پڑتا ہے۔ اس طرح اسے وہاں کی معاشرت اور تہذیب سے بھی کافی آگاہی ملتی ہے۔ سفر نامہ نگار کے نزدیک سفر کے مختلف اغراض و مقاصد کا حال ہو سکتا ہے۔ مثلاً مقامات مقدسہ کی زیارت، دوستوں سے یا پھر فیملی سے میل ملاقات، سیر و تفریح، نئے مقامات کی کھوج، قدرتی حسن سے لگاؤ اور تجارت کے اغراض و مقاصد کے لیے بھی سفر عمل میں لایا جا سکتا ہے۔ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ مشاہدے کے بغیر کوئی سفر نامہ وجود میں نہیں لایا جا سکتا ہے۔ سفر نامے کی صنف میں سفر نامہ نگار اپنے عہد کو زندہ حالت میں دیکھتا ہے اور تخلیقی انداز میں اس مشاہدے کو لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ انور سدید لکھتے ہیں:

> "اب جو سفر نامے معرض تخلیق میں آئے ہیں ان میں تاریخی، جغرافیائی اور تہذیبی معلومات کے علاوہ تاثرات کو ادبی اسلوب میں پیش کرنے کی کاوش بھی کی گئی۔ اس دور

کا سفر نامہ نگار چونکہ زیورِ تعلیم سے بھی آراستہ تھا اس لیے اس نے بیرونی ممالک میں
زندگی کو اپنے نقطہ نظر سے دیکھا اور سفر نامے میں اپنے مؤقف کی وضاحت بھی
کی"۔(۸)

سفر نامے کو آپ بیتی کی شکل میں بھی لکھا جا سکتا ہے کیونکہ سفر نامہ صرف وہی شخص لکھ سکتا ہے۔ جس نے سفر کیا ہو اور تمام تر واقعات کی جزئیات سے بخوبی واقف ہو۔ اس میں اسے دو چیزوں کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے، ایک واقعات سفر کی ندرت وجدت اور دوسرا انداز بیان میں تازگی اور نیا پن۔ قارئین انہی سفر ناموں کو شوق سے پڑھتے ہیں جن میں انہیں جدت ندرت کے پہلو دکھائی دے رہے ہوں۔

اس حوالے سے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اپنی کتاب اصناف ادب میں لکھتے ہیں:

"سفر نامہ ایک طرح کی روداد سفر یا رپور تاژ ہے جسے آپ بیتی کی ایک شکل کہا جا سکتا ہے۔ سفر نامے کی عمدگی اور دلچسپی دو باتوں پر منحصر ہوتی ہے۔ ایک واقعات سفر کی ندرت وجدت اور دوسرے انداز بیان میں تازگی۔ دلچسپی اور مقبولیت کے لحاظ سے ایک معیاری سفر نامہ ناول وافسانے سے کسی طرح کم نہیں"۔(۹)

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں تلاش کے عنصر کو شامل کر دیا ہے اس لیے وہ ہمیشہ سے ہی نئی سے نئی دنیاؤں کی تلاش میں سر گرداں رہا ہے۔ ایک سفر نامہ نگار جب اپنے ایک مخصوص ماحول سے نکلتا ہے اور دوسری جگہ پر جاتا ہے تو وہ ہر چیز کا بغور مطالعہ کرتا ہے اور وہ تمام چیزیں اور وہاں کا ماحول اس کے لیے سب کچھ پہلے سے مختلف اور نیا ہوتا ہے۔ وہ وہاں رہ کر ہر چیز کو جو اس کے اپنے ماحول سے مختلف ہوتی ہے جاننے اور پرکھنے کی سعی میں لگ جاتا ہے اور پھر سفر کے اختتام پر جب وہ واپس اپنے علاقے میں پہنچتا ہے تو ان تمام کیفیات کو اپنے سفر نامے میں بیان کرتا ہے۔ وہاں پر لوگوں کا رہن سہن، کھانا پینا، بات چیت، طرز بود وباش غرض کہ تمام پہلوؤں کو جن کا تعلق انسانی زندگی سے ہوتا ہے اپنے سفر نامے میں بیان کر کے دوسروں کو بھی اس علاقے کی سیر کرواتا ہے۔

اُردو سفر نامے کی تکنیک وہیت اور محاسن کے بارے میں ڈاکٹر حفیظ صدیقی لکھتے ہیں:

"اچھا سفر نامہ وہ ہوتا ہے جس میں مشاہدے کی گہرائی، ثقافتی مطالعے کا سلیقہ، اختلافات کے باوجود بنی نوع انسان کی اساسی وحدت کا شعور اور اجنبی دیار وامصار کی

زندگی کا ایسا صحیح تعارف شامل ہو جو مبنی بر حقیقت ہونے کے علاوہ قارئین کے لیے
دلچسپ، خیال انگیز اور بصیرت افروز ہو"۔ (۱۰)

سفر نامے کے فن کو اگر دیکھا جائے تو اس حوالے سے سب سے اہم چیز سفر نامہ نگار کا مطالعہ ہوتا ہے وہ جتنا اس میں ماہر ہو گا اس قدر زیادہ اچھے انداز میں ماحول کا مشاہدہ اور اس سے منسلک دوسری چیزیں مثلاً لوگوں کا رہن سہن، لباس، زبان، بات چیت، رسوم و رواج کو اپنے سفر نامے میں بیان کر سکے گا۔ مشاہدے میں گہرائی اور وسعت رکھنے والا انسان ہی ایک اچھا سفر نامہ نگار ہو سکتا ہے۔ وہ جتنی گہرائی سے چیزوں کا مطالعہ کرے گا اتنا ہی زیادہ لوگوں کو سفر نامہ پڑھنے کے بعد وہاں کے حالات و واقعات، رہن سہن اور غرض یہ کہ زندگی کے تمام پہلوؤں سے آگاہی ملے گی۔

ڈاکٹر انور سدید سفر نامے کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"فنی اعتبار سے سفر نامہ وہ بیانیہ ہے جو سفر نامہ نگار سفر کے دوران یا اختتام سفر پر اپنے مشاہدات، کیفیات اور اکثر اوقات واردات سے مرتب کرتا ہے۔ اس صنف کا تمام تر مواد موجود منظر کے گرد و پیش میں بکھیرا ہوتا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ سفر نامہ نگار صرف خارجی ماحول، خالی مشاہدہ نہیں کرتا بلکہ اپنے بیانیہ کو مدلل اور ہمہ جہت بنانے کے لیے بہت سی دوسری جزئیات کو بھی سمیٹتا چلا جاتا ہے"۔ (۱۱)

تاریخ کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو سفر نامے ہماری تاریخ کا ایک اہم باب ہیں۔ مختلف قوموں کی تاریخ کا اگر پتہ لگانا ہو تو اس کے لیے بھی بعض اوقات سفر ناموں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ قوموں کے علوم و فنون وہاں کے رہن سہن اور تہذیب و تمدن کا پتہ بھی سفر ناموں کی مدد سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ سفر ناموں کی صنف اپنے اندر بہت سے پہلوؤں کو شامل کیے ہوئے ہے۔ تاریخ کے ساتھ ساتھ اس کا تعلق اور بھی بہت سے پرانے علوم و فنون سے ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ سفر نامے قدیم ترین گروہی و تہذیبی ماخذ ہیں۔ بقول ڈاکٹر مظفر عباس:

"سفر نامے ہماری تاریخ کا ایک اہم باب ہیں۔ انسانی علوم و فنون اور تاریخ کے چشمے سفر ناموں ہی سے پھوٹتے ہیں۔ اسی لیے سفر ناموں کو قدیم ترین تاریخی اور تہذیبی ماخذ قرار دیا گیا ہے۔ سفر ناموں کی صنف ہمہ گیر ہے۔ اور گونا گوں علوم و فنون کا احاطہ

کرتی ہے۔ تاریخ کے علاوہ جغرافیہ، نفسیات، نباتات، علم الانسان، نیچرل اور سوشل سائنسز جیسے قدیم علوم سے سفر ناموں کا قریبی تعلق ہے"۔ (۱۲)

اگر تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ سفر کا آغاز تو حضرت آدمؑ کے جنت سے نکال کر دنیا کی طرف بھیجنے کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں بے شمار مقامات کی طرف سفر اختیار کیا ہمارے صحابہ اکرام نے ہجرتیں کیں اپنے پورے پورے خاندانوں کے ساتھ اونٹوں، گھوڑوں اور خچروں پر سفر کیے غرض کہ یہ سفر خاص مقاصد کے تحت کئے گئے تھے اور تاریخ کو پڑھنے کے بعد ہمیں اس کے حوالے سے معلومات بھی ملتی ہیں۔

سفر نامے کا یا سفر کا تعلق کسی خاص قوم یا خاص خطے کے لوگوں سے نہیں ہوتا۔ اس دنیا کی ابتداء اور انتہا کو اگر دیکھا جائے تو یہ سب کچھ ایک سفر ہی کی مانند ہے۔ انسان کا دنیا میں آنا اپنا ایک خاص وقت گزارنا اور پھر اس دنیائے فانی سے کوچ کر جانا یہ سب کچھ ایک سفر ہی ہے۔ سفر انسانی کا آغاز ازل سے ہے اور ابد تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ بقول ڈاکٹر تحسین فراقی:

"سفر دنیا کی کس قوم نے نہیں کیے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ سفر و سیاحت کا داعیہ تو انسانی خمیر میں اسی طرح موجود ہے جس طرح فولاد میں جوہر۔ حضرت آدم علیہ السلام نوعِ انسانی کا اولین شاہکار ہیں۔ سفر انسان کا اولین عظیم استعارہ بھی ہے۔ لیکن اس حقیقت کا اعتراف و اعلام بھی ضروری ہے کہ جتنے سفر مسلمان سیاحوں نے کئے اور معلوم اور زندہ زبانوں میں جتنے سفر نامے مسلم زبانوں میں لکھے گئے اتنے شاید ہی کسی اور زبان میں کسی غیر مسلم کے قلم سے نکلے۔ مسلمان سیاحوں میں سلیمان تاجر، المسعودی، البیرونی، ابن بطوطہ، ابن حوقل بغدادی، ابن جبیر اندلسی، اصطفری فارسی، علامہ قدسی (جنہوں نے چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں دنیا کا سفر کیا) حکیم ناصر خسرو، سعدی اور امیر خسرو تو وہ چند نام ہیں جنہوں نے بطور سیاح کے عالمی شہرت حاصل کی اور واقعہ یہ ہے کہ قدماء کا یہ سلسلہ سیاحت انہی پر ختم نہیں ہو گیا بلکہ اب تک تسلسل سے ہمکنار ہے۔ ان کے مقابلے میں دیگر تہذیبوں کے گنے چنے چند بڑے سیاحوں کے نام پیش کیے جا سکتے ہیں"۔ (۱۳)

سفر نامہ انسانی بصیرت کی ایک ایسی قدیم داستان ہے جس میں سفر نامہ نگار اپنے ذاتی تجربات ، مشاہدات اور قلبی واردات کو الفاظ کی صورت میں دوسروں تک پہنچانے کا فریضہ سر انجام دیتا ہے۔ ہمارا مذہب اسلام بھی ہمیں سیر وسیاحت کی تاکید کرتا ہے قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا جائے تو متعدد مقامات پر سفر کرنے اور قدرت کے عجائبات کا مشاہدہ کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اسلام نے ہمیشہ تسخیر کائنات کا درس دیا ہے اور اس حوالے سے تگ ودو کی تلقین بھی کی ہے۔ سفیر کا سب سے قیمتی پہلو اس کی لگاتار یا مسلسل حرکت ہے۔ حکمائے قدیم کے نزدیک زندگی ایک ایسا سفر ہے جو ازل سے ابد تک جاری رہے گا۔ اگر حضرت آدمؑ کی داستان زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو شجر ممنوعہ سے پھل توڑ کر کھانے کا واقعہ دیکھنے میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نظر آتا ہے اور اس کی وجہ سے آدمؑ کو جنت سے بھی نکال دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر اس واقعے کے مخفی پہلو پر نظر ڈالی جائے تو نظر آتا ہے کہ اس کے پیچھے بھی ایک خاص مصلحت کارفرما تھی جس کے تحت حضرت آدمؑ کو جنت سے نکل کر کُرۂ ارض کی طرف مائل بہ سفر ہونا پڑا۔ چنانچہ آدمؑ کا یہ پہلا سفر ارتقائے نسل انسانی کی طرف پہلا قدم تھا۔ حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ سے بھی ہمیں سفر کی بے مثال مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ اس روحانی تجربے اور سفر کے موضوع کے تسلسل میں ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

> ”رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں سفر اختیار کرنے کے متعدد واقعات موجود ہیں۔ ان کا اولین سفر ی تجارتی اغراض سے عمل میں آیا۔ مکہ سے مدینہ کا سفر سیاسی نوعیت کا تھا حضور ﷺ کی مدینہ سے واپسی ایک فاتح کا سفر تھا۔ لیکن اس میں بھی رشد وہدایت کے ہزاروں سلیقے موجود تھے اور یہ سفر بنی نوع انسان کی راہنمائی کے لیے آج بھی مشعل راہ کا کام دیتا ہے۔ ان سب سے ایک واقعہ معراج نبی اکرم ﷺ کے روحانی سفر کی ایک ایسی روداد ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے نے تمام خلائی حدبندیوں کو عبور کیا۔ یہ سفر حضور ﷺ کا ایک روحانی تجربہ بھی تھا اور اس میں حضور نے اپنے مولا سے کٹ جانے اور نئی زمینوں میں بودوباش کو احساس اور روح کی واردات بنادیا۔ واقعہ معراج میں متذکرہ افقی جہتوں کے علاوہ عمودی جہت بھی شامل ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کا یہ سفر جغرافیہ اور تاریخ، زمان اور مکان سب سے ماورا ہو گیا“۔ (۱۴)

اگر دیکھا جائے تو انسانی زندگی سفر سے عبارت ہے اور جب تک یہ زندگی قائم رہے گی یہ سفر کا سلسلہ بھی جاری و ساری رہے گا۔ کیونکہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے تجسس کے عنصر کو شامل کیا ہے اس لیے جب تک وہ اس کائنات میں رہے گا نئے نئے خطوں کی تلاش میں سر گرداں رہے گا۔بحثیت مجموعی اگر دیکھا جائے تو سفر کے ذریعے انسان اپنی ذات کی صحیح معنوں میں تکمیل کر رہا ہوتا ہے۔

ج۔ اردو میں مذہبی سفر ناموں کی روایت (مختصر جائزہ):

اردو ادب میں حج و عمرہ اور مذہبی سفر ناموں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔ حج کا تعلق اسلام کے ارکان خمسہ سے ہے اور یہ اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔ یہ مسلمانوں کا ایک انتہائی مقدس فریضہ ہے اور ہر مسلمان کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ حج بیت اللہ کے ساتھ ساتھ روضہ رسول ﷺ پر حاضری دے کر دلی تسکین حاصل کرے۔ حجاج اکرام جب حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد اپنے ملک واپس آتے ہیں تو وہ اس مقدس مقام کے بارے میں اپنے دوستوں، عزیزوں اور رشتے داروں کو اپنے تاثرات سے آگاہ کرتے ہیں۔ اور یہ ہی وجہ ہے کہ حج کے سفر ناموں پر ہمیں بے شمار کام دیکھنے کو ملتا ہے لیکن اس کے باوجود ہر سفر نامہ اپنی مثال آپ ہے اور پڑھنے کے بعد قاری کو ہر لمحہ اپنے اندر ایک جداگانہ کیف و جنون دیکھنے کو ملتا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید اپنی کتاب ”اردو ادب میں سفر نامہ“ میں یوں رقمطراز ہیں۔

> ”حج کے سفر نامے لکھنے کی روایت بہت قدیم ہے۔ اس کا سلسلہ حجۃ الوداع سے قائم کیا جا سکتا ہے۔ قیاس غالب ہے کہ ابتداء میں زائرین حج اپنی قلبی واردات کا اظہار زبانی کرتے تھے اور اس سے دیار محبوب سے روحانی رشتے کا تقدس پیدا کیا جاتا تھا“ (۱۵)

سفر حج ایک بہت بڑی سعادت ہے۔ یہ دلی جذبات و احساسات کا ترجمان ہے۔ ایک بندے کا اپنے خالق سے ملنے کی تمنا دل میں لے کر جانا قرب خداوندی ہے۔ قلب و نظر، ذوق و شوق اور سوز و گداز کا یہ سفر ایک انمول تحفہ ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا تجربہ ہے جو کسی اور سفر سے میسر نہیں آتا۔ اس سفر کے اثرات اس کی ذات پر ثبت ہو جاتے ہیں اور اس کی زندگی کی ایک قیمتی یادگار بن جاتے ہیں اور اسے انہیں ہمیشہ یاد کر کے دلی خوشی، تسکین اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے حج کی فرضیت کا ذکر فرمایا ہے اور اس حکم کا ادراک سرور کائنات نے اپنے خطبہ الوداع کے موقع پر کیا ہے۔ جیلانی کامران ”حج کے سفر ناموں کی روایت“ میں لکھتے ہیں:

> ”حج کے سفر اور ارض مقدس کی زیارت کو ہمیشہ یہ اہمیت حاصل رہی ہے کہ ان کی بدولت انسان دیار محبوب سے فیض یاب ہو کر لوٹتا ہے۔ فیض یابی کا عقیدہ ہماری مذہبی اور تہذیبی سرشت میں اس قدر گہرا ہے کہ دیارِ محبوب میں گزر کرنا ہی قلب و نظر کی پاکیزگی کا سبب بنتا ہے“۔ (۱۶)

مذہبی معلومات کے حوالے سے بھی اردو سفر نامے کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس ضمن میں سفر نامہ نگاروں نے مختلف مقدس مقامات کی طرف سفر کیا اور پھر اس کا تفصیلی بیان اپنے سفر ناموں میں پیش کیا۔ لوگوں کی تہذیب، رسم و رواج، عقائد کی تفصیل کے ساتھ مذہبی حوالے سے توہمات اور غلط رسوم و رواج کا ذکر بھی ہمیں سفر ناموں میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس قسم کے سفر نامے رپورٹ کا درجہ بھی رکھتے ہیں کیونکہ سفر نامہ نگار جب بیرون ملک جاتے ہیں تو وہاں کے حالات حاضرہ کو تحریری شکل میں لا کر اپنے سفر ناموں کا جزو بناتے ہیں۔

اردو میں سب سے پہلا سفر نامہ حج ۱۲۶۸ء میں نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے ''الصدیق اور بیت العتیق'' کے نام سے تحریر کیا۔ اس دور میں سفر نامہ لکھنے کی روایت خاصی مقبول ہو چکی تھی۔ ۱۸۸۰ء میں محمد عمر علی خان نے ''زاد غریب'' کے نام سے سفر نامہ لکھا اور یہ سفر نامہ حج پر مشتمل تھا۔

کاظم حسین شیفتہ نے بھی سفر نامہ حج ''حرمین الشرفین'' لکھا اور اس روایت کو آگے بڑھانے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ خواجہ حسن نظامی کا سفر نامہ ''سفر حجاز و مصر و شام'' محبت و عقیدت سے لبریز سفر نامہ ہے۔ اسی طرح نشاط انشا بیگم (بیگم حسرت موہانی) کا ''سفر نامہ حجاز'' بھی بہت مشہور ہے۔

گزرتے وقت کے ساتھ سعودی عرب میں سائنسی حوالے سے کئی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ حجاز میں لوگوں کا رہن سہن بدل گیا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے سفر نامہ نگاروں نے بھی دور قدیم کی کہانیوں کی جگہ نئے حالات و واقعات کو اہمیت دینا شروع کی۔ اور یوں مذہبی سفر ناموں میں بھی جدت آنے لگی۔ اس لحاظ سے مولانا غلام رسول مہر کا حج نامہ ''سفر نامہ حجاز'' ۱۹۳۰ کے سفر کی یادگار ہے۔ اسی طرح مولانا مودودی کا ''سفر نامہ ارض القرآن'' عمرہ کے سفر کی یادگار ہے۔

اردو کے مشہور ناول نگار نسیم حجازی کا سفر نامہ ''پاکستان سے دیار حرم تک'' ہے۔ آپ نے ۱۹۵۹ میں سرکاری وفد کے ساتھ ایران، ترکی اور سعودی عرب کی سیر کی تھی۔ واپسی پر آپ نے اپنے مشاہدات کو سفر نامے کی صورت میں قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ '' شب جائے کہ من بودم'' شورش کاشمیری ''مشہور صحافی کا سفر نامہ ہے۔ اس سفر نامے کی بہت بڑی خوبی وہ لذت آفرین، شیریں زبان ہے جو دل پر پوری طرح سے اثر کرتی ہے۔ ''لبیک'' ممتاز مفتی کا ایسا سفر نامہ جو سفر کے واقعات سے زیادہ ہمارے سامنے چودہ سو سال پرانا سعودیہ پیش کرتا ہے۔ یہ ایک غریب الوطن انسان کی کہانی ہے جو دیار محبوب اور زیارات کے دوران بھی

اپنے گناہوں کی زنجیر سے خود کو آزاد نہیں کر سکا" حدیث دل" عبد اللہ ملک کا حج کا سفر نامہ ہے اس میں بظاہر باتیں تو دل کی ہیں لیکن کیفیت اس تڑپ کی ہے جس کا نام کوئی نہیں ہے۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کا سفر نامہ حج روداد "سفر حجاز" اپنی مثال آپ ہے۔ اس سفر نامے میں حقیقت اور رماہیت حسن دریافت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ایک وجدانی نوعیت کا سفر نامہ ہے شمس کا شمیری کا سفر نامہ "جہلم سے عرفات تک" اشرف علی قریشی کا "سفر نامہ حجاز" ۱۹۹۲ کے سفر حج اور ۱۹۷۹ء کے عمرہ کی روداد ہیں۔ محمد شجاع ناموس کا "سفر نامہ حج و حرمین" ادبی طور پر قابل ستائش ہے۔ اس کے علاوہ حج و عمرہ اور مذہبی مقامات کے حوالے سے چند مزید سفر ناموں کا مختصر تجزیہ پیش کرتے ہوئے مستنصر حسین تارڑ کے مذہبی سفر ناموں میں پائی جانے والی اشتراکیت اور انفرادیت درج ذیل ہے۔

"خطبات ندیم" سید عبد المجید ندیم کا سفر نامہ حج ہے جسے آپ نے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا ہے۔ بظاہر دیکھا جائے تو یہ حج نامہ مختصر ہے لیکن اس میں مناسک حج پوری دلجمعی سے ادا کیے گئے ہیں۔ سفر نامہ بالکل تاریخ کے سے انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔ زبان انتہائی سلیس ہے۔ سفر نامہ پڑھتے ہوئے قاری کو بالکل بھی مشکل پیش نہیں آتی۔ مستنصر حسین تارڑ کے مذہبی سفر ناموں کی خوبی یہ ہی ہے کہ ان میں آسان اور سادہ زبان کا استعمال کیا گیا ہے اور بعض جگہوں پر اسلامی تاریخی حوالہ جات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

"بلاوا" لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) افضل کیانی کا حج نامہ ہے اسے بک کارسز جہلم نے ۱۹۸۰ء میں چھاپا ہے۔ یہ ۲۳۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا دیباچہ (پیش لفظ) سید جعفری نے تحریر کیا ہے اس میں مصنف نے سفر نامہ لکھنے کا جو مقصد و غایت بیان کیا ہے اس کے لیے درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

> "بلاوا- ایک سفر نامے کے انداز میں قارئین کی نذر ہے۔ اس میں ذاتی مشاہدات و احساسات کو پیش کیا ہے۔ مقام اور مرتبے کو بالائے طاق رکھ کر ایک عام حاجی کی حیثیت سے مراحل اور مسائل کا سامنا کیا ہے۔ اس تحریر کی ورق گردانی اگر کسی صاحب کی دل کی رہنمائی کرنے میں مددگار ثابت ہوئی تو مجھے حاصلِ زندگی مل جائے گی"۔ (۱۷)

مستنصر حسین تارڑ کے دونوں مذہبی سفر ناموں میں حج و عمرہ اور مناسک کے حوالے سے کہیں پر بھی رہنمائی کے حوالے سے نہیں لکھا گیا بلکہ مصنف نے دونوں سفر ناموں کے لکھنے کا مقصد سفر کے حالات کو

قارئین تک پہنچانا اور غارِ حرا کے حوالے سے اپنی تڑپ کو بیان کرنا تھا جو کہ مندرجہ بالا سفر نامے "بلاوا" سے انفرادیت رکھتا ہے۔

"جمال حرمین" حافظ محمد افضل کا حج کا سفر نامہ ہے۔ یہ جنگ پبلشرز نے شائع کیا ہے یہ چار سو چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس سفر نامے کا انتساب ان ارواح طیبہ کے نام ہے جنہوں نے حضرت ابراہیمؑ کی آواز پر لبیک کہا یہ بہت سارے ابواب پر محیط ہے اور اس کے کہیں ذیلی باب بھی ہیں۔ اس کا مرتبہ و فضیلت بہت زیادہ ہے۔ اس طرح ادبی لحاظ سے یہ قابل ستائش کاوش ہے۔ یہ سفر حج آپ نے بحری جہاز میں کیا تھا اسی طرح جہاز میں اموات کا واقع ہونا اور پھر ان کی تدفین کے کرب انگیز مناظر اور لمحات کا بیان بڑی تفصیل سے کیا ہے۔

مشاہدات حرمین سید اسعد گیلانی کا سفر نامہ حج ہے۔ یہ کتاب دو سو چالیس صفحات پر مشتمل ہے اور اسے ادارہ ترجمان القرآن لاہور نے (۱۹۸۴ء) میں چھاپا ہے۔ یہ سفر نامہ سید اسعد گیلانی کا حج کا سفر نامہ بعد مین ثابت ہوا پہلے تو یہ آپ کے سفر کویت کے حوالے سے ہے جس میں آپ اپنے دوست سے ملنے جاتے ہیں اور بعد ازاں آپ کا ارادہ حج کا بن جاتا ہے۔ اس بات کا ذکر خود مصنف نے اپنے دیباچے میں کیا ہے۔

> "بہت سا سفر طے بھی ہو گیا اور مجھے اس کا شعور بھی نہیں تھا کہ میں یہ سفر حج طے کر رہا ہوں۔۔۔۔ اب جو تم کویت تک آ گئے ہو، مناسب ہے کہ عمرہ بھی کرتے جاؤ"۔ (۱۸)

اس سفر نامے کے حوالے سے جو مجموعی تاثر قائم ہوتا ہے اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ کوئی یورپی افریقی یا ایشائی ممالک کا سفر نامہ نہیں ہے بلکہ خالص مذہبی سفر کی حکایت ہے۔ بے شک اس کا آغاز کویت سے ہوا ہے لیکن مصنف نے عمرہ کی سعادت حاصل کی ہے اور سفر نامے کی اپنی فضا اور تاثرات کو بھی قائم رکھا ہے۔

"نور کی ندیاں" احمد خان درانی کا بہت خوبصورت حج کا سفر نامہ کا اس کو کاروانِ ادب (ملتان) نے ۱۹۸۳ء میں شائع کیا۔ مصنف نے دنیا کے مختلف ممالک کی سیاحت کی ہے۔ وہ تین بار حج کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ یہ سفر نامہ ان کے تیسرے حج کی روداد ہے جس میں آپ کی اہلیہ بھی آپ کے ساتھ شاملِ سفر ہیں۔ یہ سفر نامہ حج کے حوالے سے ایک مکمل گائیڈ ہے اس کو پڑھنے کے بعد قاری حج سے متعلق تمام معلومات سے

بخوبی آگاہی حاصل کر لیتا ہے۔ اس سفر نامے کا حرف آغاز اقبال مسافر سابق ایڈیٹر روز نامہ امروز ملتان نے تحریر کیا ہے۔ وہ اس کتاب کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

> ”چھوٹے چھوٹے اور بظاہر غیر اہم واقعات کو بھی درانی صاحب نے بڑی باریک بینی سے دیکھا اور اس کی اہمیت کے مدِ نظر اس کو بیان کیا ہے۔ خانہ کعبہ میں طواف اور نمازوں کا ذکر انہوں نے نہایت محبت اور عقیدت سے کیا ہے اور یہ سفر نامہ حج کے حوالے سے معلومات کا خزانہ ہے“۔(۱۹)

”وطن سے وطن تک“ سید ابوالخیر کشفی کا سفر نامہ ہے جسے مجلس مطبوعات و تحقیقات اردو جامعہ نگر، جامعہ کراچی نے شائع کیا ہے۔ یہ سفر نامہ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے جس کے چھ باب ساٹھ صفحات پر مشتمل ہیں اور آخری بیس صفحات نعتوں کے لیے مختص ہیں۔

حج نامہ ”وطن سے وطن تک“ پڑھتے ہوئے قدم قدم پر ہمیں احساس ہوتا ہے کہ مصنف نے بڑی دلجمعی کے ساتھ اور کھلی آنکھوں سے حجاز مقدس کا مشاہدہ کیا ہے۔ سارے مناظر آنکھوں کے سامنے نمو پذیر ہیں بالکل ایسے جیسے سامنے کوئی سکرین چل رہی ہوتی ہے۔

مذہبی سفر نامہ علمی و ادبی اعتبار سے ایک نہایت اہم صنف ادب ہے۔ مذہبی سفر ناموں کی ایک بہت خاص تعلیمی اہمیت بھی ہے۔ قاری سفر نامے کے ذریعے سے حقیقت، اور حقیقی مناظر، حالات اور واقعات اور چشم دید مقامات کی سیر زمانی اور مکانی فاصلوں کو طے کئے بغیر کرتا ہے تو اس آنکھوں دیکھے حال کے ذریعے سے وہ معلومات کے علمی خزانے تک رسائی حاصل کر لیتا ہے اور یہ ہی سفر نامہ کی ایک بہت بڑی خوبی بھی شمار کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر قدسیہ قریشی مذہبی سفر ناموں کی علمی، معلوماتی اور تعلیمی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتی ہیں:

> ”مذہبی سفر ناموں کی تعلیمی اہمیت بھی ہے۔ ان سے ہمیں ایک طرف مذہبی تعلیمات حاصل ہوتی ہیں اور دوسری طرف متعلقہ ممالک کی زندگی سے آگاہی ہوتی ہے کیوں کہ جو بھی حج کرنے آتا ہے وہ یہ سوچتا ہے کہ میں اپنے خیالات اپنے تجربات دوسروں تک پہنچاؤں کیوں کہ یہ سفر نامے مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس سے ان میں سب سے پہلے مذہب کے بارے میں لکھا جاتا ہے۔ حج اور اس کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ حج، عمرہ اور تمام ارکان حج کی تفصیلات ان سفر ناموں میں مل

جاتی ہیں۔ بعض سفر ناموں میں دعائیں بھی لکھی ہوتی ہیں۔ مذہبی سفر نامے دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے مفید اور اہم ہیں۔ ان سفر ناموں میں مختلف دینی و دنیاوی تجربات ہوتے ہیں"۔ (۲۰)

اردو ادب میں مذہبی سفر ناموں کی روایت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض سفر نامہ نگاروں کے ہاں کہانی پن کے عناصر بھی پائے جاتے ہیں جو سفر نامے کے حسن کو ماند کرنے میں ایک اہم کردار ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے چند سفر نامے درج ذیل ہیں۔

بشریٰ رحمٰن کا سفر نامہ حج "پہنچا جانب بطحا گذر کن" ہے یہ سفر نامہ ۱۹۸۱ء کے سفر حجاز کی روداد ہے اور ایک مختصر رپور تاژ کا تاثر بھی پیش کیا گیا ہے۔ ان کے اس سفر نامے میں شروع سے ہی کہانی پن دیکھنے میں آتی ہے وہ تہجد کی آذان کے وقت کا سماں کچھ اس انداز میں باندھتی ہیں۔

"کعبۃ اللہ کی اک اک اینٹ اللہ اللہ ورد کرنے لگی۔ دیواروں نے دم سادھ لیے۔۔۔ مینار جھومنے لگے۔۔ ستاروں نے اپنے ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیے۔ آسمان نیچے جھکا۔ اس زمین کو بوسہ دینے کے لیے۔ تاریکی کا باریک دوپٹہ پھٹ گیا۔ صبح کا چہرہ نوزائیدہ بچے کی طرح سے نیلا اور اودا ہوا پھر ایک عجیب سا رنگ آسمان پر بکھیر گیا۔ دھیرے دھیرے اور بے رنگ کے اندر سے اصلی صبح مسکراتے ہوئے یوں آرہی تھی جیسے طفل شیر خوار ماں کی گود سے باہر آتا ہے"۔ (۲۱)

ڈاکٹر سید ابو الخیر کشفی کا سفر نامہ حج "وطن سے وطن تک" ہے۔ بظاہر یہ سفر نامہ حج بہت چھوٹا ہے۔ وسیع و عمیق مشاہدات اور روحانی سفر کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے نظر نہیں آتا لیکن اسکے باوجود ہمیں اس میں حد درجے کی کہانی پن دیکھنے کو ملتی ہے جو اس سفر نامے کو بڑھانے چڑھانے میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ سفر نامہ نگار خوابوں کے ذریعے سے اپنے دلی جذبات و احساسات کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں جس کو پڑھنے کے بعد قاری کچھ زیادہ مطمئن نظر نہیں آتا ان کے سفر نامے "وطن سے وطن تک" کے اس اقتباس کو ملاحظہ فرمایئے۔

"میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کسی جگہ کھڑا ہوں اور سامنے ایک خوبصورت حجاب (پارٹیشن) ہے اس کے پیچھے سرور کائنات اور صدیق اکبر محوِ گفتگو ہیں اور یہ گفتگو میں سن رہا ہوں۔ اگر یہ حجاب خوبصورت نہ ہوتا تو میں اسے اپنے اعمال قبیحہ کی علامت

سمجھتا اور اس خواب کے بعد مکہ کے نواح میں اس کی وسعتوں میں میں نے عالم بیداری میں وہ آواز سنی"۔ (۲۲)

کہانی پن کے حوالے سے جدید سفر نامہ نگاروں میں مستنصر حسین تارڑ کا نام سر فہرست لیا جاتا ہے۔ ان کے سفر نامے "غارِ حرا میں ایک رات" میں جہاں پر ہمیں محبت و عقیدت اور اللہ اور اس کے رسول سے والہانہ عشق کی مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں وہیں ہمیں بعض مقامات پر حد درجے کی کہانی پن کا انداز بھی نظر آتا ہے۔ اس حوالے سے تفصیلی بحث کو اگلے ابواب میں شامل کیا جائے گا۔

د۔ مقاماتِ مقدسہ سے متعلق دیگر مذہبی سفر نامے:۔

مذہبی سفر ناموں کی روایت کو اگر دیکھا جائے تو یہ ہمیشہ سے ہی سفر نامہ نگاروں کے ہاں کافی مقبول نظر آتے ہیں۔ سفر نامہ نگار مذہبی سفر ناموں کے ذریعے سے قارئین کے دلوں میں مقاماتِ مقدسہ کے حوالے سے لگن اور تڑپ پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں حج و عمرہ کے سفر ناموں کے ساتھ ساتھ دیگر مذہبی سفر نامے بھی اپنی ایک خاص اہمیت کو پیش کرتے ہیں۔ یہ سفر نامے مقامات مقدسہ مثلاً شہدائے کربلا، نجف و امام زادوں کے مزارات کی زیارت، مشہد مقدس، کاظمین شریف اور دیگر مقامات متبرکہ سے متعلق ہوتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک قابل ذکر اور اہم سفر نامے درج ذیل ہیں:۔

"سفر زندگی کے لیے سوزوساز" صالحہ عابد حُسین کا سفر نامہ ہے جو انہوں نے (۱۹۸۳ء) میں لکھا۔ آپ کا شمار اُردو کی کثیر الجہات شخصیات میں ہوتا ہے۔ "سفر زندگی کے لیے سوزوساز" صالحہ عابد حُسین کے متعدد مقامات کے سفر کی دلچسپ روداد ہے۔ وہ سیر وسیاحت کا ذوق رکھتی ہیں اور اس کی اہمیت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتی ہیں:۔

"کلام پاک میں سفر وسیاحت کی تاکید بار بار آتی ہے۔ اسلام نے سیاحت کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے "علم حاصل کرو چاہے اس کے لیے چین جانا پڑے"۔ یہ مشہور حدیث بھی سیاحت کی تعلیم دیتی ہے"۔ (۲۳)

مذہبی حوالے سے اگر اس سفر نامے کو دیکھا جائے تو اس میں عراق وایران کے حالات، یہاں کے مختلف مقامات مقدسہ، امام بارگاہیں، شہدائے کربلا، امام زادوں کے مزارات اور کاظمین شریف وغیرہ سے متعلق مصنفہ کے خیالات کا اندزاہ ہوتا ہے۔ مقامات مقدسہ کا بیان ان کے لہجے میں کرب طاری کر دیتا

ہے۔ لہجے میں جذبات کا سمندر موجزن دکھائی دیتا ہے۔ حضرت معصومہ کے مزار مبارک پر حاضری کے بعد وہ جن کیفیات سے گزرتی ہیں ان کا ذکر وہ ان الفاظ میں کرتی ہیں:-

"حضرت معصومہ کا مزار نفاست، سادگی و پرکاری کا ایک دلکش نمونہ ہے۔۔۔۔۔
ہمارے قافلے کے سبھی لوگوں کے دل پر گہرا اثر تھا۔۔۔ یہ حال کہ منہ سے نہ
دعائیں نکل رہی تھیں نہ زیارات وسلام کے بول"۔ (۲۴)

پیرس وپارس "پروفیسر ثریا حسین" کا سفر نامہ ہے جو کہ (۱۹۸۴ء) میں منظر عام پر آیا۔ اس سفر نامے میں آپ نے فرانس، جرمنی، اٹلی، انگلستان اور ایران کے سفر کی روداد بیان کی ہے۔ سفر نامے میں مصنفہ نے پیرس کی تاریخی اہمیت، تہذیب و ثقافت کو بھی عمدہ انداز میں بیان کیا ہے۔ اس سفر نامے میں ۱۹۷۰ء میں ایران کے سفر کا بھی ذکر ملتا ہے۔ جہاں انہوں نے ایران کی سیر و سیاحت کا بھرپور لطف اُٹھایا۔ علاوہ ازیں انہوں نے ایران کے مقامات مقدسہ و شہدائے کربلا کے روضہ اطہر کی بھی زیارت کی اور وہاں کے روح پرور مناظر اور لوگوں کی عقیدت مندی کا خوبصورت ذکر بھی ملتا ہے، اس کا اظہار وہ ان الفاظ میں کرتی ہیں:

"روضہ میں داخل ہوتے ہی آنکھوں سے ایک بہتا سمندر جاری ہو گیا، جتنے بھی لوگ
اس وقت وہاں موجود تھے حدِ درجہ کے غمگین تھے ہر طرف سے آہوں اور سسکیوں
کی آوازیں آرہی تھیں"۔ (۲۵)

"عراق کا سفر نامہ" زینت مسعود زینب کی تخلیق ہے۔ اس سفر نامے میں مصنفہ نے عراق کے سفر کو بڑے اچھے اور عمدہ انداز میں بیان کرنے کی سعی کی ہے۔ عراق ان کو بے حد پسند ہے اور وہ اکثر اسے اپنے خوابوں میں بھی دیکھتی ہیں اس لیے اس مقام کا سفر مصنفہ کے لیے کسی بہت بڑی کامیابی سے کم نہیں ہے۔ وہ اس حوالے سے خود کو بہت خوش نصیب تصور کرتی ہیں۔ عراق میں گزارے گئے ایام کی روداد کو انہوں نے بڑے اچھے انداز میں بیان کیا ہے۔ اس سفر نامے میں عراق وایران کے جنگی حالات وواقعات، تاریخی، سیاسی، سماجی اور مذہبی صورت حال کو بڑے عمدہ طریقے سے بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مذہبی مقامات کے حوالے سے حضرت قادر عبدالقادر جیلانی، معصوم علی اصغر و علی اکبر، امام ابو حنیفہ کے مزار اقدس و دیگر مقامات متبرکہ، نجف شریف اور کربلا وغیرہ کی منظر کشی کی گئی ہے۔ اس حوالے سے درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"ہال کے دوسری طرف مقام شہادت ہے جہاں تین روز تک حضرت امام حسین کا جسم اطہر بے گور و کفن پڑا رہا تھا۔ روضہ میں داخل ہوتے ہی ماحول سوگوار ہو گیا"۔ (۲۶)

"نئے شہر پُرانی بستیاں" انتظار حُسین کا سفر نامہ ہے۔ اس سفر نامے میں متعدد ممالک نیپال، لندن، ایران، ہندوستان وغیرہ کے سفری احوال قلمبند کیے گئے ہیں۔ اس سفر نامے کو مصنف نے ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ اس سفر نامے کے ایک باب "ایک پھیرا ایران کا" میں ۱۹۹۰ء میں ایران کے سفر کا حال بیان کیا گیا ہے۔ ایرانیوں کے رہن سہن وہاں کی تہذیب و معاشرت، آداب و اطوار، طرز زندگی، وہاں کے علوم و فنون، میوزیم، تھیٹر، بازاروں، امام بار گاہوں اور زیارات اوراپنے مشاہدات و تجربات کو سفر نامے میں قلمبند کیا ہے۔

روضہ امام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اب روضہ امام میں ہم نے قدم رکھا ہے۔ یہاں عالم دگر نظر آیا، کیا پوچھتے ہو، روضہ تو آئینہ خانہ ہے۔ اور زائرین کا ہجوم، اللہ اللہ، مجمع ٹھسا ٹھس، آدمی کھچا کھچ، زیارت کی یہ ہی صورت ہے کہ قطار میں لگ جاؤ، وہاں پہنچنے پر اپنے آپ کو عقیدت سے لبریز پاؤ گے"۔ (۲۷)

دوسرے باب "مندروں کے نگر میں" انتظار حسین نے نیپال کا سفر طے کیا ہے۔ اس سفر میں وہ بالکل ایک سیاح کی طرح سر گرداں نظر آتے ہیں اس حوالے سے مصنف نے حتی لامکان کوشش کی ہے کہ مذہبی عقائد اور رسوم ورواج کو سفر نامے میں شامل کیا جائے اسی غرض سے آپ نے اس باب کا نام "مندروں کے نگر میں" رکھا ہے۔

مندروں کے حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

"پھر ہم مندروں کے نرغوں میں ہیں۔۔۔ ان مندروں میں عجب عجب شکلیں نظر آرہی ہیں۔ بعض سیدھی کسی چرند پرند یا درندے کی شکل، بعض شکلیں ایسی ہیں کہ ایک شکل میں کئی کئی جانوروں کی شکلیں شیر و شکر ہو گئی ہیں۔ کسی کسی مندر کے صدر دروازے پر پاسبانی کرتے شیر بھی ایسے نظر آتے جیسے خالی شیر نہیں ہیں۔ خالی شیر شیرنی ہوتے تو ان کے جنسی اعضا ایسے نہ ہوتے کہ اچھے خاصے مرد عورت نظر آرہے ہیں۔۔۔"۔ (۲۸)

مجموعی حوالے سے اگر ان مذہبی سفر ناموں کو دیکھا جائے تو ان میں مذہبی مقامات کے حوالے سے مصنفین کی محبت و عقیدت بے پناہ ہے۔ مقدس مقامات کی زیارات سے جہاں تاریخی واقعات سے آگاہی ہوتی ہے وہیں پر قلبی سکون بھی ملتا ہے اور یہ سفر نامے تاریخی اور مذہبی دونوں اعتبار سے ایک اہم مقام و مرتبہ رکھتے ہیں۔

ہ۔ مستنصر حسین تارڑ کا مختصر تعارف:

معروف ادیب، نامور ناول نگار، سفر نامہ نگار، طنز و مزاح نگار، دانشور، اداکار، کالم نگار، سیاح اور ٹی وی میزبان مستنصر حسین تارڑ یکم مارچ ۱۹۳۹ کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے خاندان کا تعلق ضلع منڈی بہاؤ الدین کے نواحی گاؤں جوکالیاں سے ہے۔ پیشے کے اعتبار سے آپ کا خاندان ہمیشہ کاشت کاری سے منسلک رہا۔ آپ کے والد کا نام چوہدری رحمت علی تارڑ ہے جو کہ ایک نہایت شریف، باشعور اور پڑھے لکھے انسان تھے اور "کسان اینڈ کمپنی" کے نام سے گوالمنڈی میں ایک دوکان تھی۔ تارڑ کی والدہ کا نام نواب بیگم تھا اور آپ ایک گھریلو خاتون تھیں۔ مستنصر حسین تارڑ کے بہن بھائی چھ ہیں۔ آپ ان میں سب سے بڑے ہیں۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مسلم ہائی سکول لاہور سے حاصل کی اس کے بعد آپ نے گورنمنٹ کالج لاہور سے انٹر میڈیٹ کا امتحان نمایاں نمبروں سے پاس کیا۔ پھر آپ انگلستان چلے گئے اور وہاں سے ٹیکنیکل کالج میں دو سالہ ٹیکسٹائل کورس کیا۔ آپ کو بہت چھوٹی عمر سے کھیل کود، سیر و سیاحت کا بہت شوق تھا۔ آپ نے اپنے اس شوق کو پورا کرنے کے لیے بہت سے ممالک کا سفر اختیار کیا اور پھر ان ممالک میں رہنے کے بعد وہاں کے مذہب، رہن سہن، رسوم و رواج، معاشرت اور طرز بود و باش کو اپنے سفر ناموں میں بیان کیا۔

ا۔ مستنصر حسین تارڑ بطور ڈرامہ نگار:۔

مستنصر حسین تارڑ نے جہاں سفر نامہ نگاری، ناول نگاری میں ایک اہم مقام حاصل کیا وہیں پر ڈرامہ نگاری کے شعبے میں بھی خود کو ثابت کرنے میں ایک اہم مقام حاصل کیا ہے۔ تاہم آپ نے بہت سے مشہور ڈرامے لکھے جنہیں عوام الناس کی جانب سے خوب پذیرائی حاصل ہوئی۔ آپ کے جو ڈرامے سب سے زیادہ مشہور ہوئے وہ درج ذیل ہیں۔

ا۔ ہزاروں راستے

۲۔ پرندہ

۳۔ ایک حقیقت ایک افسانہ

۴۔ شہپر

۵۔ سورج کے ساتھ ساتھ

۶۔ کیلاش

۷۔ فریب

۲۔ مستنصر حسین تارڑ بطور کالم نگار:۔

مستنصر حسین تارڑ تنقیدی سرگرمیوں کے حوالے سے بھی بلواسطہ یا بلاواسطہ طور پر جڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ نے مختلف اخبارات میں کالمز لکھے اور آج تک لکھ رہے ہیں اس حوالے سے جو بھی حالات وواقعات اور ملک کے موجودہ مسائل ہیں ان کو اپنے کالمز میں اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ مقصد بھی پورا ہو جائے اور کسی کی دل آزاری کا باعث بھی نہ بنے۔ آپ "اخبار جہاں" میں ہفتہ وار کالمز لکھ رہے ہیں اور "ڈان" میں بھی آپ کے کالمز چھپتے ہیں۔ آپ کے کچھ مشہور کالم درج ذیل ہیں۔

1. گورے ادیب، کالے ادیب اور کاملہ شمسی
2. قومی بچت کے بالوں کی تعظیم کیجئے۔
3. کرکٹ کی دُنیا باقی کھیلوں کو کھا گئی۔
4. سمندر پر تیرتے جام
5. یہ حُب الوطنی کیا شے ہے۔
6. میکسیکو کا مے خانہ "کین کُون"

۳۔ مستنصر حسین تارڑ بحیثیت ناول نگار:۔

مستنصر حسین تارڑ نے ناول نگاری کی دُنیا میں ایک بہت الگ اور منفرد مقام حاصل کیا۔ "راکھ" "مستنصر حسین تارڑ" کا ایک ایسا ناول ہے جو کہ حقیقت کے بے حد قریب دکھائی دیتا ہے۔ مشرقی پاکستان سے علیحدگی کے

المیے کو مصنف نے اِس قدر خوبصورتی سے بیان کیا ہے کہ آنے والی نسلیں بھی اُس دردناک المیے کو اس ناول کے ذریعے سے سمجھ سکیں گی۔ "بہاؤ" مستنصر حسین تارڑ کا ایک ایسا عظیم ناول ہے جو موہنجوداڑو کے دور کے لوگوں کی زندگی اور اِس زندگی کے ختم ہونے کی بہترین منظر کشی کرتا ہے۔ ناول انسان کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ اُس دور میں واپس جایا جائے اور اُن کھنڈروں کو آباد کیا جائے جو آج سوکھے ریت کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ کو رومانوی ناول نگاری میں بہت اہم مقام رکھتے ہیں۔ آپ کا ناول "پیار کا پہلا شہر" اِس کی خوبصورت مثال ہے۔ یہ ایک ایسے سچے اور معصوم پیار کی کہانی ہے جس میں مصنف نے اِس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ "پیار" کسی بھی قسم کی ظاہری خوبصورتی کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق انسان کی سیرت سے ہوتا ہے۔ کسی بھی قسم کی مغروری کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انسان کی اندگی سے اب "پیار یا محبت" جیسے الفاظ کا تعلق ختم ہو گیا ہے بلکہ یہ ناول اس بات کو ثابت کرنے کی ایک بہترین مثال ہے کہ انسان کی ظاہری صورت نہیں بلکہ اس کی سیرت سے کیا گیا پیار ہی دیرپا اور مکمل ثابت ہوتا ہے۔

۴۔ مستنصر حسین تارڑ بطور سفر نامہ نگار:

مستنصر حسین تارڑ نے ادبی زندگی کا اغاز ۱۹۵۸ء میں کیا پہلے پہل آپ نے ہفتہ وار رسالے قندیل" میں لکھنا شروع کیا۔ " قندیل" میں آپ نے سفر نامہ " لندن سے ماسکو" تک لکھنا شروع کیا جو کہ ہفتہ وار شائع ہوتا رہا۔ لوگوں نے آپ کے لکھنے کے انداز کو اس قدر پسند کیا کہ پھر لکھنے کا یہ عمل ہمیشہ کے لیے ہی شروع ہو گیا۔ ۱۹۷۱ء میں پہلا سفر نامہ " نکلے تیری تلاش" کے عنوان سے شائع ہوا۔

ڈاکٹر غفور شاہ قاسم، مستنصر حسین تارڑ کی شخصیت کے حوالے سے یوں تحریر کرتے ہیں:

> "ایک عام آوارہ گرد روح، خانہ بدوش، حسن پرست ملکوں ملکوں گھومنے والا مہم جو، داستان گو، تجسس مضطرب، فطرت سیاح، تارڑ رومانوی مزاج اور فطرت پسند شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کی شخصیت کا ایک نمایاں وصف فن گفتگو میں ان کی مہارت ہے اس حوالے سے ہم انہیں ایک مقناطیسی طلسماتی شخصیت قرار دے سکتے ہیں"۔ [۲۹]

جب آپ نے لکھنا شروع کیا تو اس وقت آپ کے ارد گرد بہت سے دوسرے لوگ بھی لکھ رہے تھے لیکن آپ کا انداز بیان، اسلوب اس قدر انوکھا اور نیا تھا کہ سب نے اسے پسند کیا اور آپ کو داد دیے بنا نہ رہ پائے۔ آپ سے پہلے لکھنے والے قدیم روایت کو اپنائے ہوئے تھے لیکن آپ نے چونکہ جدید سفر نامے کو ایک

بنیاد فراہم کی اس لیے آپ کو جدید سفر نامہ نویسی کا بانی کہا جاتا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ حسین چونکہ سیاحت کے دلدادہ ہیں اس لیے اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"سیاح دانش مند نہیں ہوتا بلکہ ایک نافرمان بچہ ہوتا ہے فرماں بردار ہو تو والدین کی گھنی چھاؤں اور بچوں کے آسمانی پیار کو چھوڑ کر اپنی من مرضی سے گھر سے بے گھر کیوں ہو جائے"۔ (۳۰)

مستنصر حسین تارڑ کو زمانہ طالب علمی سے ہی لکھنے لکھانے کا شوق تھا اس لیے آپ نے ہر صنف ادب میں طبع آزمائی کی۔ آپ کی تحریروں میں نئے رجحانات کی عکاسی زیادہ دیکھنے کو ملتی ہے۔ آپ نے جس صنف ادب میں ہی لکھا پڑھنے والے کو اپنا گرویدہ بنالیا چاہے سفر نامہ ہو، ناول، ڈرامہ، کالم تمام اصناف کے ساتھ آپ کا انصاف قاری کو ہر لحاظ سے متاثر کرتا ہے۔ لیکن اگر خصوصی حوالے سے آپ کی شہرت کو دیکھتے ہوئے جس صنف کا نام زیر غور آتا ہے وہ "سفر نامہ" ہے۔ اس صنف کے حوالے سے آپ کے چاہنے والے اور پڑھنے والوں میں آپکی مقبولیت بے حد زیادہ ہے۔ بقول فرزانہ سید:

"مستنصر حسین تارڑ سفر نامہ نگار، ناول نگار، ڈرامہ نگار، کالم نویس اور ٹیلی ویژن کے اداکار کی حیثیت سے ادبی، ثقافتی اور صحافتی دنیا میں ممتاز مقام رکھتے ہیں لیکن مستنصر حسین تارڑ کو جدید سفر نامہ نگاری کا بانی کہا جاتا ہے"۔ (۳۱)

سیاحت مستنصر حسین تارڑ کا بہترین مشغلہ ہے۔ اس غرض سے آپ نے پاکستان کے ساتھ ساتھ بیرون ممالک کے بہت سے علاقوں کو اپنے سفر ناموں کا حصہ بنایا۔ آپ کے کئی سفر نامے اردو سفر نامے کی تاریخ میں نمایاں مقام و مرتبے کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ نے پاکستان کے خوبصورت علاقوں کا سفر کیا اور پھر وہاں کے دلکش مناظر کو اپنے سفر ناموں میں متعارف کروایا۔

مستنصر حسین تارڑ کے سفر ناموں میں سیاست، معاشرت، جغرافیہ، تہذیب، تاریخ اور داخلی عناصر کی موجودگی انہیں دوسرے سفر نامہ نگاروں سے منفرد مقام و مرتبہ بخشتی ہے۔ ان کے سفر ناموں کا جزو خاص یہ تمام عناصر ہوتے ہیں جو سفر نامے کو دلکشی اور رعنائی بخشتے ہیں۔ اس حوالے سے فرزانہ سید لکھتی ہیں:

"مستنصر حسین تارڑ نے جس طرح تاریخ، جغرافیہ، سیاست، قدیم تہذیبوں، فن تعمیر اور رسم و رواج کو اپنے سفر ناموں میں سمویا ہے، اسی طرح اگر وہ ان علوم کے بارے میں الگ الگ نظریات پیش کرتے تو شاید ایک محقق اور عالم مانے جاتے"۔ (۳۲)

زبان و بیان اور اسلوب کے حوالے سے دیکھا جائے تو مستنصر حسین تارڑ کے سفر ناموں میں جذبات واحساسات کی بھرپور عکاسی کے ساتھ ساتھ سادہ اور شگفتہ اسلوب، طنز و مزاح کا استعمال، افسانوی طرز اظہار، رومانویت اور ذاتی تجربات کا ایسا اظہار دیکھنے کو ملتا ہے کہ قاری خود کو اس مقام پر پاتا ہے جس کے حوالے سے سفر نامہ لکھا گیا ہو۔ مستنصر حسین تارڑ ہر بات کی تہہ تک جا کر ہی سکون پانے والے انسان ہیں مختلف عقائد کے حوالے سے آپ نے بے پناہ معلومات کا ذخیرہ حاصل کیا کیونکہ آپ کا سفر بیرون ممالک میں جب ہوا تو آپ کو بہت سے عقیدے کے لوگوں سے بھی بات چیت اور روابط بڑھانے کا بھی موقع ملا اس لیے آپ نے اس حوالے سے خاطر خواہ معلومات اکٹھی کر لی ہوئیں تھیں تاکہ آپ پہلے سے ہی بنیادی باتوں کو جانتے ہوں اور مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ مستنصر حسین تارڑ اکیلے سفر کرنے کو پسند نہیں کرتے بلکہ آپ کی کوشش ہمیشہ سے یہی ہوتی ہے کہ کوئی نہ کوئی آپ کے ساتھ سفر اختیار کرے اس ضمن میں آپ اپنے دوستوں اور خاندان کے لوگوں کو اپنے ساتھ شامل سفر کرتے رہے ہیں۔ اور پھر واپسی سفر پر سب کا ذکر بہت اچھے انداز میں اپنے سفر ناموں میں کرتے رہے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ کے سفر ناموں میں ہمیں ایک خاص قسم کی بے ساختگی دیکھنے کو ملتی ہے۔ قاری بالکل ایسے محسوس کرتا ہے کہ وہ مصنف کے ساتھ ہے۔ اپنے قاری کو بالکل بھی بوریت کا شکار نہیں ہوتے دیتے اور ہر لمحہ وہ اس انتظار میں ہوتا ہے کہ آگے مزید کیا کچھ ہونے والا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کے سفر ناموں کی تعداد بائیس ہے۔ ان سفر ناموں کے عنوانات درج ذیل ہیں۔

نکلے تیری تلاش میں، اندلس میں اجنبی، خانہ بدوش، پتلی پیکنگ کی، نیپال نگری، ہنزہ داستان، کے ٹو کہانی، سفر شمال کے، بلتستان داستان، پاک سرائے، سنولیک، چترال داستان، شمشال بے مثال، دیوسائی، برفیلی بلندیاں، رتی گلی، سنہری الو کا شہر، ماسکو کی سفید راتیں، نیویارک کے سو رنگ، منہ ول کعبے شریف اور غار حرا میں ایک رات۔

ان سفر ناموں میں ۱۹ کا تعلق سیر و سیاحت سے ہے اور باقی دو سفر ناموں کا تعلق مذہبی سفر ناموں سے ہے۔ "منہ ول کعبے شریف" اور "غارِ حرا میں ایک رات" دونوں مذہبی نوعیت کے سفر نامے ہیں۔ ان دونوں سفر ناموں میں مستنصر حسین تارڑ کی مذہب سے والہانہ محبت اور عقیدت کی مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ کے دوسرے سفر ناموں کی نسبت ان دو سفر ناموں میں آپ کا اسلوب بیان اور انداز گفتگو یکسر ایک الگ نوعیت کا ہے اور اللہ اور اس کے رسول کے لیے آپ کی محبت و عقیدت بے مثال انداز میں

ہمارے سامنے آتی ہے۔ ان سفر ناموں کو پڑھنے کے بعد مستنصر حسین تارڑ کی ایک بالکل الگ اور منفرد تصویر ہمارے سامنے آتی ہے۔ اللہ کی ذات سے عشق کے ساتھ ساتھ مکے اور مدینے میں مقدس مقامات کی ایک جھلک دیکھنے کی آپ کی تڑپ اور اس تڑپ کا اظہار قاری کو اس ماحول میں لے جاتا ہے۔

میرا موضوع مقالہ چونکہ مستنصر حسین تارڑ کے مذہبی سفر ناموں کے حوالے سے ہے اس لیے اگلے ابواب میں ''منہ ول کعبے شریف'' اور ''غارِ حرا میں ایک رات'' کا فکری اور فنی جائزہ اور آخر میں ان دونوں کا تقابل پیش کیا جائے گا۔

حوالہ جات

1. سید شہاب الدین دسنوی، فہمیدہ بیگم (مرتبین)، اردو جامع اللغات، جہلم بک کارنر، جہلم، س ن، ص۵۸۹
2. سید احمد دہلوی، مولوی (مرتب)، فرہنگ آصفیہ (جلد سوم)، مرکزی اُردو بورڈ، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۸۰
3. سید شہاب الدین دُسنوی، فہمیدہ بیگم (مرتبین)، اردو، جامع اللغات، جہلم بک کارنر، جہلم، س ن، ص۵۸۹
4. سید احمد دہلوی، مولوی (مرتب)، فرہنگ آصفیہ (جلد سوم)، مرکزی اُردو بورڈ، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۱۴۱
5. , 6d Great Advanced Learner's Dictionary, oxford University Press Ox 2 Clareden Street Oxford P # 1384.
6. ایضاً، ص ۱۳۸۵
7. حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز (مرتب) کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، ص ۱۰۰
8. انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب میں سفر نامہ، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۲۸، ۲۷
9. رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصناف ادب، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۱۸۹، ۱۸۸
10. حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز (مرتب)، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۷۷ء، ص ۱۰۰
11. انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب میں سفر نامہ، مغربی پاکستان اکیڈمی لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۵۲
12. مظفر عباس، ڈاکٹر (مقدمہ)، عجائبات فرہنگ، از یوسف خان کمبل پوش، گوہر پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۰ء ص ۸
13. تحسین فراقی، ڈاکٹر (مقدمہ)، عجائبات فرہنگ از یوسف خان کمبل پوش، مکہ بکس، لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۲۰، ۱۹
14. انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب میں سفر نامہ، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۵۰
15. ایضاً، ص ۴۶۱
16. جیلانی کامران، حج کے سفر ناموں کی روایت، رسالہ ماہ نو، لاہور، سنگ میل پبلی کیشن، نومبر ۱۹۷۸ء، ص ۵۲
17. کرنل افضل کیانی، بلاوا، بُک کارنر جہلم، ۱۹۸۰ء، ص ۸
18. سعید اسعد گیلانی، مشاہدات حرمین، ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۳۷
19. احمد خان دُرانی، نور کی ندیاں، کاروانِ ادب، ملتان، ۱۹۸۴ء، ص ۷
20. قدسیہ قریشی، ڈاکٹر، اردو سفر نامے انیسویں صدی میں جامع نگر، نئی دہلی، فروری ۱۹۸۷ء، ص ۷۰
21. بشریٰ رحمٰن، پہنچا جانب بطحا گزر کن، ادارہ وطن دوست لاہور، ۱۹۸۱ء، ص، ۲۴۷

22. ابوالخیر کشفی،ڈاکٹر، وطن سے وطن تک، ادارہ مطبوعات وتحقیقات اردو کراچی،۱۹۸۶ء، ص ۳۷
23. صالحہ عابد حسین، سفر زندگی کے لیے سوزوساز، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی،۲۰۱۱ء ص ۷
24. ایضاً، ص ۱۰۳
25. پروفیسر ثریا حُسین، پیرس وپارس، دارالاشاعت پنجاب لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۳۷۔۳۸
26. زینت مسعود زینب، عراق کا سفر نامہ، ساشا پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۰۲ء، ص ۶۴
27. انتظار حسین، نئے شہر پُرانی بستیاں، سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۱۰۸
28. ایضاً، ص ۱۰۹
29. غفور شاہ قاسم،ڈاکٹر، مستنصر حسین تارڑ، شخصیت اور فن، مشمولہ قومی زبان، اگست ۲۰۱۳ء، ص ۷۱
http://www.mukaalma.com/14092.related posts origin =240366=2.30
31. فرزانہ سید، نقوش ادب،لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص ۴۹۸
32. ایضاً ، ص ۴۹۹

باب دوم:

"منہ ول کعبے شریف" اور "غارِ حرا میں ایک رات" کا فکری جائزہ

مستنصر حسین تارڑ کا سفر نامہ "منہ ول کعبے شریف" سفر نامہ حج ہے۔ اسے ۲۰۰۴ء میں سنگ میل پبلی کیشنز لاہور سے پہلی بار شائع کیا گیا ہے۔ کتاب کا آغاز غالب کے مشہور شعر سے کیا گیا ہے۔ شعر ملاحظہ فرمایئے۔

؎ اپنا نہیں شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
اس در پر نہیں بار تو کعبے کو ہی ہو آئے

مرزا اسد اللہ غالب کے شعر کے بعد اگلے صفحے پر فہرست دی گئی ہے جس میں سفر حج کی تفصیلات کو فہرست کی صورت میں پیش کیا ہے، جس کا آغاز حج پر جانے کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ اس میں سب سے پہلے لاہور سے جدہ پھر خانہ کعبہ اور وہاں پر قیام کرنے کے بعد منیٰ اور پھر عرفات کی طرف روانگی اور پھر وہاں سے مزدلفہ میں صبح و شام قیام کا احوال اور آگے چل کر دوبارہ منیٰ اور وہاں سے مکہ اور آخر میں شیطان کو کنکریاں مارنے کے حوالے سے دوبارہ منیٰ کی طرف روانگی کا احوال اور حج کے اختتام پر جہاں سے سفر شروع ہوا تھا یعنی جدہ کی طرف واپسی۔ فہرست کے پہلے حصے میں ان تمام تر تفصیلات کو جن کا تعلق حج سے ہے بڑے اچھے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا حصہ "طائف" کے سفر کے حوالے سے ہے۔ اس میں سوئے طائف، مسجد عداس اور پھر واپس مکے کی طرف روانگی کے حوالے سے ہے۔ تیسرا حصہ "منور مدینہ" کے سفر کی روداد ہے۔ اس میں سوئے مدینہ اور پھر مسجد نبوی کا احوال و تذکرہ نہایت عقیدت مندانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

سفر نامے کا چوتھا حصہ "روضہ رسول" کی زیارت کے نام سے ہے۔ اس میں مسجد نبوی، جنت البقیع، جبل احد، قبا اور مدینہ، غارِ حرا اور پھر آخر میں مکے کی طرف روانگی کا احوال ہے۔ سفر نامے کو مکمل کرنے کے لیے مستنصر حسین تارڑ نے ۳۲ مقامات اور ۵۵ عنوانات کا سہارا لیا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ کا یہ سفر نامہ چونکہ حج نامہ ہے۔ اس میں ہمیں عقیدت و محبت جا بجا نظر آتی ہے۔ سفر نامہ ۴۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ قاری سفر نامہ پڑھتے ہوئے خود کو اس ماحول میں اور فضاؤں میں شامل

محسوس کرتا ہے۔ "غار حرا میں ایک رات" مستنصر حسین تارڑ کا مذہبی سفر نامہ ہے۔ اس سفر نامے کا آغاز بھی "غالب" کے شعر کے ایک مصرعے سے کیا گیا ہے۔

؎ تپش شوق نے ہر ذرے پہ اک دل باندھا

غالب کے شعر کے بعد اگلے صفحے پر فہرست دی گئی ہے اس کا آغاز "شہر رسول" سے کیا گیا ہے۔ اس میں مختلف عنوانات کو موضوع بنایا گیا ہے مثلاً مدینے میں ہونا، اماں ماریہ قبطیہ کے گھر، کعب بن اشرف کا قلعہ، بنو نضیر کی بستی، بنو قریضہ کے آثار، مسجد رانونہ کے کھنڈر، بئیر غرص کے کنویں، مسجد قباء، فارس کا سلمان، سلمان فارسی کی خندق اور تیر اندازوں کا ٹیلہ جس میں حضور ﷺ گرے تھے۔ دوسرا حصہ "شہر اماں حوا" جدہ میں ہونا۔ فہرست سامان برائے غارِ حرا۔۔۔ تبتی رک سیک میں "مکہ مکرمہ اور بیس کیمپ غارِ حرا کے حوالے سے ہے۔ آخری حصہ "غار رسول ﷺ میں" یہ حصہ "غار حرا میں ایک رات" کے حوالے سے ہے۔ ۱۱۲ سے ۲۹۴ کے صفحات اس آخری حصے کے حوالے سے ہیں۔ یہ سفر نامہ کل ۲۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

ڈاکٹر وحید الرحمٰن خان مستنصر حسین تارڑ کے سفر نامہ حج پر یوں رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "منہ ول کعبے شریف" میں مصنف کا چہرہ ہمہ وقت کعبے کی جانب رہا ہے، نگاہ بھی روبرو رہی ہے لیکن انہوں نے حدِ نگاہ میں آنے والے دیگر مناظر کو نظر انداز نہیں کیا چنانچہ اس تصنیف میں "من کی دنیا" کے نظارے ہیں۔ ذوق و شوق کے مظاہر ہیں۔ روحانی کیف و سرور کا اظہار ہے، آب زم زم اور عرق انفعال ہے، سفید احرام میں سیاہ پوش کعبے کا طواف ہے، مقامات مقدسہ کی زیارات ہیں، تاریخ کے ایمان افروز واقعات ہیں، انوار و تجلیات ہیں۔۔۔ اور ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ اس میں "تن کی دنیا" کی تصویریں نہیں، شیطانی وسوسے ہیں، تشکیک کا رجحان ہے، جب دنیا اور حسرت گناہ ہے، عرب طرزِ حیات ہے، ثقافت، معاشرت اور سماجیات ہے، اہل عرب کی علم بے زاری، حسن پرستی اور شکم مستی کے تذکرے ہیں، غرض کہ دفتر شکایات ہے۔۔ یہ سفر نامہ ایک عہد کا عکاس ہے۔ یہ سفر نامہ ایک دل، ایک دماغ اور چشمِ بینا کا ترجمان ہے"۔ (۱)

مستنصر حسین تارڑ کا دوسرا سفر نامہ "غارِ حرا میں ایک رات" گزارنے کے حوالے سے ہے۔ اس سفر نامے میں ہمیں حضور ﷺ سے عشق اور عقیدت کی مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ یہ سفر نامہ مصنف کے اس عشق اور ذوق و شوق کو ہمارے سامنے لاتا ہے۔ جس کے لیے انہوں نے غار حرا میں ایک رات قیام کیا اور پھر ان تمام حالات و واقعات کو اپنے سفر نامے کا حصہ بنایا۔

ان دونوں سفر ناموں کے مختصر سے تعارف کے بعد اب ان کا فکری جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔ "منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" یہ دونوں سفر نامے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے عشق، عقیدت اور بے پناہ محبت سے لبریز نظر آتے ہیں۔

الف۔ اللہ اور رسول ﷺ سے بے پناہ محبت:

"منہ ول کعبے شریف" میں سفر نامے کے آغاز سے ہی ہمیں مصنف کی مکے جانے کی تڑپ دیکھنے کو ملتی ہے۔ چونکہ یہ سفر نامہ حج ہے اس لیے مصنف کی عقیدت اس حوالے سے اور بھی گہری دکھائی دیتی ہے۔ مصنف جب لاہور ائیر پورٹ سے روانہ ہوتے ہیں تو انتہائی بے چین دکھائی دیتے ہیں انہیں پل بھر بھی چین نہیں آرہا ہوتا اور ہر لمحہ یہ ہی انتظار ستا رہا ہوتا ہے کہ کب مکے پہنچیں گے۔ مستنصر حسین تارڑ اکیلے سفر کو پسند نہیں کرتے ساتھ کسی نہ کسی کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس سفر میں ان کے چھوٹے بیٹے سمیر ان کے ساتھ شریک سفر ہیں۔ پرواز کے دوران جب پائلٹ نے بلند آواز ہو کر کہا کہ جہاز کے بائیں جانب دیکھئے مکہ نظر آرہا ہے تو اس لمحے مصنف کی بے چینی اور عقیدت دیکھنے لائق تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

> "میں کھڑکی کے شیشے پر آنکھیں جھپکتا اپنے تئیں اپنی نظر کو نیچے اتارنے لگا کہ اے بینائی اگر تو بینائی ہے تو یہ وہ لمحہ ہے جب تو یہ ثابت کر سکتی ہے کہ تو سچ مچ بینائی ہے۔ اور پھر اس نابینائی میں کچھ بینا ہوا۔۔ دیدہ بینا ہوا" (۲)

مکے پہنچنے کے بعد خانہ کعبہ کے گرد طواف کا مرحلہ آیا تو مصنف اس حوالے سے خاصے پریشان دکھائی دیے کیونکہ انہیں دھتکارے جانے کا خدشہ لاحق ہو گیا تھا۔ اور وہ سوچ رہے تھے کہ یہ جو لوگ ہزاروں برسوں سے گردش میں آئے ہوئے ہیں نہ میری نسل کے ہیں اور نہ ان کی رنگت اور زبان مجھ سے ملتی ہے تو کہیں یہ پرایا کر کے دھکیل کر باہر ہی نہ نکال دیں۔ لیکن ان تمام تر شکوک و شبہات کے باوجود بھی مصنف نے طواف کا ارادہ کیا اور جب پہلے چکر کے چند ہی قدم اٹھائے تو خود کے بارے میں سوچنے لگے۔

"میں ایک ذہنی طور پر پسماندہ بچے کی مانند منہ کھولے۔ جس کی باچھوں سے رال بہتی ہو، اس کی مانند پر شوق طواف کرتا ہوا خانہ کعبہ کے سیاہ پوش گھر کو تکتا چلا جاتا تھا۔ "(۳)

جب طواف کا ایک چکر پورا ہو جاتا ہے تو اس لمحے مستنصر حسین تارڑ نے جو کچھ طواف کے دوران دیکھا ہو تا ہے اسے بیان کرتے ہیں کہ کس طرح سے اپاہج لوگ ڈولیوں میں لے جائے جا رہے تھے۔ ان کے عزیز رشتے دار ان کو سہارا دے رہے تھے اور کس طرح سے ان کے والدین ان کے لے دعا گو تھے ہر طرف دعاؤں کی صدائیں بلند تھیں لوگ رو رو کر دعائیں مانگتے چلے جا رہے تھے۔ انسان طواف کے دوران دنیا اور اس کی تمام تر رنگینیوں کو یکسر بھول جاتا ہے۔ اسے بس صرف ہر طرف "اللہ ہو" کا ورد ہو تا دکھائی دیتا ہے وہ بھول جاتا ہے کہ کون کس دنیا سے آیا ہے ہر طرح کی غرض و غایت سے پاک ہو کر سوچنے لگتا ہے بلکہ سوچ بھی ختم ہو کر رہ جاتی ہے اس حوالے سے مستنصر حسین تارڑ لکھتے ہیں:

"جیسے ذکر میں غرق لوگ سر جھٹکتے حالت حال میں اللہ ھو اللہ ھو کا ورد کرتے آس پاس سے غافل ہو جاتے ہیں، زماں و مکاں سے بے خبر ہو جاتے ہیں ایسے میں بھی ایسا غرق اور بے خبر ہوا ہوں کہ پہلے پھیرے کا ذکر کرتا حالتِ حال میں ایسا آیا کہ ابھی صرف ایک پھیرا مکمل ہوا ہے۔ یہیں ایسا غافل ہو گیا تو حج کے تذکرے کا کیا ہو گا"۔ (۴)

دیوارِ کعبہ تک رسائی حاصل کرنا ایک انتہائی مشکل کام ہو تا ہے۔ زائرین کا اس قدر ہجوم ہو تا ہے کہ درجنوں ماننے والوں کے جھنڈ کے جھنڈ دکھائی دیتے ہیں۔ یہ دیواروں کے پتھروں میں اپنی جان بھرتے ہیں اور پھر یک جان ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے گریہ کرتے نڈھال ہو جاتے ہیں۔ مصنف لوگوں کی اس عقیدت و محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر ہر حال میں دیوارِ کعبہ تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے اس سلسلے میں ان کے چھوٹے بیٹے سمیر ان کی مدد کرتے ہیں اور وہ ان کے بازوں کے سائے میں دیوارِ کعبہ تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ دیوار کعبہ کے حوالے سے وہ اپنی عقیدت کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں:

"اس گیلی دیوار پر میں ہونٹ رکھتا تھا۔ اسے بوسہ دیتا تھا دیر تک اپنے لب رکھتا تھا۔ پھر ماتھا ٹیک کر مانگنے میں محو ہو تا تھا تو پھر بے تابی ہوتی تھی کہ ایک اور بار وہیں لب رکھ

دوں محبوب کے چہرے کو چومتے ہوئے کون سیر ہوتا ہے۔ کس کی تسلی ہوتی ہے کہ بس کافی ہے۔۔ لب ہٹاتے ہی ایک اور بوسے کی طلب ہوتی ہے"۔[۵]

حج کے یوں تو تمام مناسک ہی مشکل ہوتے ہیں اور انہیں ادا کرنے کے لیے کافی تگ و دو بھی کرنا پڑتی ہے۔ مزدلفہ میں رات قیام کرنے کا معاملہ درپیش آیا تو مستنصر حسین تارڑ اس سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ یوں کھلے آسمان تلے رات بسر کرنے میں کیا حکمت ہو سکتی ہے۔ شاید اس کے پیچھے یہ حکمت ہو سکتی ہے کہ غریب امیر ایک آسمان تلے رات گزاریں کسی کا بھی کوئی گھر نہ ہو اور ہر کوئی بے گھر ہو کر یہاں آکر ایک رات کے لیے آباد ہو جائے۔ یہ دنیا امیر لوگوں سے بھری پڑی ہے۔ اس رات بڑے بڑے تکبر کرنے والوں کے بت ٹوٹ کر ریت میں ملتے ہوں گے اور جب انہیں اپنی اصلیت کا پتہ چلتا ہو گا تو خوب روتے ہوں گے کہ ہم تو خود کو نرم بستروں کا عادی بنا چکے تھے حالانکہ اصل زندگی کی حقیقت تو یہ ہے۔ اس حوالے سے مستنصر حسین تارڑ پر جو بیتی وہ اس کا احوال ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"میں نے اپنی آوارگی کے دوران بہت سی راتیں کھلے آسمان تلے گزاری تھیں۔ کبھی کسی فٹ پاتھ پر اور کبھی پہاڑوں کے اندر۔۔ لیکن یہ رات ان سب راتوں پر حاوی تھی، جدا تھی۔۔ کہ آج میری آنکھیں رو رو کر لال گلال ہوتی تھیں۔۔۔ نمی کی ایک جھلی پر بکھیرتی سورج کی ایک کرن میری آنکھوں میں اتری تھی۔۔ میں نے اس کی موجودگی کو محسوس کیا تھا۔۔ قصویٰ کی جھانجھریں سنی تھیں اور میں حاجی ہو گیا تھا"۔[۶]

مستنصر حسین تارڑ کو حج کی ادائیگی کے بعد جو تڑپ بہت ستانے لگی تھی وہ "غار حرا میں ایک رات" قیام کرنے کی تھی فرائض کے حوالے سے حج کی ادائیگی آپکو مطمئن کر چکی تھی لیکن اس کے باوجود بھی ایک کسک ایسی باقی رہ گئی تھی کہ آپکو واپس اسی در پہ جانے کا اشتیاق سکون نہیں لینے دیتا تھا۔ غارِ حرا ایک ایسی غار نہیں ہے جہاں پر کھلے عام رات گزاری جاسکے لیکن مستنصر حسین تارڑ کی اس خواہش کی کوئی حد نہ تھی وہ ہر حال میں وہاں جانے اور رات بسر کرنے کے حوالے سے بضد تھے۔ اس حوالے سے آپ اپنے سفر نامے "غار حرا میں ایک رات" میں لکھتے ہیں:

"اور جب مجھے قطر کے بین الاقوامی ایوارڈ سے نوازا گیا تو پہلا خیال نہ اعزاز کا آیا اور نہ انعامی رقم کا۔۔ بس نوازدیئے جانے کا خیال آیا کہ بلاوے کی فہرست پر نظر ثانی ہو گئی ہے۔۔ یہ ایوارڈ تو محض ایک بہانہ ہے۔۔ میں دن رات میمونہ کے ساتھ غارِ حرا تک

پہنچنے اور وہاں نہ صرف دو نفل ادا کرنے کے بلکہ کچھ وقت گزارنے کے بارے میں باتیں کرنے لگا"۔ (۷)

مستنصر حسین تارڑ نے "حج" کو "ہاجرہ" قرار دیا ہے اس حوالے سے ڈاکٹر وحید الرحمان خان یوں رائے دیتے ہیں:

"تارڑ صاحب نے مقدس سفر کے دوران اپنی نظروں کی خوب حفاظت کی ہے۔ وہ صنف نازک کو چشم تمنا سے دیکھتے ہیں اور نہ ہی دز دیدہ نگاہی کا مظاہرہ کرتے ہیں سہو نظر کی بات اور ہے لیکن سوء نظر کو انہوں نے حرام ہی جانا ہے۔ تارڑ صاحب کا تصورِ زن، اس سفر میں اپنادائرہ مکمل کر تا رکھائی دیتا ہے۔ یہ سفینہ حسن اور ہوس کے پانیوں سے گزرتا ہوا کنارے آلگا ہے اس کنارے پر عورت محض کائنات کی رنگینی کا باعث نہیں بلکہ کائنات کی ہستی کا سبب بھی ہے۔ اسی کے دم سے ساز ہستی میں صدا ہے اور یہ صدا تعظیم اور تقدیس کی لہروں پر بہتی ہوئی پوری کائنات میں موجزن ہے تارڑ صاحب نے "حج" کو "ہاجرہ" قرار دے کر وجودِ زن کے عزو شرف کو نمایاں کیا ہے"۔ (۸)

مصنف کی جو عقیدت و محبت خدا سے تھی وہ حج کرنے کے بعد مزید کھل کر ہمارے سامنے آتی ہے کہ کس طرح سے انہوں نے حج کے تمام فرائض کو ادا کیا۔ بالکل اسی طرح رسول ﷺ سے عقیدت بے پناہ تھی اور وہ اسی حوالے سے غارِ حرا جانے کے بھی بہت زیادہ خواہش مند تھے۔

حج کی سعادت ایک بہت بڑی سعادت ہے یہ بہت کم لوگوں کو اس دنیا میں نصیب ہوتی ہے پر جن لوگوں کو نصیب ہوتی ہے ان سے زیادہ خوش نصیب انسان اور کوئی نہیں ہوتا بھلا اس سے بڑھ کر اعزاز کی بات اور کیا ہو گی کہ انسان اپنے خالق حقیقی سے اس کے گھر پر ملاقات کرنے جاتا ہے اور اس در پر جا کر اپنی تمام تر حاجتوں کو پورا کرنے کے حوالے سے دعائیں مانگتا ہے اپنے گناہوں پر نادم اور شرمندہ ہو کر معافیاں مانگتا ہے اور خود کو بخشوانے کے حوالے سے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ حج سے واپسی پر انسان بہت پر سکون محسوس کرتا ہے اور اس طرح محسوس کرتا ہے کہ وہ ابھی ابھی دنیا میں آیا ہے اس حوالے سے "غار حرا میں ایک رات" میں مستنصر حسین تارڑ لکھتے ہیں:

"حج سے واپسی پر پاکستان میں ایک مکمل طمانیت اور آسودگی میں رہا۔ زندگی میں سب سے بڑے اجتماعی تجربے کے نشے کے لطف میں رہا اور جب یہ نشہ کم ہوا۔ اور سب نشے

> بے شک وہ روحانی نوعیت کے ہی کیوں نہ ہوں کم ہو جاتے ہیں۔ کم از کم میرے ایسے شخص کے۔۔ تو میری کند سوئی غارِ حرا پر اٹک گئی۔ کیسے ہو گا، کب ہو گا، کیا اس حیات میں ممکن ہو گا؟۔۔ پھر اس بین الاقوامی ایوارڈ کی بیرونی مدد آ گئی۔۔۔" (۹)

رسول اللہ ﷺ سے محبت اور عقیدت ہی تھی کہ جو ہر لمحہ مستنصر حسین تارڑ کو اس در پر جانے کے لیے بے تاب کر دیتی تھی۔" منہ ول کعبے شریف "میں جہاں ہمیں مصنف کی حج کے لے تڑپ اور بے چینی نظر آتی ہے بالکل اسی طرح" غار حرا میں ایک رات "میں ہمیں ان کی غار حرا میں جانے اور وہاں پر رات قیام کرنے کی بے چینی کا اندازہ ہوتا ہے۔ انہیں غار میں نہ صرف جانے زیارت کرنے کا اشتیاق ہوتا ہے بلکہ وہ وہاں رات بسر کرنا چاہتے ہیں۔ زیارت کا موقع تو انہیں تب ہی نصیب ہو چکا ہوتا ہے جب وہ حج کرتے ہیں اور بعد میں غار حرا بھی زیارت کی نیت سے جاتے ہیں۔ لیکن اس بار ان کی تڑپ وہاں پر قیام کرنے کی ہے اور قیام کا مقصد وہاں پر رہ کر ہر ایک چیز کو محسوس کرنا، حضور ﷺ کے اس دور کے بارے میں سوچنا، غار کے اندر ہر ایک چیز کے حوالے سے بے پناہ عقیدت رکھنا ہوتا ہے۔

غارِ حرا میں جانے اور وہاں پر رات قیام کرنے کے حوالے سے مصنف کچھ پریشان بھی تھے انہیں عجیب و غریب قسم کے خیالات بار بار گھیر لیتے تھے کہ پتہ نہیں وہاں پر رات قیام کا موقع نصیب ہو گا بھی نہیں کوئی اندر جانے بھی دے گا اور رش بھی بہت زیادہ ہو گا۔ اس حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔

> "حج کے زمانے میں بہت لوگ ہوتے ہیں۔ اب کم لوگ ہوں گے۔۔ ہو سکتا ہے صحن میں صرف دس بارہ لوگ ہوں تو مجھے اندر جانے کا موقع مل جائے۔ ہو سکتا ہے وہ لوگ میرا لحاظ کریں اور میں کچھ دیر وہیں ٹھہرا رہوں۔۔ دو چار پتھروں کو ہاتھ لگا سکوں۔ ۔ دو چار سانس لے سکوں جہاں کچھ سانس ٹھہرے ہوتے ہیں ان سانسوں میں سانس لے سکوں۔۔ اور میمونہ نے جو عام طور پر مجھے دیوانہ جانتی ہے اس چوتھی خواہش کی تکمیل کی بے خبری کو قطعی طور پر دیوانگی نہ جانا اور مکمل طور پر مجھے سپورٹ کیا کہ ہاں تمھیں ہر صورت میں غارِ حرا تک اور اس کے اندر جانا ہے۔۔" (۱۰)

مستنصر حسین تارڑ نے دنیا کے بہت سے ممالک کا سفر کیا اور سفر نامے لکھے۔ آپکے سفر ناموں میں سفر کے حالات اور مناظر کا بیان بہت اچھے انداز میں ملتا ہے اور قاری لطف اندوز ہوتا ہے "غار حرا میں ایک رات" قیام کے حوالے سے آپکا یہ سفر بالکل انوکھا اور منفرد مقام رکھتا ہے۔ کیونکہ اس سفر کے لیے آپکے بچے

بھی آپکو منع کر رہے ہوتے ہیں کہ صرف زیارت کریں اور واپس آجائیں رات کے قیام کا فیصلہ ترک کر دیں لیکن اس حوالے سے آپکی بیگم میمونہ آپ کا ساتھ دیتیں ہیں کیونکہ انہیں آپکی تڑپ کا اندازہ بخوبی ہو چکا ہوتا ہے۔اس حوالے سے مصنف لکھتے ہیں:

"ایک روز میں نے استفسار کیا"مونا بیگم"نہ تم نے میری اس دیوانگی کا ٹھٹھہ اڑایا ہے۔۔نہ استہزائیہ مسکراہٹ سے میری دل شکنی کی ہے جو کہ تم اکثر کرتی ہو۔۔تو اس بار ایسا کیوں ہے؟ تو اس نے نہایت بردباری اور متانت سے جواب دیا"تمہاری اکثر محبتیں اور جذبے عارضی ہوتے ہیں۔تم یکدم کسی ایک منظر ایک کتاب یا ایک چہرے کے سحر میں گرفتار ہو کر سمجھ بوجھ سے عاری ہو جاتے ہو اور میں انتظار کرتی ہوں اور وہ لمحہ آجاتا ہے جب وہ سحر زائل ہو جاتا ہے اور تم پھر سے نارمل ہو جاتے ہو۔جیسے وہ سحر کبھی تھا ہی نہیں۔۔لیکن میں نے محسوس کر لیا ہے یہ سحر عارضی نہیں۔یہ خیال جانے والا نہیں۔اس لیے میں چاہتی ہوں کہ تمھاری یہ چوتھی خواہش پوری ہو جائے۔اس میں ہم دونوں کی بہتری ہے۔۔" (۱۱)

انسان کا عشق جب سچا ہوتا ہے تو وہ جذبہ اپنی تمام تر سچائیوں کے ساتھ سامنے آتا ہے اور اگر وہ عشق حضور ﷺ کی ذات پاک سے ہو تو پھر اس سے بڑھ کر اس دنیا اور آخرت میں انسان کے لیے کچھ نہیں ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کا عشق حضور ﷺ سے ہے اور غارِ حرا کی تمنا کے پیچھے بھی یہ ہی راز ہے۔غار میں جا کر رہنا اور تمام تر جزئیات کو بہت قریب سے دیکھنا اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ مستنصر حسین تارڑ رسول ﷺ سے بے پناہ محبت و عقیدت رکھتے ہیں اور آپکی یہ محبت و عقیدت آپکے غارِ حرا میں قیام کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ب۔ شہر رسول ﷺ اور زیارات کے حوالے سے والہانہ عقیدت:

مکہ مکرمہ کے بعد اس دنیا کے رنگ و بو میں مدینہ منورہ ہی وہ مقام مقدسہ ہے جو تمام اہل ایمان کا مرکز و محور ہے۔ہر مسلمان وہاں جا کر ماتھا ٹیکنے کا خواہش مند ہوتا ہے اور جو سکون اور اطمینان مدینے میں جا کر حاصل ہوتا ہے اس کا مزا ہی کچھ اور ہوتا ہے۔حاجی لوگ زیادہ تر پہلے مدینے میں قیام کرتے ہیں اور پھر وہاں سے مکے جاتے ہیں لیکن مستنصر حسین تارڑ کا معاملہ کچھ الگ تھا آپ پہلے مکے گئے وہاں پر عمرہ ادا کیا اور پھر

مدینے کی جانب اپنا سفر باندھا۔ اگر اللہ کے گھر کی زیارت کرنی ہے تو مکے جانا ہوتا ہے اور حضور ﷺ سے ملاقات کا شرف مدینے میں حاصل ہوتا ہے اس حوالے سے مستنصر حسین تارڑ کچھ خفا نظر آئے کہ اگر یہ دونوں مقام ایک ہی جگہ پر ہوتے تو کیا ہی بات تھی پھر ساتھ ہی اپنے اس خیال کو ترک کر دیتے ہیں کہ اگر ایسا ہوتا تو پھر انسان تو بہت بڑی کشمکش میں پڑ جاتا کہ جدہ پہنچ کر پہلے کس در کی زیارت کی جائے اس حوالے سے مستنصر حسین تارڑ اپنے سفر نامے "منہ ول کعبے شریف" میں لکھتے ہیں:

> "کہاں جائیں۔۔ جدھر بھی جائیں مجرم محسوس کریں۔۔ اگر پہلے منہ ول کعبے شریف کرتے ہیں تو ادھر سے آواز آتی ہے کہ تیرا دل تو ہے صنم آشنا۔۔ اور اگر اپنے صنم اور سجن کے ہاں پہلے حاضری لگواتے ہیں تو وہاں بھی ڈانٹ پڑتی ہے کہ یہاں کیا لینے آئے ہو۔ جس نے مجھے بھیجا تھا پہلے اس کے پاس کیوں نہیں گئے"۔ (۱۲)

مصنف جب مدینے پہنچے تو وہ وقت رات کا تھا اور رات کو مسجد نبوی کو خالی کروا دیا جاتا ہے لیکن وہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ اگر انسان مسجد میں داخل ہو جائے تو رش بالکل ختم ہو چکا ہوتا ہے اور چند اکا دکا زائرین ہی اندر ہوتے ہیں جنہیں بھی مسلسل باہر جانے کا حکم دیا جا رہا ہوتا ہے۔ مصنف کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ سب کچھ خالی ہو رہا ہے اور ریاض الجنہ کا وہ سفید قالین جو ہزاروں لوگوں سے سجا ہوتا ہے اس پر ماتھا ٹیکنے کی بھی جگہ نہیں مل رہی ہوتی ہے اور اب اس وقت اس طرح سے خالی پڑا ہوا ہے۔ کچھ لوگوں کے سوا منبر رسول ﷺ کے آس پاس بھی کوئی نہ تھا۔ تمام بلند ستون تھک ہار کر اب آرام کر رہے تھے کہ ہزاروں لوگ لپٹ لپٹ کر آج دعائیں، استغفار اور معافیاں مانگتے رہے ہیں اور اپنے خالق کو یاد کرتے رہے ہیں کہ بے شک وہی انسان کی خطائیں معاف کرنے والا ہے۔

مصنف کی خوشی دیکھنے لائق تھی کیونکہ انہیں بالکل تنہائی میں نوافل ادا کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "جمال یار کی روشنی میں یار کو دیکھ دیکھ کر مسکراتا رہا جیسے ایک اندھے گداگر کے کشکول میں ایک غیر متوقع سنہری سکہ آ گرے تو وہ اپنی نابینائی میں بھی مسکراتا جاتا ہے"۔ (۱۳)

مسجد نبوی میں داخل ہوتے ہی انسان کو اندر ایک اور جہان اور دنیا ملتی ہے اس دنیا سے بالکل الگ جسے انسان چھوڑ کر آتا ہے۔ محرابوں اور ستونوں کا اایک ہجوم تخیل آپکا منتظر ہوتا ہے قوس دار محرابیں طرز تعمیر کی خوبصورتی اور دلکشی کو مزید بڑھا دیتی ہیں محرابوں کے نیم دائرے بھی قدرے بلندی پر ہیں۔ چھت سے سینکڑوں فانوس روشن حالت میں معلق ہیں قالین جہاں پر نہیں تھے وہاں پر سنگ مرمر کی سفیدی ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے۔ مسجد کا پورا اندرون ہزاروں روشنیوں سے مکمل منور نظر آتا ہے۔ ہر طرف خلقِ خدا عبادت میں مشغول نظر آتی ہے۔ اللہ اللہ کے نعروں کی آواز آپکے کانوں میں اتر کر دل تک پہنچ جاتی ہے۔ ہر طرف اللہ اور رسول اکرم ﷺ کی وحدانیت نظر آتی ہے ان تمام مناظر سے مستنصر حسین تارڑ کو جو دلی سکون ملا اس کا اظہار وہ ”منہ ول کعبے شریف“ میں کچھ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ”ریاض الجنہ کے سفید قالین کے ماتھے پر منبر رسول ﷺ کا جھومر لشکارے مارتا ہے۔ یہ وہ منبر تو نہیں تھا جس پر ہاتھ رکھ کر اور کبھی تشریف رکھ کر حضور ﷺ خطبہ عطا کرتے تھے۔ البتہ مقام وہی تھا۔ وہ منبر تو نہایت سادہ اور عام سے لکڑی کا تراشا ہوا تھا اور موجودہ منبر اسی کا ایک تسلسل تھا۔ یہاں بھی منبر رسول ﷺ کے سامنے بس اتنی جگہ تھی کہ بمشکل دو یا تین لوگ نفل ادا کر سکتے تھے اور بقیہ انہیں حسرت سے دیکھتے تھے کہ شاید کبھی ہم بھی اس مقام پر کھڑے ہوں جہاں پر وہ کھڑے ہیں اور جب سجدے میں جائیں تو ان کے ماتھے اس مقام کو چھوئیں گے جہاں رسول ﷺ کھڑے ہوا کرتے تھے“۔ (۱۴)

مسجد نبوی میں دن کے وقت لاکھوں زائرین کی آمد ہوتی ہے ہر طرف ہجوم ہی ہجوم نظر آتا ہے چونکہ مصنف جب مسجد نبوی پہنچے تو یہ وقت رات کا تھا اس لیے رش ختم ہو چکا تھا اور لوگوں کو باہر نکالا جا رہا تھا یہ وہ وقت تھا جب اصحاب صفہ کا تھڑا بھائیں بھائیں کر رہا تھا اور باب اسلام سے شروع ہونے والی راہداری جو آگے چل کر روضہ رسول ﷺ کو جاتی تھی وہ بھی ویران پڑی تھی اور اس کے آخر میں سبز گنبد تھے جو سنہری جالیاں تھیں ان کی قربت میں بھی گنے چنے لوگ تھے۔ چند لوگوں کے سوا منبر رسول ﷺ کے آس پاس کوئی نہ تھا۔ محراب رسول ﷺ کے حوالے سے اگر تصویر کشی کی جائے تو گویا یہ سناٹے میں آئی ہوئی ایک تنہا تصویر تھی اس حوالے سے مستنصر حسین تارڑ اپنے تاثرات کا اظہار کچھ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"میں ایک بچہ تھا جو من پسند کھلونوں کی دکان میں تنہا کھڑا تھا۔ جن کھلونوں کو وہ زندگی بھر ترسا تھا۔ جو وہ خرید نہ سکتا تھا۔ انہیں حاصل کرنے کے خواب دیکھتا تھا وہ سب کے سب اس کے آس پاس تھے۔ کوئی روکنے والا نہ تھا۔ جو جی چاہے اٹھالو۔ اگرچہ جھولی مختصر ہے اور کھلونے بہت"۔ (۱۵)

مسجد نبوی کی زیارت کے حوالے سے مستنصر حسین تارڑ کی محبت والہانہ تھی کس قدر انہماک سے آپ ہر چیز کو دیکھنا چاہتے تھے اوپر سے وقت بھی ایسا جب مسجد کو بند کیا جارہا ہو اور ہر طرف پہرے داروں کی طرف سے مسجد کو خالی کرانے کا اعلان کیا جارہا ہو۔ روضہ رسول پر پہنچ کر مستنصر حسین تارڑ ایک شدید خوف کی لپیٹ میں آجاتے ہیں بالکل ایسے جیسے ایک بچہ پہلے دن سکول جانے سے خوفزدہ ہو جاتا ہے کہ پتہ نہیں وہاں کیا ہو گا حالانکہ یہ ڈر خوف تو خانہ کعبہ پہنچ کر دامن گیر ہونا چاہیے تھا کیونکہ خانہ کعبہ میں داخل ہوتے ہی ایک ہیبت، رعب، ڈر اور جلال کا احساس ہوتا ہے جب کہ اس کی نسبت مدینے میں روضہ رسول ﷺ کے سامنے کچھ اور ہی موسم اور رنگ ہوتے ہیں پرسکون، خوشگوار اور مطمئن کر دینے والے، جمال والے اور بالکل بے ڈر لیکن مصنف کا تو معاملہ ہی الٹ تھا اس حوالے سے "منہ ول کعبے شریف" میں لکھتے ہیں:

"جب میں باب الاسلام میں داخل ہو کر پہلا قدم رکھتا ہوں۔ اس ہجوم کا ایک زرہ بن جاتا ہوں جو روضہ رسول کی جانب سرک رہا ہے تو میں ایک شدید خوف کی لپیٹ میں آ جاتا ہوں۔ نہ ٹھہراؤ ہے نہ خوشگواری ہے اور نہ سکون ہے۔ ڈر جاتا ہوں جیسے ایک بچہ پہلے دن سکول جانے سے خوفزدہ ہو جاتا ہے کہ پتہ نہیں وہاں کیا ہو گا"۔ (۱۶)

مسجد خالی کرانے کا اعلان مصنف کو بار بار بے چین کر دیتا ہے لیکن اس کے باوجود آپ نے وہاں نوافل ادا کیے دعائیں مانگیں اور گناہوں کی بخشش کے حوالے سے بھی سوال کیا۔ مدینے میں داخل ہوتے ہی یہ ایک قدرتی امر ہے کہ انسان کی زبان پر درود شریف کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے اور ایسا جاری رہتا ہے کہ اٹھتے ، بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے با آواز لب ہلتے چلے جاتے ہیں یہ انسان کے بس کی بات نہیں۔ بے اختیاری کی مجبوری ہے۔ مسجد نبوی اور روضہ رسول ﷺ کی زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے بعد مصنف اگلے روز ہی ایک بابا فقیر کے ہمراہ مدینے میں موجود امت المومنین حضرت ماریہ قبطیہ کے گھر کی زیارت کرتے ہیں۔ امہات المومنین میں سے صرف حضرت ماریہ قبطیہ تھیں جو مسجد نبوی ﷺ سے ملحقہ حجروں میں

حضور کی دوسری بیویوں کے ہمراہ نہیں رہتی تھیں بلکہ آپ کے لیے حضور ﷺ نے مدینے میں ایک الگ مکان کا بندوبست کر رکھا تھا اس کی وجہ شاید گھریلو رقابتیں تھیں لیکن انہی ماریہ قبطیہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضرت خدیجہ کے بعد صرف انہوں نے حضور کی گود ایک بیٹے حضرت ابراہیم سے بھری۔ حج کے تجربے نے مصنف کو ایک بات تو سکھا دی تھی کہ اگر کہیں کسی مقام پر ایرانی زائرین جمع ہیں تو وہ وہاں بے وجہ نہیں ہیں وہاں پر کچھ نہ کچھ خاص ضرور ہوتا ہے کبھی تاریخ اور کبھی صرف عقیدت۔ ان زائرین سے تھوڑا اوپر کچھ فاصلے پر ایک ایرانی ٹیلے پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ کبھی کچھ ہاتھ اٹھا کر پڑھتا تھا اور کبھی کچھ تقریر سی کرنے لگتا تھا۔ مصنف نے اس ایرانی کو بھولی بسری فارسی زبان میں سمجھایا کہ جہاں یہ قبرستان ہے وہاں ماریہ قبطیہ کا گھر ہوا کرتا تھا اور حضرت ابراہیم یہاں ہی پیدا ہوئے تھے۔ یہ خبر سنتے ہی وہ ایرانی لوگ مزید آہ وزاری کرنے لگے۔ مستنصر حسین تارڑ ان لوگوں کی عقیدت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

> ”مجھے قلق ہوا کہ میں نے خواہ مخواہ ان تک یہ اطلاع پہنچا کہ انہیں نڈھال کیا اور پھر ایک طمانیت بھی ہوئی کہ وہ یہ خبر عام بھی کریں گے اور لوگ آنے لگیں گے اور حضرت ماریہ قبطیہ اور حضرت ابراہیم کے مقام پیدائش کی جگہ یوں گمنام نہ رہے گی“۔ (۱۷)

حضرت ابراہیم کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا تھا اور جنت البقیع دنیا کا سب سے زیادہ خوش قسمت قبرستان ہے۔ مسجد نبوی ﷺ کے صحن میں سے سیڑھیاں اٹھتی ہیں اور ایک آہنی پھاٹک تک جاتی ہیں اس کے اندر قدم رکھتے ہی قبرستان تاحدِ نگاہ تک پھیل جاتا ہے۔ یہ بظاہر تو قبرستان ہے لیکن اس میں قبریں نہیں ہیں بلکہ جلے ہوئے بے شکل پتھروں کے ڈھیر اور کہیں جگہ ایک سیل زمین میں گڑی ہے یہاں عورتوں کا داخلہ یکسر ممنوع ہے۔ جنت البقیع میں جو تنہائیاں دفن ہیں ان کا مقام کیا ہے اس کا کسی کو کچھ پتہ نہیں چند ایرانی زائرین کے پاس تو باقاعدہ اس حوالے سے نقشے موجود ہیں لیکن ان میں کتنی سچائی ہے یہ کوئی بھی نہیں جانتا جنت البقیع کم از کم ایک کلومیٹر طویل ہے اتنا بڑا کہ اگر راستے کو شہر خاموشاں کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ ایرانی قافلے کے ساتھ ایک ایسا شخص ضرور ہوتا ہے جو انہیں نقشہ دیکھ کر آگاہ کرتا چلا جاتا ہے کہ یہاں کون دفن ہے۔ مصنف نے جب ان ایرانی زائرین سے دریافت کیا کہ یہاں کون دفن ہے تو انہوں نے بتایا کہ ”مائی

حلیمہ "اس قبر کی زیارت کے حوالے سے مستنصر حسین تارڑ کی اپنے رسول سے والہانہ عقیدت و محبت کی مثال دیکھنے کو ملتی ہے "منہ ول کعبے شریف" میں لکھتے ہیں:

> "میرے سامنے جو گڑھا تھا اور میں اس کے سامنے تنہا تھا۔ چند پتھر اس گڑھے پر ساکت تھے۔ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ مائی حلیمہ وہاں اس مقام پر دفن تھیں یا کہیں اور تھیں۔ اس وسیع قبرستان میں جہاں کہیں بھی تھیں میں نے تو اسی طور تعظیم کرنی تھی جیسے اپنی ماں کو امی جی۔ امی جی کہتا تھا ایسے میرے حضور ﷺ بھی میری ماں میری ماں پکارتے تھے"۔ (۱۸)

مصنف جب رسول ﷺ کے روضے کی زیارت کی تیاری میں لگے تھے تو بہت پریشانی کے عالم میں مبتلا تھے کہ خانہ کعبہ میں تو وہ بے خوف و خطر اور بے ڈر ہو کر چلے گئے تھے لیکن اب جب روضہ رسول ﷺ کی باری ہے تو ہمت جواب دینے لگی تھی کہ پتہ نہیں کیا ہونے والا ہے اور کونسا منہ لے کر اپنے نبی ﷺ کے در پر جایا جائے۔ پتہ نہیں وہاں کیا معاملہ پیش آئے گا بے چینی بھی بہت زیادہ تھی اور ڈر و خوف نے بھی چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا۔ روضہ رسول ﷺ پر پہنچتے ہی مستنصر حسین تارڑ کی آنکھوں سے بے قابو آنسو جاری ہو گئے۔

> "میں نے ان آنسوؤں کے لیے کچھ تگ و دو نہ کی تھی اور نہ نبی ﷺ کی محبت کی آڑ لے کر انہیں بہایا تھا۔ اور نہ عقیدت کی آہ و فغاں سے انہیں سوتے جگایا تھا"۔ (۱۹)

مستنصر حسین تارڑ کو حضور ﷺ کی ذات گرامی سے والہانہ محبت اور عقیدت ہونے کے ساتھ ساتھ سچا عشق ہے اور یہ عشق بھی ایسا ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں ہے اور نہ کوئی ایسا پیمانہ آج تک کا انسان دریافت کر سکا ہے۔ جس پر اس عشق کو پرکھا جا سکے۔ ان دونوں سفر ناموں میں بے پناہ مقامات پر ہمیں وہ عشق اپنی بے حد اونچی بلندیوں پر دکھائی دیتا ہے۔

مصنف کو مسجد نبوی کے ساتھ ساتھ دیگر مقدس مقامات کی زیارات کا بھی شرف حاصل ہوا ہے اور یہ ایسی زیارات ہیں جنہیں عام لوگ نہیں جانتے یعنی کہ یہ اپنی اصلی حالت میں آج کے دور میں موجود نہیں ہیں بس کچھ معمولی نشانات سے ان کا پتہ چلتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک بابا فقیر نے مصنف کی کافی رہنمائی کی اور ان مقدس مقامات کی زیارات کروائی ہیں۔ مدینے کی حدود سے ذرا باہر نکلا جائے تو ایک طویل شاہراہ کے آخر

میں سیاہی پہاڑیاں نظر آنے لگتی ہیں انہی میں سے ایک سیاہی مائل پہاڑ "جبل النار" نام کا ہے۔ اس کے دائیں ہاتھ پر شاہراہ سے کچھ فاصلے پر ایک کھنڈر ہے۔ یہ یہودی قبیلہ بنو نضیر کا علاقہ تھا۔ یہ ایسا علاقہ ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں بھی موجود ہے۔ کعب بن اشرف اسی قبیلے نبو نضیر کا سردار تھا۔ جنگ بدر کے بعد اس نے اپنی شعلہ بیان شاعری سے قریش کو طیش دلایا اور اس کا مقصد مسلمانوں سے بدلہ لینا تھا۔ مدینہ آکر اس نے مسلمان عورتوں کے باقاعدہ نام لے کر فحش شعر کہنے شروع کر دیئے۔ تو حضور ﷺ کے پوچھنے پر حضرت محمد بن مسلمہ نے اسے قتل کرنے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ مسلمہ اپنے ہمراہ ابو نائلہ کو بھی لے گئے اور کعب کو رات کی تاریکی میں قتل کر کے اس کا سر کاٹ کر ساتھ لے گئے اور بنو نضیر کی بستی حضور کے قبضے میں آگئی۔
اس بستی میں ایک کنواں بھی ہے۔ اس کنویں کے حوالے سے مستنصر حسین تارڑ حسین لکھتے ہیں:

> "اس کے اندر قدم رکھتے ہی یہ خیال دامن گیر ہوتا ہے کہ ایک بار حضور ﷺ یہاں آئے تھے اور اس کی ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے تھے اور جان گئے تھے کہ بنو نضیر اوپر سے پتھر گرا کر انہیں ہلاک کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں تو وہ یک لخت وہاں سے اٹھ گئے تھے"۔ [۲۰]

بنو نضیر کی بستی دیکھنے کے بعد بابا فقیر کھجوروں کے جھنڈ میں پوشیدہ مسجد رانونہ کے کھنڈروں میں لے گئے یہ وہ مسجد ہے جہاں حضور ﷺ نے دعا مانگی تھی اور کہا تھا کہ جو شخص اس مسجد میں دعا مانگے گا اس کی دعا قبول ہو گی۔ یہ مسجد چاروں طرف سے اب کھجوروں کے درختوں میں دب چکی تھی بہت معمولی آثار تھے جو مسجد کی نشاندہی کر رہے تھے۔ بس محرابی ساخت نمایاں کرتی محراب موجود تھی۔ بابا فقیر کے اس بیان نے مصنف کی گویائی چھین لی تھی کہ حضور ﷺ نے یہاں کبھی دعا مانگی تھی اور کہا تھا کہ یہاں دعا قبول ہوتی ہے اس حوالے سے مصنف لکھتے ہیں:

> "جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں۔ حضور ﷺ نے یقیناً اسی محراب کے مقام پر نماز پڑھائی ہو گی۔ دعا کے لیے ہاتھ بلند کئے ہوں گے۔ چنانچہ ہم نے اس کی ایک دیوار کے پتھروں پر ہاتھ رکھ کر وہیں کھڑے کھڑے پھر سے وہی کچھ مانگا جو ہم مانگتے چلے آتے تھے"۔ [۲۱]

دائیں جانب شاہراہ سے ذراہٹ کر ایک تین چار منزلہ سرکاری عمارت ہے۔ عمارت کے پہلو میں ایک چھپر سا تھا جس پر حد درجے کا کاٹھ کباڑ جمع تھا اور اُس کے نیچے ایک گول سی دیوار ہے مصنف کے پوچھنے پر فقیر بابانے بتایا کہ کنواں اس گول دیوار کے نیچے ہے۔ بابا فقیر کے مطابق جب حضور ﷺ مدینے سے قباء کی بستی کو جاتے تھے وہاں سے لوٹتے تھے تو یہ کنواں درمیان میں پڑتا تھا اور آرام کرنے کی خاطر آپ ﷺ یہاں پر کچھ وقت رُکتے تھے اس کنویں کا پانی پی کر تازہ دم ہو کر دوبارہ سفر اختیار کرتے تھے۔ اس کنویں کا نام ”بئیر غرس“ یا ”بئیر غرص“ بتایا جاتا ہے۔ کنویں کے حوالے سے مستنصر حسین تارڑ کی عقیدت بے مثال ہے اس حوالے سے کہتے ہیں:

”میں دیکھ تو نہ سکتا تھا لیکن جانتا تھا کہ آنکھوں کی سیاہ تتلیوں کا تہہ میں موجود پانیوں پر تیرتے دل نہ بھرتا تھا۔ اگر ان کا اختیار ہوتا تو وہیں رہ جاتیں۔ میں انہیں وہیں رہ جانے دیتا تو عمر بھر دیکھتا کیسے اس لیے میں نے انہیں واپس بلا لیا“۔[۲۲]

سطح زمین سے تقریباً چالیس پچاس فٹ کی بلندی پر مدینے کی شاہراہ کے اختتام پر جبل احد ہے۔ یہ وہی پہاڑ ہے جس پر حضور ﷺ جنگ اُحد کے دن بلندی پر جانے کی غرض سے چڑھے تھے۔ اور میدان اُحد میں جو دشمن ان کی جان کے پیچھے پڑا ہوا تھا وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو کر کھوہ کے اندر ایک اوٹ میں بیٹھ گئے تھے۔ مصنف کی موجودگی کے دوران ہی ایک سعودی بزرگ کھوہ سے اتر کر آرہے تھے اور آپ کے پوچھنے پر انہوں نے کھوہ کے اندر کے حوالے سے صرف اتنا کہا کہ ”اندر میرے رسول ﷺ کی خوشبو ہے“ اور نیچے اتر کے کھوہ کے اندر پہنچنا ایک مشکل کام تھا لیکن مستنصر حسین تارڑ نے اب پکا سوچ لیا تھا کہ ہر حال میں اندر جانا ہے کیونکہ سعودی بزرگ کا وہ جملہ ان کے اندر اتر گیا تھا۔ اس حوالے سے مصنف لکھتے ہیں:

”میں ایسا جھنجھوڑا گیا کہ مجھ ناتواں شجر پر جتنے بھی گلے سڑے پھل تھے وہ ٹپ ٹپ کرنے لگے۔ میں جو شہر نبی ﷺ میں وہ اُحد کے ان پتھروں میں ہوں جن میں نبی ﷺ کا خون جذب ہوا تھا میں ان کی قسم کھا کر کہتا ہوں ” کھوہ کے اندر میرے رسول کی خوشبو ہے“ سے بڑھ کر برابری کا بھی کوئی فقرہ ایسا اثر انگیز میں نے زندگی بھر نہ سنا اور نہ امکان ہے کہ سن پاؤں گا“۔[۲۳]

بحیثیت مجموعی اگر دیکھا جائے تو رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے شہر اور زیارات مقدسہ سے مستنصر حسین تارڑ کی محبت والہانہ ہے اور آپ کی یہ محبت آپ کے مذہبی سفر ناموں میں کھل کر سامنے آتی ہے۔ آپ نے جس عقیدت اور محبت سے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ذکر اور زیارات مقدسہ کو عزت کی نگاہ سے دیکھا ہے قاری اس کو پڑھنے کے بعد لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ج۔ غارِ حرا سے عشق:

"غار حرا میں ایک رات" مستنصر حسین تارڑ کا مذہبی سفر نامہ ہے۔ اس سفر نامے میں مستنصر حسین تارڑ کا غار حرا کی زیارت کرنا ہی مقصود نہیں تھا بلکہ وہاں جا کر ایک رات قیام کرنا اور تمام تر حالات و واقعات سے آگاہی حاصل کرنا بھی شامل ہے۔

مستنصر حسین تارڑ کی عمر ۷۹ سال ہے۔ اس عمر کا تقاضا بہت سخت ہوتا ہے۔ اونچائی پر چڑھنا اور پھر ایسے مقام پر جا کر رات قیام کرنا جہاں زائرین صرف زیارت کی غرض سے جا کر واپس آ جاتے ہیں ایک انتہائی جان جوکوں والا کام ہے۔ آپ کا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے عشق اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ منزل چاہے کتنی ہی دور کیوں نہ ہو راستہ چاہے کتنا ہی دشوار کیوں نہ ہو انسان کا جذبہ شوق سب پر حاوی آ جاتا ہے۔ سچی لگن انسان کو اس کی منزلِ مقصود تک پہنچا دیتی ہے اور کامیابی و کامرانی انسان کا مقدر بنتی ہے۔ "غار حرا میں ایک رات" اس سفر نامے کو لکھنے کے حوالے سے مصنف نے ان الفاظ میں اظہار کیا ہے:

> "منہ ول کعبے شریف" کے ساتھ ہی میری ایک کتاب "غار حرا میں ایک رات" آ رہی ہے یہ کوئی اتفاق نہیں ہوا تھا بلکہ اس سلسلے میں میں نے بہت پلاننگ کی تھی میری بڑی خواہش تھی کہ میں غار حرا میں ایک رات گزاروں اور جب موقع مل گیا تو یہ اعزاز بھی مل گیا۔ کیوں کہ جس طرح میری تاریخ میں دلچسپی ہے اس طرح میں یہ سمجھتا ہوں کہ غار حرا اور غار ثور وہ واحد جگہیں ہیں جو رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانے سے لے کر آج تک تبدیل نہیں ہوئیں و گرنہ اس زمانے کی کوئی اینٹ باقی ہے نہ کوئی پتھر نہ کوئی اور چیز پہاڑ تو باقی ہیں ایسی جگہ جہاں رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سانس محفوظ ہوں جہاں ان کی موجودگی کو محسوس کیا جائے۔ چنانچہ غارِ حرا میرے لیے بہت زیادہ اہم تھی اور وہاں پر میں نے جو وقت گزارا اس میں میں نے اپنے انداز سے مشاہدے کیے"۔ [۲۴]

مصنف نے جب غار حرا میں قیام کے حوالے سے سوچنا شروع کیا تو اس سوچ پر آپ کے گھر والوں نے آپ سے اختلاف کیا کہ یہ ممکن نہیں ہے آپ کے بیٹے سلجوق نے بھی آپ کو اس کی زیارت کرنے کا مشورہ دیا اور قیام کے حوالے سے منع کیا لیکن آپ کی بیگم میمونہ نے اس میں آپ کا ساتھ دیا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ آپ کا یہ تجسس وہاں جا کر ہی ختم ہو گا۔ اس لیے آپ کا وہاں جانا ضروری تھا۔ مستنصر حسین تارڑ کو "غارِ حرا میں رات" قیام کا خیال آتا تو آپ کو شدید خوف محسوس ہونے لگتا۔ اپنی اس کیفیت کا ذکر آپ نے ان لفظوں میں کیا ہے:

"بس یوں سمجھ لیجیے کہ جدہ میں قدم رکھتے ہی میں یکدم شدید طور پر یوں خوفزدہ ہو گیا کہ یہ میں کیا سوچتا رہا ہوں۔ یہ میں کیسے سوچ ہی سکتا تھا کہ جہاں حضور ﷺ راتیں بسر کرتے تھے۔ میں وہاں۔ رات بسر کروں۔ اور جہاں جن پتھروں پر حضور ﷺ کے ہاتھوں کا لمس ہوا۔ ان کے سانس ان پر نم ہوتے۔ جہاں وہ سوال کرتے تھے۔ سوتے تھے اور جاگتے تھے تو میں وہاں؟" (۲۵)

"غار حرا" میں قیام کے حوالے سے مستنصر حسین تارڑ نے اپنی تیاری مکمل کر لی اور تمام تر ضروری سامان ساتھ لے لیا۔ اپنے ڈرائیور امانت کو ہمراہ لیا اور غار کی جانب سفر شروع کر دیا۔ جبل نور کے نظر آتے ہی مستنصر حسین تارڑ کو زیادہ خوشی نہ ہوئی بلکہ قدرے ہراساں نظر آئے کہ وہ بہت ہی بلند نظر آرہا تھا۔ مستنصر حسین تارڑ نے پہاڑ پر چڑھنا شروع کر دیا اور ڈرائیور امانت کو واپس بھیج دیا یہ وقت شام کا تھا اور تمام زائرین اس وقت زیارت کر کے واپس آرہے تھے چونکہ مستنصر حسین تارڑ کی نیت وہاں قیام کرنے کی تھی اس لیے آپ نے رات کے وقت کا انتخاب کیا تاکہ جب آپ وہاں پہنچے تو رات قیام کر سکیں اور آپکو واپس جانے کے لیے نہ کہا جائے۔ اوپر جانے کا سفر آپ کے لیے بہت ہی زیادہ کٹھن ثابت ہو رہا تھا اور آپکی عمر اس بات کی اجازت نہیں دے رہی تھی لیکن آپ کی ہمت اور حوصلہ دونوں جوان تھے اس لیے آپ نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور بہت سی مشکلات سے گزرتے ہوئے اوپر پہنچ گئے۔ اوپر پہنچ کر آپ کی ملاقات ایک بنگالی بابا سے ہوتی ہے جو اوپر جگی لگائے بیٹھا ہے جس کا مقصد غار میں آنے جانے والے زائرین کو لائٹ یعنی ٹارچ کی روشنی مہیا کرنا ہوتا تھا اور وہ یہ کام مفت میں نہیں بلکہ رقم کے لالچ میں کرتا تھا۔ مستنصر حسین تارڑ کی اس بنگالی بابا سے سلام دعا اور بات چیت ہوئی۔ یہ بابا بنگالی اور ایک شخص جس نام نیاز تھا وہ بھی یہاں کام کرتا تھا اور

نیچے سے پانی اور سوڈے کی بوتلیں اوپر لے کر جاتا تھا۔ یہ دونوں وہ لوگ تھے جو غار حرا کے باہر قیام کرتے تھے اس کے علاوہ وہاں کوئی نہیں رہتا۔ مستنصر حسین تارڑ نے وہاں رہنے کا خیال جب ان تک پہنچایا تو پہلے تو وہ دونوں حیران ہوئے اور پھر جب مصنف نے انہیں قائل کیا تو مان گئے کہ ٹھیک ہے آپ قیام کر لیں۔

غارِ حرا کا اگر مختصر نقشہ کھینچا جائے تو وہ ایک تنگ سُرنگ کی مانند ہے۔ یہ کوئی ایسی باقاعدہ سرنگ نہیں ہے جس کا باقاعدہ فرش ہے۔ ایک چھت ہے بلکہ لاکھوں سال پہلے کسی جغرافیائی تبدیلی کی وجہ سے کچھ بڑی بڑی چٹانیں گریں کہ ان میں ایک راستہ بن گیا اس کی طوالت تقریباً پانچ چھ میٹر ہے۔ مصنف جب غار میں داخل ہو رہے تھے تو اس منظر کو وہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> ''جب میں نے اپنا سانس اور پیٹ خوب سکیڑ کر اس خلا میں سے پار ہونے کی سعی کی تو ان پر دو چٹانی قربتوں نے مجھے اپنے کلاسے میں جکڑ لیا اور جیسے ایک ناتواں پہلوان کو گاما پہلوان اپنے شکنجے میں جکڑ لیتا ہے کہ بچہ اب کہاں جائے گا۔ تو اس حالت میں مجبوری میں بچہ نے۔ یعنی میں نے۔۔ اپنے خلق سے ایک گھگھیا ہوئی آواز برآمد کی''۔[۲۶]

غار میں داخل ہونا ایک مشکل کام ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے غار میں پہنچ کر مصلی نکالا اور اس جائے نماز کو غار حرا کے فرش پر پہلے سے بچھے ہوئے بوسیدہ مصلیٰ پر بچھا دیا۔ اور نوافل ادا کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ نفل ادا کرتے ہوئے مسلسل مسکراہٹ کا سلسلہ جاری رہا۔ مصنف کو وہ حج کے دن یاد آ گئے جب وہ حسرت سے ان لوگوں کو دیکھ رہے تھے جو غار کے اندر نوافل ادا کر رہے تھے اور آج اللہ نے انہیں خود اتنی بڑی سعادت بخشی کے تن تنہا وہ نوافل ادا کر رہے ہیں نہ کوئی دھکے ہیں اور نہ کوئی جلدی بس ہر طرف سکون اور خاموشی کا عالم ہے۔

رات کا قیام اور سونے کے حوالے سے بات چیت کا سلسلہ شروع ہوا تو مصنف نے نیاز کو اپنے ساتھ سونے کا کہا کیونکہ آپ کو یہاں اکیلے سونے میں ڈر وخوف محسوس ہو رہا تھا۔ نیاز کے مطابق غار کے باہر ہوا بالکل نہیں ہے اور گرمی بھی بہت زیادہ ہے اس لیے مناسب یہ ہے کہ تھوڑا آگے جا کر کھلے صحن میں سویا جائے لیکن مستنصر حسین تارڑ نے اسے ادھر سونے پر راضی کر لیا تھا اور وہ مان گیا تو آپ نے اس کا شکریہ کچھ ان الفاظ میں ادا کیا:

> ''تمھیں تکلیف تو ہو گی نیاز، میں کبھی کسی شخص کا اتنا شکر گزار نہیں ہوا جتنا کہ اس لمحے ہو رہا تھا اور میں اظہار نہیں کر پا رہا تھا۔ دراصل میں یہاں آیا ہی اس نیت سے تھا۔ اس تبتی تھیلے میں رات گزارنے کا سامان لایا تھا۔ بہت بہت شکریہ''۔[۲۷]

مصنف کے مشاہدے میں جبل نور کی گھاٹیوں میں اور پتھروں پر اچھلتے کودتے بندر بھی نظر آئے لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ کبھی کسی زائری یا حاجی بابا نے ان کا ذکر کیوں نہیں کیا شاید اس وجہ سے کہ بندروں کا اس مقام پر ہونا ان کی عقیدت سے سرشار بدن کو اور روحانی جذبات کو مجروح کرتا تھا۔ ورنہ ان کا تذکرہ کرنا کوئی مضائقہ خیز بات تو نہ تھی حضور ﷺ کے زمانے میں وادی مکہ کی گھاٹیوں میں نہ صرف بندر ہوتے تھے بلکہ بڑے بڑے بن مانس یا گوریلے بھی یہاں دیکھنے میں آتے تھے۔ مستنصر حسین تارڑ کے دریافت کرنے پر نیاز نے بتایا کہ یہ بندر یہاں ہی رہتے تھے اور زائرین کو تنگ کرتے ہیں ان کا کھانا پینا اور کیمرے اکثر اٹھا کر لے جاتے ہیں ان بندروں کو زائرین کی طرف سے نہ کوئی تنگ کرتا تھا اور نہ کوئی مارتا تھا اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ جبل نور حرم کی حدود میں واقع ہے اور ان حدود کے اندر کسی بھی جانور کو تنگ کرنا، مارنا پیٹنا یا پھر ہلاک کرنا ممنوع ہے۔ اس لیے نہ کوئی انہیں تکلیف دیتا تھا اور نہ مارتا تھا۔ مصنف نے جب ان بندروں کو دیکھا تو انہیں حضور ﷺ کے زمانے کا خیال آ گیا کہ یہ بندر اس دور کی نسل کے بندروں میں سے ہوں گے جنہیں حضور نے دیکھا ہو گا۔ لکھتے ہیں:

"تو اس حوالے سے یہ بندر بھی میرے لیے تھوڑے سے مہاراج ہو گئے۔ میری نظر میں پر وقار ہو گئے"۔ (۲۸)

جبل نور پر مصنف کو طرح طرح کے خیالات یکے بعد دیگرے آتے تھے وہ سوچنے لگے کہ حضور ﷺ یہاں کیسے پہنچتے ہوں گے حضور ﷺ بھی وہی راستہ اختیار کرتے ہوں گے جو آج کل کے زائرین استعمال کرتے ہیں حضور ﷺ کو چوٹی پر نہیں غارِ حرا تک پہنچنا ہوتا تھا۔ اس لیے غالب امکان یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جہاں سے زائر دائیں جانب مڑتے ہیں آپ ﷺ وہاں سے سیدھا اوپر چوٹی کی جانب جاتے ہوں گے۔ یہ سب کچھ محض ایک خام خیالی بھی ہو سکتی ہے۔ اور قیاس آرائیاں بھی لیکن پھر بھی مستنصر حسین تارڑ اس وقت میں جانے کے لیے بے تاب ہیں اور بار بار وہ ان سب چیزوں کے بارے میں غور و فکر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ غار کے داخلے پر جہاں مصلیٰ بچھایا ہوا تھا وہاں بس ایک ہی مصلے کی گنجائش تھی۔ البتہ بائیں ہاتھ پر فرش سے دو تین انچ بلند تھوڑی سی جگہ ہموار تھی بہت مشکل سے بس اتنی گنجائش تھی کہ نفل ادا کر لیے جائیں۔ نوافل کی ادائیگی کے بعد مستنصر حسین تارڑ نے غار کا تحقیقی معائنہ شروع کیا جو کہ اس سے پہلے شاید کوئی اتنی باریک بینی سے نہ کر سکا تھا کیونکہ وقت کی کمی کے باعث لوگ جلدی سے آتے ہیں نماز اور نوافل ادا کرتے ہیں اور واپس چلے جاتے ہیں مستنصر حسین تارڑ اس حوالے سے خاصے خوش نصیب تھے کہ آپ کو رات قیام کی سعادت نصیب ہوئی اس لیے آپ نے غار کا اچھے طریقے سے معائنہ کیا اور غار کی چھت میں

موجود شگافوں کو تلاش کر لیا جن میں سے ہلکی ہلکی روشنی آ رہی تھی اور چھت والے شگاف میں سے آسمان کا ایک ٹکڑا ابھی دکھائی دے جاتا تھا۔ مصلیٰ کے عین اوپر بھی دو شگاف ہیں اور دائیں ہاتھ پر بھی دو چھوٹے شگاف موجود ہیں۔ جب ہر طرف اندھیرا چھا جاتا ہے تو یہ شگاف قدرے نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں۔

مصنف کا مشاہدہ اس قدر باریک بین ہے کہ کوئی چیز ان کے مشاہدے کی نگاہ سے چھپ نہیں سکتی تھی آپ نے انتہائی باریک بینی سے تمام تر جزئیات کو بیان کیا ہے۔ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "شاید آپ کو یہ گمان گزرے کہ میں یہ تفصیلی معائنہ ایک عمارتی انجنیئر کی طرح نہایت ٹھنڈے دماغ سے کاروباری انداز میں کر رہا تھا۔ نہیں جی۔ ایسا کرتے ہوئے ان شگافوں کو ہر پہلو سے دیکھتے ہوئے کبھی جھکتے کبھی چٹانوں سے چمٹ کر انہیں تلاش کرتے ہوئے میرا بدن اور میرے حواس اگرچہ ڈر سے خالی تھے پر وہ نہ تھے جو جبل نور کے تھڑے پر تھے۔ یہ کوئی اور بدن تھا"۔ (۲۹)

مصنف کو اس رات کی خواہش کافی عرصے سے تھی اور اس حوالے سے وہ بہت عرصے سے تگ و دو میں لگے ہوئے تھے اور آج وہ سعادت کی گھڑی آن پہنچی تھی جب ان کی دیرینہ خواہش پوری ہونے کو تھی یہ ان کا عشق تھا حضور ﷺ کی ذات سے جس نے انہیں مجبور کیا کہ وہ ہر حال میں رات قیام کریں یہ خیال اور سعادت بھی ہر کسی کے مقدر میں نہیں آتی۔ مستنصر حسین تارڑ کی خواہش تھی کہ رات کو آسمان پر ستارے ہوں اور وہ ساری رات ستاروں کے ان چلن کو دیکھیں کہ کیسے وہ دھیرے دھیرے غار کے آسمان پر اپنا سفر مکمل کرتے ہیں اور اس سلسلے میں وہ اپنی نگاہوں کا زاویہ بھی وہی رکھنا چاہتے تھے جو نبی ﷺ کا تھا۔ جس جگہ وہ کھڑے ہوتے، اٹھتے، بیٹھتے گویا ان کی ہی نگاہوں سے ستاروں کی چال کا مشاہدہ کریں کہ کیسے وہ نمودار ہوتے اور پھر رات کے کس پہر وہ غائب ہو گے لیکن یہ رات مصنف کی توقع کے برعکس ثابت ہو رہی تھی کیونکہ آسمان پر ستاروں کا نام و نشان تک نہ تھا۔ یہ خیال ابھی دامن گیر تھے کہ یکدم دوسرے وسوسوں نے آن گھیرا کہ اگر یہاں اس غار میں موت آ جاتی ہے تو پھر کیا ہو گا اس کا اظہار وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

> "اگر یہاں موت آ گئی تو پھر کیا ہو گا۔۔ اس عمر میں چل چلاؤ کا چلن ہو جاتا ہے۔ کچھ پتہ نہیں کب چٹھی آ جائے۔۔ دماغ کی کوئی رگ بوسیدہ ہو کر ڈھے جائے۔۔ لیکن اس وسوسے اس دھڑکے سے بھی یکدم اسی لمحے میں نجات مل گئی۔۔ آئے گی تو سہی۔۔ تو

اگر یہیں آجائے۔۔ غارِ حرا میں۔۔ اپنے بابا کے ڈیرے پر تو کم بخت تجھے اور کیا درکار ہے۔۔ تمھیں کوئی قلق ہو گا دنیا چھوڑ جانے کا۔۔" (۳۰)

مصنف جان بوجھ کر نہ اپنے ساتھ کیمرا لے کر گئے اور نہ کوئی گھڑی، صرف اس وجہ سے کہ حضور صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی تو وقت کی رفتار کے تعین کے لیے کوئی پیمانہ نہیں ہوا کرتا تھا۔ ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی، غار کے اندر تقریبا ہر پتھر پر کچھ نہ کچھ لکھا ہوا تھا۔ مثلا لوگوں کے نام وغیرہ" اللہ وسایا" نعمت گل خان، گاؤں دین پناہ وغیرہ وغیرہ ان ناموں کے پڑھنے کے بعد مصنف کو یقین ہو گیا کہ اس قسم کی نایاب خطاطی صرف پاکستانی ہی کر سکتے ہیں۔

مصنف کی ہر لمحے سوچ اور کوشش بس یہی تھی کہ غارِ حرا جانا ہے اور قیام کرنا اس حوالے سے انہوں نے تمام تر تیاریاں کر رکھی تھیں لیکن انہیں یہ خیال کم ہی آیا کہ وہ وہاں جا کر کون سی دعائیں اور عبادتیں کریں گے۔ ساری لگن اس بات کی تھی کہ وہاں پہنچنا کیسے ہے باقی طرف توجہ ہی نہیں گئی۔ بس دل میں یہ ہی چاؤ رہا کہ حضور صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم کے گھر میں رہنا ہے اور ان کی موجودگی کو محسوس کرنا ہے ان کے اٹھنے بیٹھنے کے انداز کو اپنانے کی کوشش کرنی ہے اور راتیں اس طرح سے گزارنی ہیں جیسے حضور صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم گزارا کرتے تھے یہ سب سوچتے سوچتے یہ خیال بھی دامن گیر آکر پریشان کرنے لگا کہ یہ کوئی عام رات تو نہیں ہے اس کا اظہار وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"پھر بدن میں ایک سنسناہٹ سی دوڑ گئی کہ۔۔ یہ تو ایسی رات نہیں۔۔ تمہاری حیات کی ہزاروں معمولی راتوں ایسی رات تو نہیں۔۔ یہ تو کچھ اور ہی معاملہ ہے۔۔ کوئی اور رات۔۔ جو نہ پہلے کبھی آئی اور نہ آئے گی۔۔" (۳۱)

ان خیالات کے دامن گیر ہوتے ہی مصنف نے مسلسل نوافل ادا کرنے شروع کر دیئے دعائیں اور التجائیں نہایت عاجزی کے ساتھ ادا کیں آنکھیں اشک بار ہو گئی اور آنسو بے قابو ہو کر بہنے لگے۔ یہ سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے جبل نور کی اوٹ میں سے بارہویں کا چاند آہستہ آہستہ ابھرتے غارِ حرا کے صحن کے عین اوپر آچکا تھا۔ مصنف تو چونکہ اس کے انتظار میں تھے کہ کب روشنی ہو گی اور وہ ان تمام لمحوں کو اپنی آنکھوں میں سمیٹ کر ہمیشہ کے لیے قید کر لیں گے۔ غار کے باہر آکر مصنف نے راستوں کا تعین کرنا شروع کیا کہ حضور صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم بھی تو انہیں راستوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرتے ہوئے اس پر چلتے غار

میں داخل ہوتے ہوں گے۔ جن راستوں پر حضور ﷺ کے قدموں کی چھاپ ہو وہ راستے بھی کتنے مقدر والے ہوں گے یہ چٹانیں اور پتھر بھی بہت افضل تھے کہ حضور ﷺ کے ہاتھوں کا لمس ان میں رچا بسا ہوا تھا۔ یہ سب کچھ مستنصر حسین تارڑ کے عشق رسول ﷺ کو ہمارے سامنے لاتا ہے کہ کس عقیدت اور والہانہ محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر ہر چیز کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ مثال ملاحظہ فرمایئے۔

> ''کیا پتہ بابا بھی آتے جاتے یہاں کچھ دیر رکتے ہوں۔۔ ان پتھروں کی بناوٹ پر غور کرنے کے لیے۔۔ لیکن نہیں وہ نہیں رکتے ہوں گے۔۔ اس سرنگ میں کچھ دیر نہیں رکتے ہوں گے۔۔ پر اپنے ہاتھ تو رکھتے ہوں گے۔۔ سہارا لیتے ہوں گے۔۔ انہی پتھروں کا جن پر میں ہاتھ رکھتا تھا۔۔'' (۳۲)

مصنف نے نوافل کی ادائیگی کا سلسلہ جاری رکھا کیونکہ یہ ایک ایسی مقدس جگہ ہے کہ جتنا ممکن ہو سکے عبادات کو جاری رکھا جانا چاہیے تاکہ انسان کو زندگی میں ملال نہ رہے کہ اس در پر گئے لیکن عبادت نہ کر سکے۔ رات کافی ہو چکی تھی اور اب نیند مصنف کو تنگ کرنے لگی تھی مصنف نے نیند کو مکمل طور پر تو اپنے اوپر غالب نہ آنے دیا لیکن ایک نیم غنودگی کی سی کیفیت طاری رہی بالکل ایسے جیسے انسان آدھا سویا اور آدھا جاگا ہوا ہوتا ہے۔ اس نیم غنودگی کی سی کیفیت کا مقصد یہ تھا کہ جب مکمل طور پر بیداری ہو تو مصنف کے نیم خوابیدہ حواس اپنے تئیں اپنے بیڈ روم میں جاگیں اور پھر کچھ لمحوں کے بعد انہیں احساس ہو کہ نہیں۔۔ ہم تو غارِ حرا میں جاگے ہیں۔ مصنف کی رسول ﷺ سے اور ان کی وساطت سے غارِ حرا سے جو محبت ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ غار میں رہتے ہوئے تمام پتھروں، چٹانوں کو لیٹے، اٹھتے، بیٹھتے اور چلتے پھرتے چھونا کہ شاید حضور ﷺ نے بھی کبھی انہیں چھوا ہوگا۔ اور انہی راستوں پر چل کر غار میں داخل ہوتے ہوں گے۔ یہ سب حضور ﷺ سے والہانہ عشق کو ہمارے سامنے لاتا ہے۔ ''غارِ حرا میں ایک رات'' میں سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

> ''آس پاس، دائیں بائیں اور اوپر چھت پر جو بھی پتھر تھے جو چٹانیں تھیں ان کی بناوٹ میں کوئی ایک ذرہ بھی ایسا نہ تھا جس پر میں اس آس میں ہاتھ پھیر چکا تھا۔۔ اسے محسوس کر چکا تھا کہ بابا نے ان پر کہیں نہ کہیں ہاتھ رکھے ہوں گے۔۔'' (۳۳)

رات اب تیزی سے گزر رہی تھی یہاں تک کہ تہجد کا وقت قریب آن پہنچا۔ نماز کی ادائیگی کے بعد پھر سے دعاؤں اور عبادتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا مصنف جو دعائیں پہلے مانگ چکے تھے دوبارہ وہی دعائیں مانگنے لگے۔ اب غارِ حرا کا صحن چاند کی چاندنی سے مکمل طور پر خالی ہو چکا تھا اور صبح کا سورج اپنی آب و تاب سے چمکنے کے لیے تیار نظر آ رہا تھا اور مصنف بالکل خالی الذہن ہو کر بیٹھ گئے تھے کیونکہ انہیں اب دلی سکون حاصل ہو چکا تھا ان کی خواہش کو تشفی حاصل ہو چکی تھی اور جب وہ غار سے باہر نکلے تو زائرین کا رش لگنا شروع ہو گیا تھا انہوں نے جب مستنصر حسین تارڑ کو دیکھا تو حیران رہ گئے کہ یہ انسان ہم سے پہلے کیسے پہنچ گیا۔ مصنف نے انہیں بتایا کہ وہ رات سے یہیں پر ہیں تو ان لوگوں نے عقیدت سے مستنصر حسین تارڑ کے ہاتھوں کو چومنا شروع کر دیا اور طرح طرح کے سوالات کی بہتات کر دی اور جواب میں مستنصر حسین تارڑ مسکراتے رہے کیونکہ ان کے پاس ان تمام سوالوں کے جواب نہ تھے اور اب انہوں نے واپس جانے کی راہ اختیار کر لی۔ بحیثیت مجموعی اگر آپ کے اس سفر نامے کو لیا جائے تو اس میں آپ کی حضور ﷺ سے محبت و عقیدت کھل کر ہمارے سامنے آتی ہے اور غار کا اتنی باریک بینی سے جائزہ اس وقت ہی لیا جا سکتا ہے جب آپ کے اندر حضور ﷺ کے حوالے سے تجسس اور لگن موجود ہو۔

د۔ اسلامی تاریخی مطالعے سے لگاؤ:

مستنصر حسین تارڑ نے اپنے سفر نامے "غارِ حرا میں ایک رات" میں مقدس مقامات کی زیارات بھی اختیار کیں اور اس حوالے سے اسلامی تاریخی حوالے بھی مصنف نے سفر نامے میں شامل کیے ہیں جن کو پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ مصنف کا اسلامی تاریخ کے حوالے سے مطالعہ کافی گہرا ہے۔ اس سفر میں ان کے ساتھ ایک بابا فقیر بھی تھے جنہیں مدینے میں موجود تمام مقدس مقامات کے حوالے سے معلومات تھیں اور ان کی وساطت سے مصنف نے یکے بعد دیگرے ان تمام مقدس مقامات کی زیارات کیں۔ اس حوالے سے مستنصر حسین تارڑ نے سب سے پہلے امت المومنین حضرت ماریہ قبطیہ کے گھر کی زیارت کی۔

> "آپ کا نام ماریہ بن شمعون قبطیہ تھا۔ یہ اصلاً مصری خاتون تھیں۔ "حفن" نامی بستی میں ان کی ولادت ہوئی تھی۔ آپ شاہ مصر "مقوقس کی کنیز تھیں"۔ [۳۴]

امہات المومنین میں سے صرف حضرت ماریہ قبطیہ تھیں جو مسجد نبوی ﷺ سے ملحقہ حجروں میں حضور ﷺ کی دوسری بیگمات کے ساتھ نہ رہتی تھیں۔ یہ ایک کنیز تھیں اور مدینے میں ایک الگ گھر میں

رہتی تھیں اس کی وجہ گھریلو رقابتیں تھیں۔ صرف انہوں نے ہی حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی گود ایک بیٹے ابراہیم سے بھری۔

"آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے بیٹے کا نام ابراہیم رکھا۔ ابراہیم کی پیدائش مدینہ میں ۸ ہجری کو ہوئی اور ۱۰ ہجری میں مدینہ میں وفات پائی"۔ (۳۵)

مدینے کی شاہراہ سے ہٹ کر ایک ویران سے علاقے میں ایک کافی چوڑی اور دھول آلود گلی کے قریب کار کو روکا گیا۔ لیکن یہاں تو بظاہر کوئی مکان نہ تھا بس صرف ایک دیوار تھی جس کے بارے میں بابا فقیر نے مصنف کو بتایا کہ اس وقت یہاں صرف ایک قبرستان تھا اور کہیں سے بھی اندر جھانکنے کی اجازت تک نہ تھی۔ اس حوالے سے مصنف لکھتے ہیں:

"دیکھ تو نہیں سکتے تھے اس مقام کو لیکن اس کی قربت میں چشم تصور کو یہ تو کہہ سکتے تھے کہ ذرا اس منظر کو تخلیق کر دے جب یہاں کوئی حجرہ ہوا کرتا تھا۔ شاید کچی اینٹوں کا ہو سکتا ہے مدینے کے آتش فشانی پتھروں کا"۔ (۳۶)

حضرت ابراہیم کی پیدائش اور وفات کے حوالے سے مصنف نے چند اسلامی تاریخی حوالے بھی پیش کیے ہیں۔ حضرت ابراہیم اپنے باپ کی شکل کے تھے اور اگر وہ زندہ رہتے تو زیادہ امکان اسی بات کا تھا کہ ان کی شکل ہو بہو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جیسی ہوتی، اور لوگ انہیں دیکھ کر دھوکہ کھا جاتے۔ مصنف ابن ہشام کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"مدرہ کے کالے کلوٹے گھونگھریالے بال والے ذمیوں (حبشیوں) کے بارے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ ان سے میرا نسب کا رشتہ بھی ہے اور سمدھیانہ بھی"۔ (۳۷)

یعنی نسب اس لحاظ سے کہ حضرت ہاجرہ انہی کے خاندان سے تھیں۔ علاوہ ازیں قبطیوں سے کیا ہوا عہد پورا ہونا اور نسب کا تعلق قائم ہونا تھا۔ تعلق تو یہ ہے کہ حضرت اسماعیلؑ ذبیح اللہ کی والدہ ماجدہ حضرت حاجرہ رضی اللہ تعالیٰ اور حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بیٹے ابراہیم کی والدہ ایسی قوم سے ہیں جن کا تعلق مصر سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدہ ماریہ قبطیہ کو حسن صورت اور حسن سیرت دونوں سے مالا مال فرمایا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں:

"جتنا رشک مجھے ماریہ پر آتا تھا کسی اور پر نہیں آیا وہ نہایت نیک سیرت اور پاک باز تھیں۔ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم حضرت ماریہ سے بڑا تعلق خاطر فرماتے تھے"۔ (۳۸)

غزوہ بنو نضیر ربیع الاول ۴ھ اگست ۶۲۵ء میں پیش آیا اور اللہ تعالیٰ نے اس سے متعلق پوری سورۃ حشر نازل فرمائی۔ جس میں یہودیوں کی جلاوطنی کا نقشہ کھینچتے ہوئے منافقین کے طرزِ عمل کا پردہ فاش کیا گیا ہے مصنف کی اگلی زیارت بنو نضیر کی بستی تھی۔ اب یہ بستی بالکل کھنڈر کا منظر پیش کر رہی تھی۔ نبو نضیر مدینہ کے یہودیوں میں سب سے اعلیٰ ذات کے سمجھے جاتے تھے۔ کامیاب کاشتکار اور باغبان تھے۔ کعب بن اشرف اسی قبیلے بنو نضیر کا سردار تھا۔ یہ فحش شعر کہہ کر مسلمان خواتین کو پریشان کرتا تھا۔ مصنف اس حوالے سے یہ روایت بیان کرتے ہیں:

> "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کون ہے جو کعب بن اشرف کی خبر لینے کی ہامی بھرتا ہے "حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا" آپ کی خاطر میں یہ کام کرنے کو تیار ہوں۔ میں اسے قتل کر دوں گا"۔ " اگر تم ایسا کر سکو تو کر گزرو۔ رسول اللہ سے فرمایا آپ اجازت دیں کہ ہم اس سے کچھ حیلے بہانے کی باتیں کریں۔ "فرمایا ! جو مناسب سمجھو کرو"۔ (۳۹)

حضرت محمد بن مسلمہ کے ہمراہ ابو نائلہ بھی تھے جو کعب کے دودھ شریک بھائی تھے۔ ان دونوں نے ملکر کعب کو رات کی تاریکی میں گھر سے باہر بلایا اور قتل کر کے سر اپنے ساتھ لے گئے۔ حضور ﷺ نے بنو نضیر کو پیغام بھیجوایا کہ تم نے عہد توڑ دیا ہے۔ سو اب اس بستی سے دس دن کے اندر نکل جاؤ۔ اس پر یہودیوں نے جواب دیا کہ ہم نہیں نکلیں گے۔ ہمارے پاس خوراک موجود ہے آپ کو جو کرنا ہے کر لیں۔ دس دن کے بعد حضور ﷺ نے حکم دیا کہ ان کے درختوں کو کاٹ دو۔

"ہیکل کے مطابق یہودیوں نے کہا" اے محمد ﷺ آپ تو دوسروں کو فساد کرنے سے منع کرتے تھے اور پھر خود ہی ہمارے ہرے بھرے پودے کاٹ کر جلانا کہاں کا انصاف ہے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

> "کھجوروں کے درخت جو تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو ہاتھ نہ لگایا اور بدستور ان کو جڑ سمیت کھڑا رہنے دیا تو خدا ہی کے حکم سے تھا اور خدا کو منظور تھا کہ نافرمانوں کو رسوا کرے"۔ (۴۰)

مصنف مسجد رانونہ بھی زیارت کی غرض سے گئے اور اس حوالے سے بھی آپ نے تاریخی اسلامی مطالعے کو ملحوظِ خاص رکھا۔ یہ مسجد قباء شہر مدینہ سے باہر چھ میل کے فاصلے پر ہے۔ رسول ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ چار روز تک یہاں قیام کیا۔ ابن ہشام کے مطابق:

"رسول اللہ ﷺ بہ مقام قباء۔۔ عمرو بن عوف کے محلے میں دو۔۔۔۔ چہار اور پنج شنبہ تشریف فرما رہے اور ان کی مسجد کی بنیاد ڈالی۔ جمعہ کی نماز آپ نے اس مسجد میں ادا فرمائی جو وادیٔ رانونا کے درمیان ہے"۔

مارٹن لنگز کے مطابق

"جمعہ کی صبح کو وہ قباء سے باہر نکلے۔ اور دوپہر کے وقت وہ اپنے ساتھیوں سمیت وادی رانونا میں نماز کے لیے ٹھہرے"۔ [۴۱]

مصنف کے مطابق یہ تمام مندرجہ بالا حوالے انہوں نے وطن واپسی پر دریافت کئے۔ مصنف کو چونکہ اسلامی تاریخی حوالوں کی تلاش میں دلچسپی ہے اس لیے انہوں نے ان حوالوں کو وطن واپس آکر خود تلاش کیا اور پھر اپنے سفر نامے "غارِ حرا میں ایک رات" کا حصہ بنایا۔ سلمان فارسی اصفہان کے قریب ایک گاؤں میں ایرانی آتش پرست والدین کے گھر پیدا ہوئے۔ نوجوانی میں عیسائیت اختیار کرلی۔ سلمان نے جب اپنی زندگی کے آخری عرصے میں سنا کہ ایک ایسا پیغمبر آئے گا جو ابراہیم کے دین کے ساتھ بھیجا جائے گا۔ خیرات قبول نہیں کرے گا اور کندھوں کے درمیان پیغمبری کی مہر ہو گی۔ سلمان نے اس پیغمبر سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور پھر فارس کے یہی سلمان پیغمبر ﷺ کو ایک خندق کھودنے کا مشورہ دیتے ہیں اور مدینے کو بچا لیتے ہیں۔ اور حضور ﷺ انہیں خوش ہو کر باغ عطا کرتے ہیں۔

مارٹن لنگز ابو بکر سراج الدین کے مطابق

"انہیں یہ باغ اسی پیغمبر نے عطا کیا تھا جس کی تلاش میں وہ عمر بھر سرگرداں رہے۔ غلام بنائے گئے۔۔۔۔ بہت مدت نہیں ہوئی جب اس قطعہ زمین پر جواب ویران تھا۔۔۔۔ ایک پتے ایک بوٹے کے بغیر یہاں کھجور کے وہ درخت موجود تھے جو سلمان کا باغ تھے اور پھر انہیں نابود کر دیا گیا"۔ [۴۲]

مصنف کا مطالعہ اسلامی تاریخی حوالے سے کافی گہرا ہے اور اس حوالے سے ان کی تلاش کافی گہری دکھائی دیتی ہے۔ انہوں نے مدینے سے واپسی پر ان تمام حوالوں کے لیے کافی کام کیا اور پھر کافی تحقیق کے بعد انہیں اپنے سفر ناموں کا حصہ بنایا۔ اور اس حوالے سے انہوں نے اپنے قاری کو یہ بھی بتایا کہ ان کی تحقیق میں جو جو چیزیں سامنے ائیں انہوں نے انہیں شامل کر دیا باقی ان حوالوں کے لیے اختلاف رائے بھی کی جا سکتی ہے۔

ر۔ شیطان کے بارے میں رائے:

حج کے فرائض میں سے ایک اہم فرض شیطان کو کنکریاں مارنے کا بھی ہوتا ہے۔ یہاں پر تین طرح کے شیطان ہوتے ہیں۔ یعنی جمرہ اولی (پہلا شیطان) جمرہ وسطیٰ (درمیانہ شیطان) اور جمرہ کبریٰ (سب سے بڑا شیطان)۔ پہلے دن سب سے بڑے شیطان یعنی جمرہ کبریٰ کو ہلاک کرنا ہوتا ہے اور باقی دونوں شیطانوں کو کنکریاں مارنے کا نمبر بعد میں آتا ہے۔

مصنف کو جب حج کے دوران اس عمل سے گزرنا پڑا تو وہ اس حوالے سے کچھ پریشان سے دکھائی دیے۔ اس کا اظہار وہ اپنے سفر نامے "منہ ول کعبے شریف" میں کچھ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "اس بے چارے پر مجھے کچھ ترس بھی آیا۔ بے چارہ ایک تھا اور اس پر کنکریاں برساتے بعض گالیاں دیتے ہزاروں تھے"۔ (۴۳)

مستنصر حسین تارڑ کو مناسک حج کے حوالے سے اکثر شیطان کو کنکریاں مارنے کی بات آتی تو اس فعل کو حماقت گردانتے تھے کیونکہ انہیں اس کی کچھ ٹک سمجھ نہیں آتی تھی اور جب خود پر یہ وقت آیا تو وہ قدرے سب کی نسبت جلدی میں نظر آئے ان کے بیٹے سلجوق بار بار انہیں منع کرتے کہ ابا ابھی رک جائیں آگے بہت زیادہ ہجوم ہے لیکن مصنف کو تو شیطان کو مارنے کی بہت جلدی ہے اور بیٹے کو ڈانٹتے ہیں کہ چھوڑو مجھے جانے دو۔ اس حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

> "اور ہر صورت اس دیوار تک پہنچنے کے درپے ہیں جہاں ان کے اور شیطان کے درمیان کوئی اور نہ ہو اور وہ اسے جی بھر کر سنگسار کر سکیں اور بالآخر وہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں"۔ (۴۴)

انسان کی سوچ کے زاویے وقت کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں مصنف جو پہلے اس عمل کو بے وقوفی سمجھتا تھا وہ اب خود اس عمل کو کرنے میں بے حد بے تاب لگ رہا تھا شاید پہلے اسے اس بات کا اس طرح سے احساس نہ تھا کہ شیطان پر کنکریاں برسانے سے انسان سکون و اطمینان کی دنیا میں چلا جاتا ہے اب جب سب کچھ آنکھوں کے سامنے پیش آیا تو تب انہیں حقیقت کا اندازہ ہوا۔ پہلے جو وہ اس عمل کو قدرے مزاحیہ انداز میں لیتے تھے۔ اسے ایک دانش سے عاری عمل سمجھتے تھے اب انتہائی سنجیدگی سے کنکریاں برسا رہے تھے لیکن پھر بھی ان کے دل میں شیطان سے کچھ ہمدردی بھی بعض اوقات آڑے آ جاتی تھی۔ اس حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

> ”لاکھوں کے ہجوم میں سے راستے بناتے ہم بڑے شیطان کے سامنے پہنچ گئے۔ وہ غریب تو پہلے ہی ادھ موا تھا اسے مکمل طور پر ہلاک کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ آج کے روز۔۔ عرفات اور مزدلفہ سے لوٹ کر ایک محتاط اندازہ لگایا جائے تو ڈیڑھ کروڑ سے زائد کنکریاں اس اکیلی جان پر برس رہی تھیں۔۔“ (۴۵)

حج کے دوران شیطان پر کنکریاں برسانا ایک نہایت مشکل کام ہوتا ہے کیونکہ ہجوم بہت زیادہ ہوتا ہے اور پھر اس ہجوم میں سے خود کو بچا کر اس فرض کو پورا کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ شیطان سے کچھ ہمدردی اپنی جگہ لیکن اس کو کنکریاں مارنے میں مصنف سب سے آگے آگے رہے اور کوئی موقع بھی آپ نے ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

بحیثیت مجموعی ان دونوں مذہبی سفر ناموں ”منہ ول کعبے شریف“ اور ”غار حرا میں ایک رات“ میں مستنصر حسین تارڑ کی فکر ہر لحاظ سے اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ "منہ ول کعبے شریف" میں جہاں ہمیں مصنف کی اللہ سے بے پناہ محبت وعقیدت دکھائی دیتی ہے وہیں ”غار حرا میں ایک رات“ میں رسولؐ سے والہانہ عشق دیکھنے کو ملتا ہے۔ مصنف کا عشق اس قدر بلند دکھائی دیتا ہے کہ وہ ہر حال میں ”غار حرا“ رات قیام کرنا چاہتے ہیں نہ صرف قیام بلکہ ان وقتوں کی یاد بھی تازہ کرنا چاہتے ہیں جو حضورؐ نے وہاں پر گزارے، ہر چیز کا مصنف نے نہایت باریک بینی سے جائزہ لیا غار کے اندر شاید ہی کوئی ایسی جگہ باقی رہی ہو جہاں تک مصنف نے رسائی حاصل نہ کی ہو۔ مصنف نے اُن تمام مقامات کی زیارت بھی کی جہاں کے حوالے سے یہ شواہد ملتے ہیں کہ حضورؐ کا گزر یا قیام کبھی اُن جگہوں پر ہوا تھا، آپ نے اُن کنوؤں کا پانی بھی پیا جن کا پانی حضورؐ نے پیا تھا یہ

مصنف کی اعلیٰ درجے کی عقیدت و محبت ہے جو انہیں اُن مقامات پر لے جاتی ہے۔ حضورؐ کی اونٹنی (قصویٰ) جو حضورؐ کو بہت پیاری تھی اور جہاں پر وہ قصویٰ بیٹھتی تھی حضورؐ وہیں قیام کرتے تھے۔ مصنف اُن راستوں پر بھی گئے جہاں پر انہیں کچھ گمان ہوا تھا کہ قصویٰ ان راستوں پر سے کبھی گزری ہو گی۔ مصنف نے ان راستوں پر نہایت پھونک پھونک کر قدم رکھے کہ کہیں قصویٰ کی مینگنیوں پر اُن کے پاؤں غلطی سے نہ آ جائیں یہ مصنف کی اعلیٰ درجے کی محبت وعقیدت اور حضورؐ سے عشق ہے جو اُنہیں یہ سب سوچنے اور کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

سفرنامہ ''منہ ول کعبے شریف'' میں مصنف نے حج کی ادائیگی اور مناسک حج کے حوالے سے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ حج کے حوالے سے مصنف کی لگن صرف فرض کی ادائیگی تک ہی محدود نظر آتی ہے۔ لیکن مناسک حج کے حوالے سے مصنف ہر لحاظ سے کافی چاق وچوبند دکھائی دیئے ہیں۔ میدان عرفات میں قیام سے لے کر شیطان کو کنکریاں مارنے تک مصنف ہر لحاظ سے پیش پیش رہے ہیں۔ تمام مناسک کو مصنف نے نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا ہے۔

حوالہ جات

1. وحید الرحمٰن،ڈاکٹر،منہ ول کعبے شریف، مشمولہ، قومی زبان شمارہ ۲۱، دسمبر ۲۰۱۲ء، ص ۲۱
2. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف ،سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۴
3. ایضاً، ص ۶۵
4. ایضاً، ص ۸۰
5. ایضاً، ص ۸۳
6. ایضاً، ص ۱۹۴
7. مستنصر حسین تارڑ، غارِ حرا میں ایک رات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۸۹
8. وحید الرحمٰن خان، ڈاکٹر، منہ ول کعبے شریف، مشمولہ، قومی زبان شمارہ ۲۱، دسمبر ۲۰۱۲ء، ص ۲۴
9. مستنصر حسین تارڑ، غارِ حرا میں ایک رات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۰۱
10. ایضاً، ص ۸۹
11. ایضاً، ص ۸۹
12. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۳۰۴
13. مستنصر حسین تارڑ، غارِ حرا میں ایک رات، ص ۱۵
14. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۳۲۱
15. مستنصر حسین تارڑ، غارِ حرا میں ایک رات، ص ۱۳
16. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۳۳۰
17. مستنصر حسین تارڑ، غارِ حرا میں ایک رات، ص ۲۴
18. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۳۸۴
19. ایضاً، ص ۳۸۳
20. مستنصر حسین تارڑ، غارِ حرا میں ایک رات، ص ۲۸
21. ایضاً، ص ۴۳
22. ایضاً، ص ۵۵
23. ایضاً، ص ۷۸

24. ہفت روزہ عزم، مشمولہ مستنصر حسین تارڑ سے خصوصی انٹرویو، ۲۰۰۶ء، ص ۲۵
25. مستنصر حسین تارڑ، غارِ حرا میں ایک رات، ص ۱۰۳
26. ایضاً، ص ۱۳۲
27. ایضاً، ص ۱۴۵
28. ایضاً، ص ۱۴۷
29. ایضاً، ص ۱۸۴
30. ایضاً، ص ۱۹۵
31. ایضاً، ص ۲۰۴
32. ایضاً، ص ۲۱۰
33. ایضاً، ص ۲۲۵
34. ابوضیاء محمود احمد غضنفر، رسول اللہ کی پاکباز بیویاں، درز ارابلاغ، ستمبر ۲۰۱۳ء، ص ۴۳۳
35. مستنصر حسین تارڑ، غارِ حرا میں ایک رات، ص ۲۰
36. ایضاً، ص ۲۱
37. ایضاً، ص ۲۲
38. ابوثوبان غلام قادر، محمد رسول اللہ ﷺ کی نجی زندگی، مکتبہ اسلامیہ، مارچ ۲۰۱۱ء، ص ۱۹۶-۱۹۵
39. مستنصر حسین تارڑ، غارِ حرا میں ایک رات، ص ۳۱
40. ایضاً، ص ۳۳
41. ایضاً، ص ۳۱
42. ایضاً، ص ۴۴
43. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۲۰۲
44. ایضاً، ص ۲۰۲
45. ایضاً، ص ۲۳۷

باب سوم:

"منہ ول کعبے شریف" اور "غارِ حرا میں ایک رات" کا فنی جائزہ

مستنصر حسین تارڑ اردو کے مقبول ترین سفر نامہ نگار ہیں لیکن یہاں پر یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ سفر نامہ مستنصر حسین تارڑ کی اور مستنصر حسین تارڑ سفر نامے کی پہچان ہیں۔ وہ ایک نہایت زود نویس سفر نامہ نگار ہیں۔ سفر کے لیے ہر طرح کی مشکلات، مصائب و آلام کو خوشی اور رغبت سے اختیار کرنا اور بے مثال مہم جوئی ان کی فطرت کا حصہ ہے۔ آپ کے تقریباً تمام ہی سفر بغرض سیاحت ہیں آپ نئی دنیاؤں اور اجنبی ممالک کی تسخیر کے عزم سے سفر اختیار کرتے ہیں۔ آپ کے سفر ناموں میں مشاہدات اور محسوسات کے ساتھ ساتھ جذبات کی ایک انوکھی دنیا آباد ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

> "مستنصر حسین تارڑ کے فن کا تجزیہ کیا جائے تو وہ ہمیں کئی اصناف اور فنون میں بکھرا ہوا نظر آتا ہے۔ اداکاری، افسانہ اور کالم بھی اس کی تخلیقی شخصیت کی قابل ذکر جہتیں ہیں تاہم وہ بنیادی طور پر سیاح ہی نظر آتا ہے اور آوارہ گردی اس کی رگ و پے میں سمائی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو مقصد کی ڈور میں لپٹے بغیر چپ چاپ کندھے پر تھیلہ ڈال کر گھر سے نکل سکتا ہے۔ اس عالم میں اس کے خارجی اور باطنی حواس بیدار ہوتے ہیں اور وہ قدم قدم پر سفر کی جزئیات کو خانہ دل میں جمع کرتا چلا جاتا ہے"۔[1]

زیر مقالہ موضوع مستنصر حسین تارڑ کے دو مذہبی سفر ناموں پر مشتمل ہے اور ذیل میں ان دونوں سفر ناموں کا فنی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

الف۔ زبان و بیان:

مستنصر حسین تارڑ کے مذہبی سفر ناموں "منہ ول کعبے شریف" اور "غارِ حرا میں ایک رات" میں تشبیہات کا استعمال بکثرت ملتا ہے۔ اسی طرح شعروں کا استعمال اور نئی نئی تراکیب بنانا بھی ان کا مرغوب مشغلہ ہے۔ لفظیات کا استعمال بھی منفرد انداز میں دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے پنجابی زبان کا استعمال اشعار کی صورت میں نہایت خوبصورت انداز میں کیا ہے۔ تشبیہات کے حوالے سے آپ نے سیدھی سادی زبان کا

استعمال کیا ہے یعنی مشکل الفاظ و تراکیب کا استعمال ان سفر ناموں میں نظر نہیں آتا۔ مثلاً آپ کے سفر نامے ”غارِ حرا میں ایک رات“ میں تشبیہ دینے کا یہ انداز ملاحظہ ہو:

”اتنی ہلکی کہ اس پر نہ ہونے کا گمان بھی گزرتا تھا۔ جیسے ہار سنگھار کے پھول جب سرد سویر میں سورج کی پہلی کرنوں کی تاب نہ لا کر ڈنٹھلوں سے جدا ہو کر گرتے ہیں تو ان کی خوشبو کبھی ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی۔۔ یا سرِ شام پٹونیا کے پھولوں میں سے جو باس اٹھتی ہے۔ یا جیسے ایک تتلی آہستگی سے ایک رخسار پر اترتی ہے، تو محسوس ہو بھی جاتا ہے اور نہیں بھی ہوتا۔ ایسے یہ مہک ہلکی تھی“۔[۲]

یہ تشبیہ غارِ حرا میں شام کے منظر اور شام کے وقت ہر طرف پھیلی ہوئی مہک کو جس خوبصورت انداز میں بیان کرتی ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ ہار سنگھار کے پھولوں سے مراد یہاں گیندے اور موتیوں کی پھولوں کو لیا جا سکتا ہے کیونکہ ان کا استعمال ہار بنانے میں کیا جاتا ہے جب یہ پھول اپنے ڈنٹھلوں سے گرتے ہیں تو کبھی خوشبو آتی ہے اور کبھی نہیں۔ تتلی اپنے وزن کے حساب سے نہایت ہلکی ہوتی ہے اتنی کہ وہ اگر انسان کے چہرے پر آ کر بیٹھ جائے تو پتہ بھی نہیں چلتا کہ چہرے پر کچھ ہے یا نہیں اس کی وجہ اس کا ہلکا جسم ہونا ہے بالکل ایسے ہی یہ خوشبو جو غار کے ارد گرد اطراف سے آرہی تھی ہلکی تھی۔

تشبیہ کا استعمال چاہے سفر میں کیا جائے یا عام تحریر میں یہ دونوں صورتوں میں خوبصورتی، لطافت اور نزاکت کو بڑھا دیتا ہے۔ سفر نامہ نگار بعض اوقات چیزوں کو جیسا ہے کی بنیاد پر پیش نہیں کرتا بلکہ وہ اشیا کو تصور و تخیل کی آنکھ سے دیکھتا اور سمجھتا ہے تاکہ اس کے تمام تر ممکنہ پہلو نظر آئیں پھر وہ اپنے اس مطالعے اور مشاہدے کو تشبیہ کی مدد سے بیان کرتا ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر مزمل حسین کہتے ہیں:

”علم بیان کی اصطلاح میں کسی چیز کو کسی خاص وصف کی بناء پر دوسری چیز کی مانند قرار دینا تشبیہ کہلاتا ہے لیکن دوسری چیز کے مقابلے میں یہ صفت مسلمہ طور پر زیادہ جامع صورت میں موجود ہو“۔[۳]

مستنصر حسین تارڑ چونکہ زبان و بیان کے استعمال کا مکمل شعور رکھتے ہیں اس لیے ان کی تشبیہات پڑھنے میں نہایت آسان اور سادہ ہیں اور قاری پڑھتے ہی سمجھ جاتا ہے کہ مصنف کا اشارہ کس جانب ہے اور وہ اس تشبیہ کے تناظر میں کہنا کیا چاہتے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ کو غارِ حرا جانے اور وہاں رات قیام کرنے کا شوق

بہت عرصے سے تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنے گھر والوں کو آگاہ کیا لیکن آپ کی اہلیہ کے علاوہ کوئی بھی آپکو رات وہاں گزارنے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ خاص کر کے آپ کے بڑے بیٹے سلجوق نے آپ کو وہاں رات گزارنے سے منع کر دیا لیکن وہ یہ جانتا تھا کہ اباجی پریشان ہیں اس حوالے سے مستنصر حسین تارڑ نے خوبصورت تشبیہات کا استعمال کر کے اپنے قاری تک بات پہنچانے کی سعی کی ہے ملاحظہ فرمائیے:

> "اسی لیے وہ جب کبھی میری جانب دیکھتا تھا تو اس کے چہرے پر ایک پرچھائی سی تیر جاتی تھی۔ جیسے ایک ڈور کے سرے پر بندھی سوالیہ نشان ایسی تیکھی کنڈی کو خوراک سمجھ کر مچھلی منہ مار لیتی ہے اور وہ کنڈی اس کے گلپھڑوں میں پروئی جاتی ہے اور اس ڈور کو کوئی اٹکا ہوا چھپا ہوا کھینچتا ہے تو مچھلی کا کچھ اختیار نہیں رہتا۔ وہ اٹکی رہتی ہے ایسے ہی ابا بھی اٹکا ہوا تھا"۔ (۴)

مصنف کو چونکہ غارِ حرا جانے کا بہت شدت سے اشتیاق تھا لیکن گھر والے چونکہ منع کرتے تھے کہ قیام کا ارادہ ترک کر دیں تو آپ نے انہیں مطمئن کرنے کے لیے کہہ دیا کہ ٹھیک ہے آپ نہیں قیام کریں گے لیکن آپ کے بڑے بیٹے سلجوق جانتے تھے کہ آپ کو کس قدر شوق اور تمنا ہے رات قیام کی اس حوالے سے مصنف نے خوبصورت تشبیہ کے ذریعے اس کیفیت کو سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ان کے بیٹے کے چہرے پر ایسی پرچھائی چھا جاتی ہے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ابا خوش نہیں ہیں اور ان کی حالت ایسے ہے جیسے مچھلی کے گلے میں کنڈی پھنس جاتی ہے اور پھر اسے شکاری کھینچ رہا ہوتا ہے اور مچھلی کا پھر اس پر کوئی بس نہیں چل رہا ہوتا بس وہ خود کو اس شکاری کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتی ہے اور یہی حال اس وقت مصنف نے اپنا بیان کیا اور خوبصورت تشبیہ کا استعمال کر کے تحریر کو دلکش بنا دیا ہے۔

"منہ ول کعبے شریف" آپ کا سفر نامہ حج ہے اس میں بھی آپ نے خوبصورت تشبیہات کا استعمال کیا ہے۔ حج کے موقع پر جہاں ہر طرف اللہ اللہ کی صدائیں بلند ہو رہی ہوتی ہیں اور ہر کوئی اپنے رب سے گڑگڑا کر معافی تلافی کرنے میں مصروف نظر آتا ہے تو مسلسل ان لاکھوں صداؤں میں ایک دہشت کا عنصر بھی پیدا ہو جاتا ہے اور انسان کے دل میں خوف پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جب وہ آوازیں مصنف کے کانوں میں اتری تو بدن کانپنے لگا کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے اور خوف و ہراس نے مصنف کو چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لے لیا اس کا اظہار وہ نہایت دلچسپ اور خوبصورت تشبیہات کے ساتھ کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:

"لاکھوں آوازوں کی گونج کانوں میں اترتی تھی تو بدن کانپنے لگتا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ جیسے پہلے بچے کی کچی مٹھی کھولتے ہوئے اس کی ہتھیلی کی ابھی نمودار ہوتی قسمت کی لکیریں۔ جیسے اکلوتی بیٹی کی رخصتی اور اس کی جدائی میں نیند میں بھیگتی آنکھیں۔۔ بدن کانپنے لگتا ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے"۔ (۵)

مصنف نے یہاں اس خوبصورت تشبیہ کا استعمال کر کے تحریر کی خوبصورتی کو دوبالا کر دیا ہے۔ بچے کی کچی مٹھی دیکھ کر خوف سا آنے لگتا ہے کیونکہ وہ ٹھیک طرح سے کھل بھی نہیں رہی ہوتی اور ابھی اس پر لکیریں بھی پوری طرح سے نمودار نہیں ہوئی ہوتیں اس لیے دیکھ کر کچھ خوف محسوس ہوتا ہے۔ دوسری تشبیہ بھی ایسی ہے کہ انسان روئے بغیر نہیں رہ سکتا یعنی جس انسان کی ایک ہی بیٹی ہو اور وہ اسے بہت پیار کرتا ہو اور پھر وقت آئے اس کی رخصتی کا تو والدین کے لیے وہ لمحات بہت تکلیف دینے والے ہوتے ہیں حالانکہ اس کے پیچھے ایک خوشی بھی چھپی ہوئی ہوتی ہے فرض کی ادائیگی کی لیکن اس کے باوجود والدین رخصتی کے وقت غمگین ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے یہ قدرت کا نظام ہے کہ جب اپنے کسی خاص سے بچھڑنا پڑ جائے تو وہ لمحے انسان کو غمگین کر جاتے ہیں۔ انسان کا بدن کانپنے لگتا ہے کہ یہ کیوں اور کیا ہو رہا ہے۔

مصنف نے خانہ کعبہ کے طواف کے دوران ابابیلوں کے غول کے غول دیکھے جو یکدم صحن حرم میں ڈائیو لگاتیں اور خانہ کعبہ کے گرد ایک نصف دائرہ بنا کر پرواز کرتیں بلندی میں جا کر آنکھوں سے اوجھل ہو جاتیں خانہ کعبہ کے گنبدوں میں بھی ان کے گھونسلے ہیں اور مکہ شہر کے گرد جو سیاہ پہاڑیاں ہیں وہاں بھی یہ کافی تعداد میں رہتی ہیں۔ اس حوالے سے مصنف کی خوبصورت تشبیہ ملاحظہ فرمائیے:

"ان کے غول کے غول اترتے تھے۔ بے آواز اور بے شور جیسے بغیر انجن کے سیاہ چھوٹے چھوٹے گلائڈر ہوں جو ہوا میں جھولتے آ رہے ہوں"۔ (۶)

عمرہ کے دوران سعی کا عمل بھی نہایت معنی خیز ہے صفا اور مردہ کی سعی بھی خوش نصیب لوگوں کو نصیب ہوتی ہے اور یہ عمل اپنے اندر بڑی حکمت لیے ہوئے ہے انسان کے لیے کچھ بھی نہیں سوائے اس کے جس کے لیے وہ کوشش یا سعی کرتا ہے۔ اس عمل میں بھاگ دوڑ بھی نظر آتی ہے مستنصر حسین تارڑ نے اسے نہایت دلکش انداز میں تشبیہ کی صورت میں پیش کیا ہے:

"سلجوق اور سمیر مستی میں آتے ہوئے سیاہ ہرنوں کی مانند کلانچیں بھرتے اور میں ایک فربہ دریائی گھوڑے کی مانند بے ڈھب ہانپتا ہوا"۔ (۷)

"غار حرا میں ایک رات" میں مستنصر حسین تارڑ جب غارِ میں رات گزرنے کی غرض سے پہنچے تو انہیں رات کی تاریکی سے کچھ خوف محسوس ہونے لگا۔ مصنف کو گمان تھا کہ رات میں آسمان پر ستاروں کا جھنڈ ہو گا اور وہ انہیں دیکھتے رہیں گے لیکن ان کی سوچ کے برعکس آسمان پر کوئی بھی ستارہ نہ تھا۔ اس کی وجہ آسمان پر چھائے ہوئے بادل تھے جنہوں نے چاند کی روشنی کو بھی چھپایا ہوا تھا۔

"ایسے ستارے جو دریائے سندھ کی ایک شب میں اس کے پانیوں پر مکیش سے ٹانکے ہوئے دوپٹے کی مانند بجھے دمکتے ڈوبتے دکھائی دیتے تھے لیکن اس بجھے ہوئے چاند نے ان کو بھی بجھا رکھا تھا"۔ (۸)

غارِ حرا میں قیام کے دوران مصنف پر عجیب طرح کی کیفیات وارد ہو رہی تھیں کبھی خوف کبھی اطمینان اور کبھی کپکپاہٹ کا شدید احساس وغیرہ وغیرہ۔ بازو میں عجیب طرح کی لرزش شروع ہو گئی جس کا احوال وہ ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں:

"بازو کی کپکپاہٹ تیز تھی جیسے جلترنگ بج رہا ہو۔ جیسے ایک لچکیلی شاخ پر بیٹھا ہوا مرغ ذریں اڑ جائے تو وہ شاخ دیر تک ہولے ہولے کانپے چلی جاتی ہے۔ جیسے ستار کے تار چھیڑنے سے وہ لرزتے ہیں"۔ (۹)

مصنف نے غار حرا کے قیام کے دوران اپنی حالت کو اس خوبصورت تشبیہ سے بھی بیان کرنے کی کوشش کی ہے مستنصر حسین تارڑ چونکہ غار میں بالکل ایسے قیام کرنا چاہتے تھے جیسے حضور ﷺ کیا کرتے تھے یعنی بالکل قدرتی ماحول میں کسی بھی قسم کے بستر کے استعمال کے بغیر اس حالت میں انہوں نے اپنا بازو سر کے نیچے رکھا ہوا تھا اور کچھ وقت کے بعد جب بازو ہٹایا تو وہ کانپ رہا تھا اور مصنف نے اسے خوبصورت تشبیہ کے ذریعے بیان کیا ہے یعنی بازو ایسے کانپ رہا تھا جیسے ستار بجایا جائے اور بند کرنے پر اس کی تاریں کافی دیر تک کپکپاہٹ کا شکار رہتی ہیں ایسے جیسے ایک لچک دار شاخ پر مرغ بیٹھ جائے اور جب اٹھے تو وہ شاخ کافی دیر تک ہلتی رہے۔ مصنف نے نہایت آسان اور سادہ تشبیہ کی مدد سے اپنی اس وقت کی کیفیات کو قاری کے سامنے رکھنے کی کوشش کی ہے۔

مصنف پر کبھی بہت زیادہ خوف وہراس طاری ہو جاتا اور کبھی وہ بالکل اطمینان کے ساتھ سکون میں آ جاتے وہ ایک ہی لمحے میں عجیب سی کیفیات سے گزر رہے تھے غارِ حرا جگہ ہی ایسی ہے کہ وہاں پر رات قیام کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے انسان کے دل میں ہزار طرح کے وسوسے پیدا ہو رہے ہوتے ہیں کہ جہاں جبریل امین وحی لے کر اترتے ہوں اس کی سوچ ہی انسان کو خوف میں مبتلا کر دیتی ہے۔ جب مصنف کے دل میں اچانک سے خیال آیا کہ یہاں چاروں طرف کوئی بھوت پریت، کوئی جادو ٹونا، سحر، کوئی واہمہ اور کوئی وسوسہ جرأت نہیں کر سکتا کہ آس پاس بھی بھٹک جائے تو پھر ڈر خوف کس بات کو سوچنے کا، ان سب سوچوں نے مصنف کو اطمینان بخشا اور اس اطمینان کا اظہار وہ اس خوبصورت تشبیہ کی صورت میں کرتے ہیں:

"یہاں میں شانت اور بے ڈر ایسا تھا جیسے کوہستانی سفر سے واپسی پر میں اپنی والدہ سے لپٹ جاتا تھا اور ان کے دوپٹے میں سے ماں کی جو مہک آتی تھی اسے سونگھتا ایک اطمینان اور کیف میں چلا جاتا تھا۔ میں یہاں ایسا ہو چکا تھا"۔(۱۰)

غار میں قیام کے دوران کبھی مصنف پر خوف وہراس طاری ہو جاتا اور کبھی وہ بالکل ایسے آرام میں آ جاتے جیسے کسی لمبے سفر کے بعد انسان اپنی ماں سے ملتا ہے اور ان کے دوپٹے میں سے آنے والی مہک یا خوشبو سے وہ مکمل سکون اور اطمینان میں چلا جاتا ہے اور ساری تھکاوٹ ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ ہی حال اس وقت مصنف کا تھا کہ وہ مکمل سکون اور اطمینان کی کیفیت میں جا چکے تھے۔

مستنصر حسین تارڑ کے ہاں پنجابی زبان اور اشعار کا استعمال بکثرت ملتا ہے "منہ ول کعبے شریف" میں آپ نے پنجابی زبان اور اشعار کا استعمال زیادہ کیا ہے جبکہ "غارِ حرا میں ایک رات" کو اگر دیکھا جائے تو یہ استعمال کم دیکھنے میں آتا ہے۔ سنڈے ایکسپریس میں انٹرویو کے دوران جب آپ سے پنجابی زبان کے سفر ناموں میں استعمال کے حوالے سے سوال کیا گیا تو مصنف نے یوں جواب دیا، ملاحظہ فرمائیے:

"مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اگر میں اپنی تمام کتابیں پنجابی میں لکھتا تو زیادہ بہتر لکھتا۔ شریف کنجاہی، موہن سنگھ اور احمد راہی میرے پسندیدہ پنجابی شاعر ہیں"۔(۱۱)

مصنف کا تعلق چونکہ پنجابی گھرانے سے ہے اس لیے ہمیں ان کی تحریروں میں پنجابی رنگ غالب نظر آتا ہے۔ پنجابی اور مستنصر حسین تارڑ کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اردو زبان کے ساتھ ساتھ جب تک پنجابی

زبان کا استعمال نہ آئے تو مصنف کو اپنی وہ تحریر مکمل لگتی ہی نہیں ہے۔ اس حوالے سے سنڈے ایکسپریس کے انٹرویو میں جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"دیکھیں میں بہت ہی نالائق ہوں گا کہ اگر میری تحریروں میں پنجابی رنگ نہ جھلکے۔ میں تو اس دن خودکشی کر لوں گا جب مجھے کوئی یہ کہے کہ جناب آپکی تحریروں سے تو لگتا تھا کہ آپ کوئی دہلوی یا لکھنوی ہیں"۔ (۱۲)

"منہ ول کعبے شریف" میں جب مصنف جدہ میں داخل ہوتے ہیں تو یہ شہر انہیں حیران کر کے رکھ دیتا ہے۔ ہر طرف روشنیاں ہی روشنیاں اور بے شمار خوبصورتی مصنف کو سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کیونکہ انہیں یقین نہیں آرہا ہو تا کہ یہ شہر اتنا خوبصورت اور ماڈرن ہے۔ اس حوالے سے مصنف لکھتے ہیں:

"حاجی لوگ مکے نوں جاندے، اسا جانا تخت ہزارے۔ جت ول یاراُتے ول کعبہ، بھویں پھول کتاباں چارے"۔ (۱۳)

مصنف نے بعض جگہوں پر اردو اور پنجابی کی آمیزش سے بھی خوبصورت فقرے تخلیق کیے ہیں۔ غارِ حرا میں رات قیام کے دوران جب مصنف غار کے میدان یعنی باہر صحن میں جاتے ہیں تو انہیں اس صحن کو دیکھ کر اپنی نانی کا گھر، مسجد قرطبہ اور مسجد امیہ کے صحن یاد آجاتے ہیں۔ "غار حرا میں ایک رات" میں مصنف بڑے اچھے اور دلچسپ انداز میں صحن کا ذکر کرتے ہیں:

"کدی آوڑ ویہڑے وے۔ میں لُک چُھپ نیر بہاواں۔۔ اس ویہڑے میں شاہ حسین مست ہوئے۔۔ بلھے شاہ ناچے اور روہی کے ویہڑے میں خواجہ فرید ہر حال آئے۔ لیکن غار حرا کے آگے جو چھوٹا صحن ہے۔ جس ویہڑے میں سب کے رانجھن آیا کرتے تھے یہ ان تمام صحنوں اور ویہڑوں کی ماں ہے"۔ (۱۴)

حج کرتے ہوئے طواف کے دوران مصنف کے دل میں عجیب و غریب قسم کے وسوسے آنے لگے کہ کہیں یہ دوسرے لوگ جو حج کی نیت سے آئے ہیں یہ یہاں سے مجھے نکال ہی نہ دیں۔ پھر جب مصنف کی نظر غلافِ کعبہ پر پڑتی ہے تو اس حوالے سے اُن کی سوچ شاہ حسین پر رک جاتی ہے اس کی وجہ یہ تھی ایک بار جب پاکستان کے سپرد غلاف کعبہ کی بُنت اور کڑھائی کا کام کیا گیا تھا تو اس میں شاہ حسین کی نسل کہ لوگ بھی تھے جنہوں نے اسے تیار بھی کرایا اور مصنف اس کو اس طرح سے بیان بھی کرتے ہیں۔

"انی حسین جولایا

نہ او مومن نہ او کافر

جو آیا سو آیا" [(۱۵)]

کعبہ کا طواف کرتے مصنف مسلسل دعاؤں اور تسبیح میں مصروف رہے اور جب سب کچھ پڑھ چکے تو انہیں باقی ایسا کچھ یاد نہ آئے جو پڑھنے کو باقی نہ رہا تو انہوں نے خود سے مخاطب ہو کر کہا۔

ے"ہن میں لکھیا سوہنا یار، جس دے حسن دا گرم بازار

تو سوہنے یار کے حسن کا گرم بازار طواف میں تھا

پاویں گا دیدار صاحب دا۔۔۔ ہو رہی بنواں اتے" [(۱۶)]

مصنف خود سے مخاطب ہیں کہ سوہنے کے حسن کا بازار گرم ہے یعنی کعبہ کا طواف کرنے والوں کا بہت ہجوم ہے اور تجھے اگر اپنی مرادیں بھر لانی ہیں تو اور بھی بزرگی سے جھک کر مانگ۔ مصنف نے جب حج ادا کر لیا تو دوبارہ شاہراہ عرفات کی طرف واپسی کا سفر لیا جہاں پر عارضی خیمے بنائے گئے تھے۔ اس لمحے مصنف کو خیال آیا کہ یہ وہی میدان عرفات ہے جہاں پر حضور ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر آئے تھے اور خطبہ حج الوداع دیا تھا یہ آپ ﷺ کا آخری خطبہ تھا اس میں آپ نے اپنے چہیتے بلالؓ کو سب پر فوقیت دی اور انہیں اذان دینے کا حکم بھی دیا۔ نماز کے بعد حضور ﷺ اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہو گئے۔ اس حوالے سے مصنف قصویٰ کو سوچ کر ان راستوں پر جن پر قصویٰ چلی تھی رشک کرتے ہیں اور انہیں خیالی طور پر قصویٰ اونٹنی نازو ادا اور اٹکھیلیاں کرتی نخرے کرتی چلتی نظر آتی ہے۔ اس حوالے سے " منہ ول کعبے شریف" سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

ے" قصویٰ جیسے میرے سامنے چھن چھن کرتی گزرتی تھی

چھن چھن کر دی گلی وچوں لنگدی

ساڈھے سجناں دی ڈاچی بادامی رنگ دی

ڈاچی والیا موڑ مہاروے" [(۱۷)]

اس اونٹنی کے حوالے سے ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ یہ اونٹنی حضور ﷺ کی تھی اور جہاں پر یہ بیٹھتی تھی حضور ﷺ وہیں پر قیام کرتے تھے اسے کھلا چھوڑ دیا جاتا تھا وہ خود موڑتی تھی خود رکتی تھی اور اپنی مرضی سے قیام کرتی تھی اور حضور ﷺ اس کے مطابق قیام کرتے تھے۔ اس اونٹنی کا ذکر مصنف نے اپنے

سفر نامے میں نہایت عمدہ انداز میں کیا ہے اور اس کے لیے مصنف نے زیادہ استعمال پنجابی زبان میں کیا ہے اور اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ پنجابی میں مصنف اظہار کھل کر اپنے انداز میں کر سکتے ہیں اور اشعار بھی آپ نے پنجابی میں ہی کہے۔ حج کے دوران ''منیٰ'' کے مقام پر جہاں لاکھوں حاجیوں کا پڑاؤ دیکھنے میں آتا ہے اور اس دوران حاجی لوگوں کی عارضی یا وقتی گمشدگی لازمی طور پر دیکھنے میں آتی ہے۔ مصنف کے سامنے بھی ایسا ہی واقعہ دیکھنے میں آیا جب ان کے بیٹے کھانا لینے کی غرض سے نکلے تو مصنف اکیلے ایک فٹ پاتھ پر جا کر بیٹھ گئے تھوڑی دیر بعد جب وہ ذرا ادھر ادھر ٹہلتے ہیں تو ایک پنجابی خاتون لجاجت سے اپنی کلائی آگے کر کے کہتی ہے ''وے بھرا۔ میں گواچ گئی آں'' وہ عورت کلائی اس لیے آگے کرتی ہے کہ اس میں لوہے کا ایک بریسلٹ ہے اور اس پر اس کے مکتب کا پتہ درج ہے۔ مصنف کو ٹھیک سے دکھائی نہیں دیتا کیونکہ ان کے پاس نظر کی عینک نہیں ہوتی اور وہ خاتون پھر کہتی ہے: ''ہائے ہائے بھرا پتہ نہیں تینوں پنجابی سمجھ آؤندی کہ نہیں، میں اسے یقین دلاتا ہوں کہ مجھے بھی یہی زبان تو سمجھ میں آتی ہے''۔[۱۸]

سفر نامے ''منہ ول کعبے شریف'' میں فارسی کا استعمال کہیں پر بھی دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن ''غارِ حرا میں ایک رات'' میں مصنف نے چند مقامات پر فارسی زبان کا بھی استعمال کیا ہے۔ کیونکہ مصنف کو فارسی زبان کا بھی شرف حاصل ہے۔ ''یک نہ شد۔۔۔ دو شد۔۔۔''[۱۹] اس کے علاوہ ایک اور جگہ پر جب احد پہاڑ کا ذکر آیا تو بھی مصنف نے فارسی زبان کا استعمال کیا۔ ''از کجا مے آید ایں مشک دوست''۔[۲۰]

بحیثیت مجموعی اگر مستنصر حسین تارڑ کے ان دو سفر ناموں میں زبان و بیان کا جائزہ لیا جائے تو سادگی، روانی اور سلاست اپنے نقطہ عروج پر دیکھنے کو ملتی ہے عمدہ تشبیہات، پنجابی زبان اور اشعار کا خوبصورت اور اردو کی آمیزش کے ساتھ استعمال قاری کو اپنے سحر میں گرفتار کر لیتا ہے محسوسات کے بیان میں تشبیہات کا استعمال تحریر کی خوبصورتی کو دوبالا کر دیتا ہے۔ تحریر میں کہیں بھی بوریت اور سپاٹ پن نظر نہیں آتا لفظوں کے چناؤ اور جملوں کی بناوٹ میں کفایت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ یہ دونوں سفر نامے چونکہ مذہبی نوعیت کے ہیں اس لیے اس بات کا خاص خیال رکھتے ہوئے مصنف نے الفاظ کا چناؤ کیا ہے۔ انہوں نے سفر ناموں میں انداز بیان کی شگفتگی اور بے ساختگی سے حقائق کو مسخ نہیں ہونے دیا۔ ان دونوں سفر ناموں میں تاریخی اور خصوصاً اسلامی تاریخی واقعات کے بیان اور مواد کی تحقیق میں ایک فلسفیانہ پن نظر آتا ہے۔

ب۔اسلوب:

اردو ادب کی ایک جدید اصطلاح "اسلوب" عربی زبان سے مشتق ہے اور یہ انگریزی لفظ "Style" کے مترادف ہے۔

مصنف کا اندازِ تحریری، طرز بیان اس کی شخصیت کا پر تو اور تعارف ہوتا ہے۔ کشاف تنقیدی اصطلاحات میں " اسلوب " کی تعریف ان الفاظ میں درج ہے:

"اسلوب سے مراد کسی ادیب یا شاعر کا وہ طریقہ ادائے مطلب یا خیالات و جذبات کے اظہار و بیان کا وہ ڈھنگ ہے جو اس خاص صنف کی ادبی روایت میں مصنف کی اپنی انفرادیت کے مشمول سے وجود میں آتا ہے اور چونکہ مصنف کی انفرادیت کی تشکیل میں اس کا علم، کردار، تجربہ، مشاہدہ، افتاد طبع، فلسفہ حیات اور طرزِ فکر و احساس جیسے عوامل مل جل کر حصہ لیتے ہیں۔ اس لیے اسلوب کو مصنف کی شخصیت کا پرتو اور اس کی ذات کی کلید سمجھا جاتا ہے"۔[۲۱]

اردو ادب میں ایک ادبی اصطلاح کے طور پر لفظ "اسلوب" کافی زیادہ رواج پذیر ہے۔ اب دور جدید میں اسے ایک مستند ادبی اصطلاح کا درجہ بھی حاصل ہو چکا ہے۔ ادبی اصطلاح کے ساتھ ساتھ اب یہ لفظ تنقیدی موضوعات میں بھی ایک جداگانہ فن کا درجہ رکھتا ہے۔ قومی انگریزی اردو لغت میں لفظ "اسلوب" کے معنی کچھ یوں بیان کئے گئے ہیں:

اسلوب و تحریر و تقریر (بلحاظ زبان)

ادب میں موضوع سے زیادہ اسلوب پر زور دینے والا یا اس سے تعلق رکھنے والا۔

کسی ادیب یا ادیبوں کے گروہ کا شناختی اسلوب۔

فنون میں خارجی اسلوب

روشن یا انداز۔ کوئی خاص طرزِ ادا۔[۲۲]

مصنف کی ذاتی صفات جب کسی تحریر میں نظر آنے لگتی ہیں تو وہ "اسلوب" کہلاتا ہے۔ اس میں ذہنی اور جذباتی تجربے کا ایک خارجی روپ بھی ہوتا ہے جس سے مصنف کے باطن اور نفس کی پوری تصویر سامنے

آجاتی ہے۔ اسلوب در حقیقت مصنف کی پوری ذات کا ایک عکس اور مطالعہ ہے۔ اسلوب کی فرہنگ عامرہ میں یہ تعریف ملتی ہے:

"اسلوب: طریقہ، طرز، روش۔۔۔ جمع "اسالیب،" (۲۳)

فرہنگ آصفیہ میں لکھا ہے:

"طرز، ڈھنگ، طریقہ وضع، انداز" (۲۴)

درج بالا تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ اسلوب کسی تحریر کی وہ ظاہری شکل ہے جو خاص ادبی صنف کی صورت میں وجود پذیر ہوتی ہے اس میں مصنف کے خیالات، جذبات، تجربات، مشاہدات الفاظ کا روپ دھارے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس میں خارج اور باطن دونوں شامل ہوتے ہیں۔ اسلوب تحریر کی صرف ظاہری صورت ہی نہیں بلکہ مصنف کی مکمل شخصیت اور عہد کو بھی پیش کرتا ہے۔

ڈاکٹر مسعود انور سفر نامے کے فن پر بات کرتے یوں رائے دیتے ہیں:

"سفر نامے کا سب سے قیمتی جزو اس کا افسانوی عنصر ہے۔ قدرت نے جب انسان کو بنایا تو اس کے وجود کو تراشتے وقت اس کے سینے میں چپکے سے داستان کی دیوی کی محبت کو بھی بٹھا دیا۔ داستان کے اس حصے نے جس میں کہانی بیان کی جاتی تھی افسانے کا روپ دھار لیا اور دوسرے حصے نے جس میں حالات سفر بیان ہوتے تھے سفر کی شکل اختیار کر لی اور اردو ادب میں ایک ایسی صنف کا اضافہ ہوا جس میں آنکھوں دیکھے مشاہدے کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے"۔ (۲۵)

مستنصر حسین تارڑ کی سفر نامہ نگاری میں ان کا اسلوب نگارش سر فہرست آتا ہے۔ ان کے دونوں سفر ناموں یعنی "منہ ول کعبے شریف" اور "غارِ حرا میں ایک رات" میں بیانیہ تکنیک کا استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی ان کا اسلوب بیانیہ ہے انہوں نے خارجی مشاہدات اور داخلی تاثرات کے تخیل کی خوب صورت آمیزش بھی کی ہے مستنصر حسین تارڑ کے اسلوب نگارش نے اردو ادب میں سفر نامے کی صنف کا نیا لب و لہجہ اور مزاج دیا ہے مصنف روداد سفر میں جذبات کیفیات کا رنگ بھی شامل کر دیتے ہیں مثلاً منہ ول کعبے شریف سے یہ مثال ملاخطہ فرمایئے۔

"میں نے جس گنبد سے ٹیک لگائے یہ سحر طراز معجزاتی شب کھلی انکھوں سے اگرچہ کبھی کبھار جھلملاتی آنکھوں سے گزاری تھی تو جب میں وہاں سے سویر کے سفید سحر

میں اُٹھاہوں تو اُٹھنے سے پیشتر جو کچھ اب تک میں نے دیکھا تھا خانہ کعبہ کو دل میں پوشید
ہ کرتے گھر جاتے چہرے ابابیلیں اور عبادتیں تو ان سب سے ارفع اور اعلیٰ میں نے
ایک منظر اور دیکھا اس منظر کو دیکھا تو جو ساون برس چکا تھا، اس کے بادلوں میں پھر
سے پانی بھر گیا اور میری آنکھوں سے برسنے لگا"۔ (۲۶)

مستنصر حسین تارڑ کی رائے بے لاگ اور مشاہدہ وسیع نظر ہوتا ہے۔ ان کے فقروں میں فنکارانہ پختگی نظر آتی ہے۔ ان کہ یہاں معلومات فراہم کرنے کا انداز نمایاں ہے تاہم یہ لطافت اور شگفتگی سے بھرپور ہے۔

تحریر میں کہیں بھی بوریت اور سپاٹ پن نظر نہیں آتا اس فطرتی لطافت اور شگفتگی نے ان کے سفر ناموں میں دلچسپی کے عنصر کو بڑھایا ہے۔ مصنف کے یہاں لفظوں کے چناؤ اور جملوں کی بناوٹ میں کفایت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ ان کے یہاں اردو اور فارسی الفاظ و تراکیب کے ساتھ ساتھ پنجابی زبان کا استعمال قدرے زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا تعلق ایک پنجابی خاندان سے ہے۔ ان کے سفر ناموں کی سحر انگیزی کو ان کی شگفتہ بیانی اور شبنمی اسلوب نے صحت مند کروٹ دی ہے۔ وہ بات سے بات پیدا کرنے اور ایک مخصوص نقطے کو ذرا سا موڑ دے کر اس سے آتش بازی کے انار کی طرح مسکراہٹیں بر آمد کر لیتے ہیں اور اکثر اوقات تو سفر نامے میں ایسی فضا بھی پیدا ہوتی ہے کہ قاری لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ "منہ ول کعبے شریف" سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

"میں قدرے ہراساں ہو گیا۔ حج کا خطبہ شروع ہو گیا ہے۔ یعنی نماز ہو چکی ہے۔"
نہیں ابا۔۔ سلجوق نے میری جہالت پر مایوسی سے سر ہلایا۔ اور ظاہر ہے کھڑے ہو کر
مجھ سے مخاطب ہو کر نہیں بلکہ چلتے چلتے مجھے دھکوں سے بچاتے۔ خطبہ پہلے ہوتا ہے۔
نماز بعد میں ہوتی ہے"۔ (۲۷)

مصنف کے دونوں سفر ناموں "منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" میں اسلوب نگارش مذہبی نوعیت کا ہے اور اردو ادب میں ایک نئے تجربے اور نئے مزاج کی بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے۔ قدیم سفر ناموں کے اسلوب و آہنگ کے مقابلے میں مستنصر حسین تارڑ کے یہ دونوں مذہبی سفر نامے مشاہدے اور

تاثر سے مزین طرزِ خاص سے متعارف کراتے نظر آتے ہیں۔ ان کے اس نئے اسلوبیاتی رویے اور رجحان کی نئے آنے والوں نے پیروی کی ہے۔

ج۔ مکالمہ نگاری:

مکالمہ سفر نامے کا اہم ترین حصہ ہے۔ مکالمہ وہ چیز ہے جس کے ذریعے سے سفر نامے کو زیادہ سے زیادہ دلچسپ بنایا جاتا ہے۔ مکالمے وہی اہم ہوتے ہیں جو حقیقی معنوں میں زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔ جو ادیب مکالمہ کی اہمیت و افادیت سے آگاہ ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مکالمہ لکھنا ایک کٹھن کام ہے مکالمے کے لیے ضروری ہے کہ جس زبان میں گفتگو ہو رہی ہے وہ بولی اور سمجھی جا رہی ہو۔ سفر نامہ نگار ادبی محاسن کو ہنر مندی سے زبان میں استعمال کر سکتا ہے۔ مکالمہ وہ آلہ ہے جس کے ذریعے سے سفر نامہ نگار اپنے مافی الضمیر کی تشریح کرتا ہے۔ مکالمے کی اہمیت کو سب سے پہلے سقراط نے محسوس کیا اور قوم کی بہتری کے لیے "جمہوریت" کو مکالمے کے انداز میں لکھا۔

مکالمہ سفر نامے کی روداد کو بیان کرنے، ماضی، حال اور مستقبل کے واقعات میں وحدت اور فنی بلندیوں پر لے جانے کے حوالے سے نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مکالمے لکھتے وقت ضروری ہے کہ ان کی نزاکت کا خاص خیال رکھا جائے اگر کرداروں کا تعلق پڑھے لکھے اور مہذب معاشرے سے ہے تو زبان بھی اس حوالے سے دلکش اور شائستہ ہونی چاہیے ایک سمجھدار سفر نامہ نگار مکالمے کے ذریعے قاری کے فہم و ادراک کو ایسی بلندی تک لے جاتا ہے کہ قاری اس سے لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا مکالمہ نگاری میں طاق ہونا انتہائی مشکل کام ہے یہ ہر ایک کے بس میں نہیں ہوتا یہ فن ریاضت اور محنت کے ساتھ ساتھ مطالعہ کا مطالبہ بھی کرتا ہے۔

غیر فطری اور سست مکالمے سفر نامے کے اصولی تسلسل میں فرق ڈال دیتے ہیں۔ مکالمے کے لیے ضروری ہے کہ وہ فطری یعنی کرداروں کے حسب حال ہوں۔ مکالمے میں سادگی اور برجستگی کا عنصر نہایت ضروری ہے اس لیے ضروری ہے کہ سفر نامہ نگار وہی زبان استعمال کرے جو اس عہد کی عام بول چال ہو۔ مکالموں کے ذریعے سے ہی معاشرے کی درست تصویر کو قاری کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح جذبات اور کردار کی عکاسی بھی مکالمے کے ذریعے ہی ہوتی ہے۔ مختلف معاملات پر ان کی آراء کا بھی پتہ چلتا

ہے۔ کرداروں کی فطرتوں کے اختلافات بھی مکالمہ ہی کے ذریعے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ قصہ مختصر جس سفر نامے میں مکالمے عمدہ اور فطری ہوں گے وہ سفر نامہ فنی اعتبار سے اسی قدر بلند ہو گا۔

مستنصر حسین تارڑ کے یہ دونوں مذہبی سفر نامے بیانیہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں مکالمے شروع سے آخر تک موجود ہیں۔ مصنف نے مکالمے کے ذریعے سے ہی کرداروں کو بھی متعارف کروایا ہے۔ نیز وہ کردار کے ظاہر اور باطن کو یکجا کر کے کردار کو بھرپور شکل میں پیش کرتے ہیں۔ دراصل مجرد اشیاء کے ساتھ مکالمے کو مصنف نے اپنے تاثرات اور جذبات کے اظہار کا وسیلہ بنایا ہے۔ ان کے یہاں خود کلامی بھی ہے اور اکثر مقامات پر لہجہ خطیبانہ انداز میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ مکالموں کے بہترین استعمال سے ہی وہ فکری گتھیاں سلجھاتے جاتے ہیں۔ ان کا خطیبانہ انداز اپنی ذات کے حوالے سے بھی ہے اور اس میں قاری کو بھی بعض اوقات مخاطب کیا گیا ہوتا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے سفر کی روداد بیان کرتے ہوئے کوئی ایسا نقطہ یا جملہ استعمال نہیں کیا جو ان کی فکر سے ہم آہنگ نہ ہو۔ بلکہ انتہائی خوبصورت اور دلکش امیجری کا سہارا لیتے ہوئے اپنی خاص قسم کی سوچ و فکر کو ٹھوس حقیقت میں بدل دیا ہے۔ اس تمام عمل میں انہوں نے رشتے اور تعلق کو انسانی فکر میں تلاش کرنے کی سعی کی ہے۔ ان کے یہاں تجرید سے تجسیم کا سفر کچھ یوں طے ہوتا ہے "غار حرا میں ایک رات" سے یہ مثال ملاحظہ فرمائیے: حضور ﷺ کے حوالے سے کہتے ہیں:

> "تو میں اس نقش پر ہاتھ رکھتا تھا اور وہ میرا ہاتھ تھام لیتے تھے۔ اور ان کے اور میرے درمیان جو کروڑ ہا نقش ہیں وہ فنا میں جا چکے تھے۔ بابا کی ہتھیلی کی گرمی جو اس پتھر میں دمکتی تھی اسے محسوس کرتا تھا اور اگر اس کے بعد مٹ جاتا تو کیا غم"۔ (۲۸)

مصنف کے دونوں سفر نامے چونکہ مذہبی ہیں اس لیے دونوں اپنے اپنے مخصوص انداز میں اسلامی عقیدت کے اظہار کے طور پر آگے بڑھتے ہیں۔ "منہ ول کعبے شریف" میں وہ عازمین حج کی کیفیات اور مناسک حج کے حوالے سے تبصرے کرتے ہیں اور دوران حج اپنی کیفیات کو تشبیہات اور مختلف مکالموں کے ذریعے بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے خانہ کعبہ کے طواف کے لمحات کو خوبصورت فطری اور جذباتی انداز میں بیان کیا ہے کہ عقیدت اور جذبے کی شدت کو محسوس کیا جا سکتا ہے:

> "سمیری سنا ہے کہ طواف کے دوران یا نماز پڑھتے ہوئے براہِ راست خانہ کعبہ کو نہیں دیکھتے۔" "کیوں نہیں دیکھتے۔ میرا جی چاہتا ہے اسے دیکھتے رہنے کو۔ میں تو دیکھوں گا ابو

چاہے اجازت نہ بھی ہو۔" یہ نہیں کہ میں منہ اٹھائے صرف خانہ کعبہ کو ہی اپنی توجہ کا مرکز بناتے چلتا جارہا تھا بلکہ میرے آگے پیچھے برابر میں جو لوگ۔ بچے بڑے بوڑھے، عورتیں۔۔ لڑکیاں طواف میں مگن تھے۔ میں ان کو بھی ایک منجمد مسکراہٹ کے ساتھ ایسے تکتا تھا جیسے ایک بچہ جب پہلی بار میلے میں آتا ہے تو اس میں شامل بے شمار لوگوں کو دیکھ کر حیرت اور خوشی میں مبتلا ہوتا ہے"۔ (۲۹)

مصنف کے ان دونوں سفر ناموں کے مکالمے بہت جاندار ہیں۔ زبان سادہ مگر منطقی لہجہ ہے ان مکالموں کا اثر قاری کے دل و دماغ پر بہت دیر تک رہتا ہے۔"غارِ حرا میں ایک رات" میں قیام کے دوران جب مصنف ہر طرح کی عبادت سے اپنے دل کو تسکین پہنچا چکے تھے تو اسی لمحے تقریباً آدھی رات کا وقت تھا کہ رضا نامی شخص آن پہنچا۔ مصنف نے خوبصورت مکالموں کا استعمال کرتے ہوئے اس کے ظاہری خدوخال کو بھی نہایت اچھے انداز میں بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

"رضا۔۔ پلیز آپ غار میں بیٹھے رہیں۔ عبادت کیجیے۔ میں اپنا مصلے صحن میں بچھا لیتا ہوں"تو ڈاکٹر رضا علی کہنے لگا۔ اس کے بال گھنگھریالے اور سیاہ تھے وہ خوش شکل تھا۔ یہ میں ٹارچ کی روشنی میں جان چکا تھا لیکن اب تاریکی میں اس کے خدوخال دکھائی نہ دیتے تھے اور میں صرف اس کی دھیمی اور سلجھی ہوئی آواز سن سکتا تھا"۔ (۳۰)

"غارِ حرا میں ایک رات" قیام کے دوران مصنف کا سامنا کہیں لوگوں سے ہوا اور اس حوالے سے آپ کے مکالمے اپنی مثال آپ ہیں اس دوران ایک بابا بنگالی سے بھی ملاقات ہوئی جس کا لہجہ ٹھیٹھ بنگالی تھا۔ اس سے بات چیت کرنا مصنف کے لیے مشکل تھا لیکن مصنف نے معلومات کی غرض سے سوالات پوچھے۔ ملاحظہ فرمایئے:

"بابا آپ کا پورا نام کیا ہے؟

"نور اللہ"۔

بنگال میں بال بچہ ہے۔

ہاں ہے۔

آپ کبھی خانہ کعبہ نہیں جاتا؟

"جاتا ہے۔ جمعہ کا روز نیچے اترتا ہے۔ ہر جمعہ نہیں کبھی کبھی کا جمعہ"

"بارش ہوتی ہے تو کیا کرتا ہے"

"گار کے اندر چلا جاتا ہوں"

بابا ادھر خوائج ضرور یہ کیسے کرتا ہے؟

"ادھر سے نیچے اترتا ہے۔ راستہ بنالیا ہے۔ جائے گا"؟

نہیں ابھی نہیں" (۳۱)

اللہ تعالیٰ کی ذات کے حوالے سے اپنے خیالات، جذبات و احساسات کو مکالموں کی شکل دینا ایک انتہائی مشکل کام ہے۔ خیالات کو الفاظ میں ڈھالنا اور پھر انہیں ایک مکمل عقیدت کے ساتھ بیان کرنا ہر مصنف کے بس کی بات نہیں ہوتی لیکن مستنصر حسین تارڑ میں یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ انہوں نے روایتی عقیدت مندی کو ہی صرف ظاہر نہیں کیا بلکہ اپنے تمام تر جذبات و احساسات کو پوری سادگی اور خلوص کے ساتھ بیان کر دیا ہے اور کہیں کسی جذبے اور خیال کو چھپانے یا اس پر منافقت کا پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ حج کے قیام کے دوران جو سوالات ان کے دل میں پیدا ہوتے یا تجسس کی کسی خلش نے سر اٹھایا تو انہوں نے اس کا برملا اظہار کر دیا ہے۔

"توں سب سے بڑا مصور ہے۔ جانتا ہے کہ کون سا رنگ کہاں لگانا ہے۔ کس کے ساتھ سرخ رنگنا ہے۔ کسے ساوے اور سوہے۔ پیراہن پہنانے ہیں اور کس کے اعمال کی چادر سیاہ کرنی ہے۔ ہم جو سفید احراموں میں ہیں، اب تو نے ان کو کس رنگ میں رنگنا ہے۔" میں آپ سے سوال کرتا ہوں ایک مسکین کی طرح۔ آپ کے سامنے گڑ گڑاتا ہوں ایک گنہگار ذلیل کی طرح۔ اور میں آپ کو پکارتا ہوں جیسا کہ وہ شخص پکارتا ہے جس کی آپ کے سامنے گردن جھک گئی ہے اور جن کے آنسو جاری ہو گئے ہیں"۔ (۳۲)

مختصراً "منہ ول کعبے شریف" اور "غارِ حرا میں ایک رات" یہ دونوں مذہبی سفر نامے اپنے اندر جاندار مکالمے لیے ہوئے ہیں مکالموں کی زبان سادہ اور موزوں ہے مکالمے کرداروں کی قومی، سماجی اور شخصی خصوصیات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ نے شگفتگی، سادگی اور سلیس پیرائے میں اپنے تاثرات اس طرح رقم کیے ہیں کہ ان کا ذاتی زاویہ پوری طرح روشن اور واضح ہو گیا ہے۔

د۔ منظر نگاری:

منظر نگاری عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی جائے نظر، آنکھ، چہرہ، صورت، شکل اور حد نظر ہے۔ منظر نگاری سفر نامے کا بنیادی حصہ ہے۔ ایک سفر نامہ نگار اپنے گرد وپیش کے حالات کی تصوری کشی کرتا ہے۔

"منظر نگاری عربی زبانکا لفظ ہے جس کے معنی (۱) جائے نظر، آنکھ نظر (۲) نظارہ، سیر گاہ، تماشا گاہ (۳) چہرہ، صورت، شکل (۴) حدِ نظر (۵) دریچہ، کھڑکی، وزن، سوراخ (۶) اونچی عمارت، لاٹھ، مینار"(۳۳)

ایک باکمال سفر نامہ نگار منظر کشی کو سفر نامے کا لازمی حصہ بنادیتا ہے اور اس کی مدد سے قدرتی مناظر کی ایسی تصویر تیار کرتا ہے جو افرادِ حصہ کے وقتی جذبات سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہوں۔ جب ایک تخلیقی فنکار مختلف مناظر پیش کرتا ہے اور حیات وکائنات کا مشاہدہ کرتا ہے تو اپنی فنی بصیرت سے ایسے مرقعے پیش کرتا ہے جس سے قاری متاثر ہوتا ہے اور اپنے آپ کو اس ماحول میں محسوس کرنے لگتا ہے۔ منظر کشی کے ذریعے ذہن میں مخفی امور اور نفسانی حالت کو محسوس صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اسی طرح تصویر کشی کے ذریعے عام طور پر دیکھے جانے والے حوادث ومشاہدہ، انسانی اجسام کی منظر کشی کی جاتی ہے۔ پھر سلیقہ سے کھینچی ہوئی اس تصویر میں ترقی پیدا ہو کر زندگی اور حرکت نمودار ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک ذہنی چیز متشکل ومتحرک سامنے آجاتی ہے۔ اگر ان میں قوت گویائی کا افسانہ ہو جائے تو زندہ ایکٹر کیصورت اختیار کر لیتے ہیں۔

منظر نگاری میں مختلف علاقوں کی ثقافت و تہذیب، میلوں ٹھیلوں، شادی بیاہ کی تقریبات، جلسے جلوسوں کی تصویر کشی ہوتی ہے۔ لہذا سفر نامہ نگار کو مطالعے، انداز تحریر اور اسلوب پر گرفت حاصل ہونی چاہیے۔ جب ایک سفر نامہ نگار لفظوں میں تصویر کشی کرتا ہے تو فن پارے میں ایک حسن اور خوبصورتی پیدا ہو جاتی ہے۔ سفر نامہ نگار کے اسلوب، اندازِ تحریر اور اس کی فنی بصیرت پر مبنی ہے کہ وہ کسی منظر کو کس حد تک متحرک بنانے کی سعی رکھتا ہے۔ اگر سفر نامہ نگار کو روداد سفر کہنے پر گرفت حاصل ہو تو نہ صرف سفر کے حوالے سے قاری کی دلچسپی اور لگن میں اضافہ ہو جاتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ کسی قسم کی بوریت کا بھی شکار نہیں ہوتا۔ منظر کشی اور تصویر سازی بے جان رنگ اور جامد خطوط سے اخذ نہیں کی جاتی بلکہ یہ انسانوں کی عام زندگی سے ماخوذ ہوتی ہے۔

اس میں سفر نامہ نگار کی شعور وجدان بھی بہت اہمیت کا حامل ثابت ہوتا ہے۔ منظر نگاری سے کئی فائدے مقصود ہوتے ہیں ان کی تفصیلات اپنے تنوع کے باعث قاری کی دلچسپی میں اضافہ کرتی ہیں۔ سفر نامہ نگار حیات رنگ و بو کے مناظر کو اپنے جذبات و واردات قلبی کی تصویر کشی کے سلسلے میں پس منظر کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ اعلیٰ درجے کا پس منظر غیر معمولی چیزوں کو تلاش کر کے لانے سے تیار نہیں ہوتا بلکہ روزمرہ زندگی کے معمولی منظروں میں چھوٹی چھوٹی جزئیات کو ابھارنے اور پیدا کرنے سے یہ مقصد حاصل ہوتا ہے۔

منظر نگاری کی درج بالا تعریف کے بعد اب مستنصر حسین تارڑ کے مذہبی سفر ناموں "منہ ول کعبے شریف" اور "غارِ حرا میں ایک رات" میں منظر نگاری کے فن کو دیکھا جا رہا ہے۔ ان دونوں سفر ناموں میں منظر کشی اپنے اندر موجود فضا اور واقعہ کو محسوس کرانے پر قادر ہے۔ ان کے یہاں الفاظ منظر کے ساتھ ساتھ جذبات کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔ مصنف مشاہدات اور محسوسات کو خوبصورت امتزاج کے ساتھ پیش کرنے میں قدرت رکھتے ہیں۔ بقول ذوالفقار علی احسن:

> "رسم ورواج اور معاشرت کی عکاسی سفر نامے کے لوازم میں سے ایک ہے۔ اس سفر نامے کو ادھورا قرار دیا جائے گا جس میں تہذیب و تمدن، عادات، مزاج اور رہن سہن کا بیان نہ ہو گا۔ مستنصر حسین تارڑ نے اپنے سفر ناموں میں اس نکتے کو ملحوظ خاطر رکھا ہے وہ جہاں بھی گئے، اس معاشرے کو جس انداز سے دیکھا پیش کر دیا۔ مستنصر حسین تارڑ جس ملک میں بھی گئے انہوں نے وہاں کے لوگوں کے رہن سہن اور ان کے ماحول کی جھلکیاں پیش کی ہیں اس کے علاوہ انہوں نے وہاں کے لوگوں کے سماجی رویوں کو بھی بیان کیا ہے۔ ان کی تحریروں سے قاری اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا"۔[۳۴]

منظر نگاری اور جزئیات نگاری بیانیہ اسلوب کا ایک اہم عنصر ہے یہ سفر نامے میں کرداروں اور واقعات کو بیان کرتے ہوئے انہیں زمانی و مکانی جہت سے ہمکنار کرتی ہے اس میں واقعات کا ظہور ایک تسلسل میں ہوتا ہے۔ واقعات کو ٹھہرا کر ان کی تفصیلات کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ بعض لوگ منظر نگاری کو صرف فطرت تک محدود کر دیتے ہیں لیکن مستنصر حسین تارڑ کے ہاں ایسا بالکل بھی نہیں ہے بلکہ آپ کے یہاں کسی بھی جگہ اور منظر کا مطالعہ اور تجربہ ہے۔ چنانچہ یہ کمروں، مکانوں اور بازاروں کی بھی ہو سکتی ہے۔ مستنصر

حسین تارڑ حسین تارڑ کو واقعات کے بیان میں منظر نگاری سے بے حد دلچسپی ہے۔ مذہبی سفر ناموں میں آپکی یہ منظر نگاری حقیقت کا روپ دھارے ہوتے اور عقیدت بھرے انداز میں قاری کے سامنے آتی ہے۔ مصنف بعض اوقات واقعات کے بیان اور منظر کی جزئیات میں کھو کر وہ بے پناہ تفصیل اور طوالت کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ان کا یہ انداز سفر نامے کو "موضوعی" بناتا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ زندگی کے جدید رویوں کو سمجھنے اور نئی حقیقتوں کو خندہ پیشانی سے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ "منہ ول کعبے شریف" میں مصنف خانہ کعبہ کے حوالے سے خوبصورت منظر کشی ان الفاظ میں کرتے ہیں ملاحظہ فرمایئے:

"صحن حرم کے درمیان روشنیوں میں ڈھلا ہوا۔ سیاہ غلاف میں ڈھکا ہوا خانہ کعبہ ایک خواب لگتا تھا۔۔ غیر مرئی لگتا تھا۔۔ جیسے یہ گھر پل دو پل کے لیے آسمان سے اترا۔ یہاں سے خانہ کعبہ ایک فلم کا سیٹ دکھائی دیتا تھا اور وہ ان تھک سر پھرے پھیرے باز اداکار دکھائی دیتے تھے۔ اس منظر میں ایک سحر تھا۔ ایک جادوگری تھی کہ اس پر یقین نہ ٹھہرتا ہے۔ نظر ٹھہرتی تھی تو لاچار ہو جاتی تھی، پھر سے اٹھتی نہ تھی"۔ (۳۵)

مصنف جب اپنے سفر کے دوران جدہ پہنچے تو اس حوالے سے آپکی منظر کشی نہایت دلفریب اور انوکھی تھی۔ ایک سفر نامہ نگار مناظر کے بیان سے قاری کو اس منظر میں لے جا کر چھوڑ دیتا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کی منظر نگاری اس اقتباس میں اپنے تمام تر زاویوں کے ساتھ قاری کے سامنے جلوہ گر ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

"اگر مجھ سے دریافت کیا جائے کہ جدہ کے بارے میں آپ کے ذہن میں کیا کہاوت ہے تو میں اسی کہاوت میں اضافہ کرتے ہوئے عرض کروں گا کہ:
جدہ میں روشنیاں ہوتی ہیں اور بے شمار روشنیاں ہوتی ہیں جدہ میں لوگ دن رات چکن کھاتے ہیں اور کھاتے ہی چلے جاتے ہیں۔ جدہ میں سپر سٹورز، فیشن ہاؤسز اور شاپنگ مالز ہوتی ہے اور اس کے علاوہ بھی ہوتی چلی جاتی ہیں۔ جدہ میں نئی نکور ڈلکتی لشکتی ابھی نئے پن کے کنوار پن کی مہک میں رچی کاریں ہوتی ہیں اور ہوتی ہی چلی جاتی ہیں"۔ (۳۶)

مناظر کے بیان کے حوالے سے مصنف کا اندازِ بیان نہایت عمدہ ہے۔ ان کا مشاہدہ بہت گہرائی میں جا کر کام کرتا ہے وہ مناظر کو صرف اوپری سطح پر نہیں دیکھتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ اندرونی سطح پر بھی ان مناظر کو دیکھنے کی سعی کرتے ہیں۔ "غار حرا میں ایک رات" قیام کے دوران مصنف کی خواہش رہی کہ جب وہ

رات قیام کریں تو اس رات آسمان ستاروں کے جھنڈ سے بھرا ہوا ہو اور وہ انہی نگاہوں سے ستاروں کی چال کا مشاہدہ کر سکیں جن آنکھوں سے حضور ﷺ کیا کرتے تھے لیکن اس حوالے سے انہیں بد قسمتی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ جس رات آپ نے قیام کیا اس رات ستارے نہیں جلوہ گر ہوئے آسمان پر اس حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

> "اس بے روح چاند کی اوٹ میں۔ یا آس پاس۔ دور یا کوئی ستارا نہ تھا۔ مجھے آس تو یہی تھی کہ غارِ حرا کی رات میں میرے اوپر ایک ستاروں سے الجھا ہوا اور اٹا ہوا۔ بے شمار اور بے حساب ستاروں بھرا آسمان ہو گا۔ کہیں کوئی سرسراہٹ نہ تھی"۔ (۳۷)

مستنصر حسین تارڑ نے اپنے ان دونوں مذہبی سفر ناموں میں ایک بڑے کینوس پر حقیقت پسندانہ تصویریں اور مناظر پیش کیے ہیں۔ انھوں نے مثبت رویے اختیار کرنے اور ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ انہیں غار حرا میں ایک رات قیام کا شوق تھا اور اس قیام کے دوران ان کی آنکھوں نے جو جو مناظر بھی دیکھے وہ بیان کرنے کے لیے بے حد بے چین رہے اور اسی کی کشمکش میں بھی بعض اوقات رہے کہ پتہ نہیں وہ انہیں صحیح طور سے بیان بھی کر رہے ہیں کہ نہیں، قاری اس جگہ پر خود کو محسوس کر بھی رہا ہے کہ نہیں۔ سنڈے ایکسپریس میں انٹرویو کے دوران اس رات کے حوالے سے آپ نے خیالات کا اظہار انہوں نے کچھ یوں کیا:

> "میں نے غارِ حرا میں ایک رات کے نام سے اسی تجربے کی روداد لکھی۔ مجھے اس ایک رات کی کیفیت بیان کرنے میں چھ ماہ لگے۔ اس کا مطلب ہے کہ چھ ماہ تک میں اسی سفر میں رہا۔ یہ سفر نامے کا ایک پلس پوائنٹ ہے"۔ (۳۸)

مصنف کو چونکہ اس رات کا شدت سے انتظار تھا اور یہ بات آپکے مناظر کے حوالے سے بیان کے دوران کھل کر سامنے آتی ہے کہ اس حوالے سے آپ کی تڑپ کس درجے اور نوعیت کی تھی اور قاری کو اس منظر میں جانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ غار حرا میں ایک رات قیام کے حوالے سے یہ اقتباس دیکھیے:

> "یقین کیجے وہ میرے لمحے عجب جمال کے تھے جب میں یکسر اکیلا وہاں بیٹھا ہوا تھا او روادی مکہ نیچے بچھی ہوئی روشن تھی۔ اپنی روشنیاں اوپر میرے چہرے کے لیے بھیجتی تھی۔ اُن کی لو سے میں محسوس کرتا تھا کے وہ میرے رخساروں کے مساموں میں جذب ہو رہی ہیں ڈر بھی برابر رخصت ہو گیا اور میرا پورا بدن تھکن سے بے نیاز ہوا راج ہنس کے ایک پر کی مانند ہلکا پھلکا ہو گیا کھل گیا"۔ (۳۹)

مصنف کا حج کے حوالے سے سفر بہت دلچسپ رہا کیونکہ اس میں آپ کو ہر طرح کے مناظر دیکھنے کو ملے، حاجیوں کی عقیدت خانہ کعبہ تک رسائی حاصل کر کے اُسے چومنا اور خوراک حاصل کرنے کے لیے لائنوں میں لگنا ایسے تمام مناظر تھے جنہیں مصنف نے سفر نامے منہ دل کعبہ شریف میں نہایت دلچسپ اور عقیدت بھرے انداز میں بیان کرنے سعی کی ہے۔ حج کی بھیڑ، افراتفری، ہجوم اور بے پناہ خلقت کا سامنا تو مصنف نے کرنا ہی تھا لیکن اسکے ساتھ ساتھ سب سے تنہا ہو جانا یہ مصنف کو پتہ نہ تھا یعنی ہر کوئی عبادت میں مگن ہو جائے گا اور کسی کو کسی سے کوئی سروکار نہیں رہے گا یہ منظر مصنف کے لیے انوکھا ہی تھا اس حوالے سے اپنے سفر نامے "منہ ول کعبہ شریف" میں لکھتے ہیں:

"میں نے ایک مٹی کی مانند۔۔ ایک ڈرامہ نگار کی حیثیت میں نہایت ٹھنڈے دل سے ۔۔ جذبات سے عاری ہو کر وسیع تنہائی کے منظر کو پرکھا اتنی بڑی سٹیج پر لاکھوں لوگ ایک ہی کردار میں ایک ہی لباس، میں کوئی کسی درخت سے ٹیک لگائے۔۔ کوئی دھوپ میں جلتا ہوا۔ اپنے علاوہ ہر وجود سے بے خبر۔۔ جھولی پھیلاتے اتنی ہی باتیں جانے کس کس سے چلا جارہا ہے"۔ (۴۰)

بحیثیت مجموعی اگر آپ کہ ان دونوں سفر ناموں میں منظر کشی کو دیکھا جائے تو ان میں حد درجے کی والہانہ محبت اور عقیدت اپنے تمام تر مناظر کے ساتھ جلوہ گری ہوتی ہے مصنف نے اس حوالے سے اپنے ادبی فنی محاسن کو نہایت خوش اسلوبی سے استعمال کیا ہے اور مناظر کو نہایت عمدہ طریقے سے قاری کہ سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔

ہ۔ قوت متخیلہ کا عمل:

قوت متخیلہ کو سمجھنے سے پہلے تخیل کو سمجھنا ضروری ہے تخیل عربی زبان کا لفظ ہے اور اسم مشتق ہے۔ اردو لغت میں اس کی یہ تعریف ملتی ہے۔

عربی زبان سے اسم مشتق ہے ثلاثی مزید فیہ کے باب تفعل سے مصدر ہے اردو میں بطور حاص مصدر متعمل ہے۔ اردو میں سب سے پہلے ۱۸۰۹ء کو شاہ کمال کے دیوان میں مستعمل ملتا ہے۔

"خیل-خیال- تخیل

اسم مجرد (مذکر-واحد)

جمع تَخَیُّلات

خیال کرنا، خیال میں لانا ,سوچ یا دھیان کی کیفیت" [۴۱]

تخیل کا مطلب ہے ایسی تصویر یا منظر ذہن میں تخلیق کرنا جو دیگر حواس خمسہ کی مدد سے مکمل طور پر سمجھ میں آنے والا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر یہ صلاحیت کم و بیش رکھی ہوئی ہوتی ہے۔ اس قوت کے ذریعے انسان اپنے دماغ میں ایک بالکل نئی اور انوکھی دُنیا آباد رکھنے پر قادر رہتا ہے اور زندگی میں پیش آنے والی کسی بھی صورت حال کو کسی نئی جہت سے سمجھنے اور پرکھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات اعلیٰ سطح کے تخلیقی کاموں کے پیچھے بھی اس قوت کا موثر استعمال دکھائی دے رہا ہوتا ہے۔ یہ قوت مایوسی اور دُکھ کی صورت حال میں بھی انسان کو ایک مضبوط سہارا فراہم کیے رکھتی ہے، کیونکہ اگر اس قوت کا بہتر استعمال کیا جائے تو حوادث کی رو میں بے ہنگم بہتے چلے جانے کی بجائے انسان مثبت سوچ کر خود کو مایوسی اور دُکھ سے نجات کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

کسی خاص تصویر یا صورت حال کو دماغ میں تصور کرنا اور اس عمل کو دہراتے رہنا ہمیں اس چیز یا صورت حال کے نئے پہلوؤں سے آشنا کر دیتا ہے۔ جیری کیلیز اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"آپ جو بننا چاہتے ہیں اسے لازماً تصور کیجیے نہ کہ وہ جو لوگ آپ کو بنانا چاہتے ہیں"۔ [۴۲]

قوت متخیلہ ایک ایسی قوت کا نام ہے کہ اس میں معلومات کا وسیع ذخیرہ جس میں تجربات اور مشاہدات پہلے سے موجود ہوتے ہیں اور یہ قوت انہیں مناسب اور متوازن ترتیب دے کر ایک نئی صورت بخش دیتی ہے۔ ونسٹن چرچل کے الفاظ میں:

"تم خود اپنی دنیا تخلیق کر سکتے ہو۔ تمہاری قوت متخیلہ جس قدر مضبوط ہو گی تمہاری دنیا اُس قدر خوش رنگ ہو گی۔ اور جب تم خواب دیکھنا چھوڑ دو گے تو تمہاری دنیا اپنا وجود کھو دے گی"۔ [۴۳]

تخیل بنیادی طور پر ایک رضاکارانہ سوچ کا نام ہے جسے باقاعدہ طور پر کوشش کر کے بنایا جاتا ہے۔ تخیل بلند پروازی کا کا دوسرا نام ہے۔ یہ تخیل ہی ہے جو مستقبل کو حال میں کھینچ لاتا ہے۔ اور پیش گوئی کے انداز میں مخصوص حالات و واقعات کو ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ فکر، تخیل اور اعلیٰ اندازِ بیان عطا کیا ہے۔ ان کے سفر نامے "منہ ول کیلئے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" میں حسن اپنے اعلیٰ درجے پر قائم دکھائی دیتا ہے۔ زندگی کے تجربات، مشاہدات، حوادث، حالات کوائف اور فنی رکھ رکھاؤ کے ساتھ فکر انگیز اور مدبرانہ انداز آپ کے مذہبی سفر ناموں کو مزید خوبصورت بناتا ہے۔ ان سفر ناموں میں بعض اوقات آپ کا تخیل مثبت انداز میں کام کرتے ہوئے خواب دیکھنے لگتا ہے۔ آپ کی ان دونوں تحریروں میں تخیلاتی تصویریں آنکھوں کے سامنے چلتی پھرتی محسوس ہونے لگتی ہیں کسی بھی سفر نامہ نگار کا اپنی سوچ کا اظہار کرنا اس کی سب سے بڑی کمائی ہے اور یہ ہنر مستنصر حسین تارڑ کو خوب آتا ہے اور آپ کے سفر ناموں کو کامیاب بنانے میں اس تکنیک کا خاصا عمل دخل ہے۔ "غارِ حرا میں ایک رات" کے حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

> "میں بہت احتیاط سے ذرا پہلو بدلتا۔ ذرا حرکت کرتا اور یوں وہ پاؤں اور ہتھیلیوں کے عکس بھی میرے بدن پر اپنی جگہ بدلتے۔ میرے حرکت کرنے سے وہ ذرا آگے پیچھے ہوتے۔ تو مجھے لگتا کہ حضور ﷺ میرے وجود پر چلتے ہیں۔ ان کے پاؤں میرے بدن پر چلتے ہیں۔ ان کی ہتھیلیاں حرکت کرتی ہیں اور مجھے ڈھارس دیتی ہیں۔ تو حضور ﷺ میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں کہ تم نے غم نہیں کرنا، حوصلہ رکھنا ہے اس حیات۔۔ میں تمہارے ساتھ ہوں"۔ [۴۴]

مندرجہ بالا اقتباس میں مصنف کی قوت متخیلہ اپنے تمام تر زاویوں کے ساتھ اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے وہ کس طرح سے ایک غار میں رات قیام کے دوران حضور ﷺ کو وہاں محسوس کر رہے ہیں اور تخیل کو اعلیٰ سطح پر رکھتے ہوئے اس کا اظہار بھی کر رہے ہیں یہ فن اور خوبی کسی کسی مصنف کی دسترس میں آتی ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کی قوت متخیلہ انہیں دوسرے لکھنے والوں سے ایک الگ درجہ اور مقام دلاتی ہے۔ تخیل کی مدد سے مصنف نے اپنے خیالات کو نازک اور لطیف پہلوؤں میں تراشا ہے وہ اپنے خیالات میں حضور ﷺ کو وہاں محسوس کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "میں یہاں اس سرنگ کے دہانے پر راکھی کرتا دیکھتا۔ دیکھتا کہ دامن میں سے ایک مضبوط بدن کا کوہِ پیما تہمت والا اپنے کاندھوں پر کھانے پینے کا کچھ سامان اٹھائے ایک تھیلے میں۔۔ اور اس تھیلے کے نیچے اس کے شانے ہیں اور ایک مہر ہے۔۔ وہ چڑھتا چلا آتا ہے اور بہت کم سانس درست کرنے کے لیے رکتا ہے"۔ [۴۵]

"منہ ول کعبے شریف" سفر نامہ حج ہے اس میں مصنف نے بہت سی مقدس مقامات کو بھی تلاش کیا ہے اور باقاعدہ طور پر سفر اختیار کیے ہیں۔ آپ نے طائف کے اس مقام تک بھی سفر کیا جہاں حضور ﷺ پر پتھر برسائے گئے تھے اور اس کے پہلو میں جہاں ایک پہاڑ تھا آپ اس پہاڑ پر بھی چڑھے اور حضور ﷺ کے کھڑے ہونے کے مقام کو اپنی قوت متخیلہ کی آنکھ سے دیکھنے میں مصروف ہو گئے۔ یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

> "کھوہ کے قریب تھا تو یہ کھوہ بھی یقیناً تب بھی موجود تھی جب حضور ﷺ یہیں کہیں کھڑے ہو کر کہتے تھے کہ اے لوگو سنو! اور لوگ سنتے نہ تھے۔ ٹھٹھہ مخول کرتے تھے انہیں پتھر مارتے تھے۔ تو کیا یہ ممکن ہے۔ کہ حضور ﷺ نے ان سے بچنے کی خاطر اس کھوہ میں پناہ لی ہو۔ پناہ نہ بھی لی ہو تو ان کی نظر اس کھوہ تک گئی تو ہو گی۔ جیسے میری نظر اس کھوہ تک جاتی تھی"۔ (۴۶)

سفر حج کے دوران مزدلفہ کی رات سے بڑھ کر کیف آور اور کوئی رات نہیں ہوتی۔ مصنف اس رات کو اپنی تخیلاتی آنکھ سے دیکھ کر بہت پر سکون محسوس ہوتے ہیں۔ یہ رات خاموش رہ کر سوچنے کی رات ہے۔ اس رات میں انسان اللہ کے حکم سے تاریکی میں داخل ہوتا ہے اور روشنی ہونے سے پیشتر ہی کوچ کر جاتا ہے۔ مصنف کو اس رات میں عجیب عجیب خیال آتے رہے اور اپنے ان خیالات کا اظہار وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "ستارے اتنے روشن نہ تھے جتنے اندھیری راتوں میں ہوا کرتے ہیں لیکن قریب آتے۔۔ اترتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔۔ ان میں سے کچھ میرے احرام کی چادر پر ٹانکے جاتے تھے اور وہ ایک مکیش بھرے دوپٹے کی مانند چمکتی تھی۔۔ اگرچہ یہ میرا وہم میرا خیال تھا۔ ایسا ہو تو نہیں رہا تھا لیکن لگتا تھا کہ ایسا ہو رہا ہے۔۔" (۴۷)

تخیل چونکہ بلند پروازی کا دوسرا نام ہے۔ یہ تحریر کو اس بلندی تک لے جاتا ہے جہاں پر مصنف اس کو اپنی تخیل کی آنکھ سے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ انسان کی سوچ کو وسیع کرتا چلا جاتا ہے اور سفر نامہ نگار جب اس کا استعمال اپنے سفر نامے میں کرتا ہے تو قاری خود کو اس مقام پر چلتا پھرتا، اٹھتا، بیٹھتا، دیکھتا محسوس کرنے لگتا ہے اور مستنصر حسین تارڑ کے ہاں ہمیں یہ کارگری اپنے عروج پر نظر آتی ہے انہوں نے تقریباً ہر منظر کو اپنی تخیل کی آنکھ سے دیکھ کر مزید رونق بخشی ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کی یہ کارگری ان کے سفر ناموں کو ایک بھرپور جان بخشنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

اپنے سفر نامے "منہ ول کعبے شریف" میں مصنف نے حضور ﷺ کی اونٹنی قصویٰ کا ذکر نہایت عقیدت واحترام کے ساتھ کیا ہے۔ حضور ﷺ اپنے آخری خطبہ حج کے لیے اسی قصویٰ پر سوار ہو کر میدان عرفات گئے تھے۔ تو قصویٰ جن راستوں پر چل کر میدان عرفات پہنچی تھی ان راستوں کے حوالے سے مصنف کی قوت متخیلہ اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ اس حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

"اور مجھے ایک عجیب سا خیال آیا۔ بے شک لاکھوں کا ہجوم ہے۔ میں تنہا نہیں ہوں لیکن کیا بعید کہ جہاں میں چلتا ہوں یہاں قصویٰ کی کچھ مینگنیاں گری ہوں جن پر میں چلتا ہوں تو میں احتیاط کرنے لگا۔ مبادا میرا پاؤں ان پر آجائے وہ اگرچہ یہاں نہیں تھیں لیکن شاید کبھی تھیں"۔ (۴۸)

مندرجہ بالا اقتباس میں مصنف کی قوت متخیلہ اور حضور ﷺ کی اونٹنی قصویٰ کے حوالے سے احترام وعقیدت بے مثال ہے وہ اس حد تک احترام کر رہے ہیں کہ کہیں ان کا پاؤں قصویٰ کی مینگنیوں پر نہ آجائے اور وہ بے احتیاطی میں اوپر سے نہ گزر جائیں۔ یہ مصنف کی مضبوط قوت متخیلہ ہی ہے جو انہیں یہ سب سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

"مستنصر حسین تارڑ پر پہنچ کر اردو سفر نامے کا ارتقاء ایک نئی سمت اختیار کر گیا ہے اور یہ کہنا درست ہے کہ متخیلہ کی آمیزش سے سفر نامہ اب ایک نئے دور میں داخل ہو گیا ہے اور اس کی کھڑکی مصنف کے داخل میں بھی کھل گئی ہے"۔ (۴۹)

بحیثیت مجموعی اگر مستنصر حسین تارڑ کے ان دو مذہبی سفر ناموں "منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" کو دیکھا جائے تو ان میں مصنف کی قوت متخیلہ اپنی تمام تر بلند پروازیوں پر نظر آتی ہے۔ مصنف نے اپنی آنکھ سے وہ کچھ دیکھنے کی سعی کی ہے جس کا عام حالات میں تصور کرنا مشکل ہے لیکن چونکہ مصنف کی قوت متخیلہ اپنے اندر ایک بلند پرواز رکھتی ہے اس لیے یہ عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ مقدس مقامات کی زیارات اور وہاں پر حضور ﷺ کی موجودگی کا احساس قاری کے اندر بھی یہ جذبہ پیدا کرتا ہے کہ وہ بھی وہاں جائے اور خود کی آنکھ سے یہ سب کچھ دیکھے اور محسوس کرے کسی بھی اچھے سفر نامہ نگار کی اولین خوبی ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے قاری کو اس انداز میں سیر کرائے کہ اس کا تخیل قاری کے دماغ پر ایک سحر بن کر اثر کرنے لگے اور وہ بھی وہ ہی کچھ محسوس کرنے لگے جو مصنف محسوس کرتا اور سوچتا ہے۔

و۔ کہانی پن:

کہانی پن کو سمجھنے سے پہلے یہاں پر امر ضروری ہے کہ کہانی کیا ہے اس کو پہلے سمجھا جائے۔ ”اردو لغت (تاریخی اصول پر) کے مطابق ”کہانی“

1. ”(ادب) قصہ، افسانہ، داستان، حکایت
2. زندگی کا کوئی واقعہ یا واقعات، سرگزشت، بیتی ہوئی بات، حال احوال
3. پرانی بات، من گھڑت بات، بے بنیاد واقعہ۔
4. (مجاز) قصہ کہانی، غیر ضروری بات، بیکار بات، بہلاوا
5. خواب و خیال، موہوم بات، کالعدم بات
6. طویل بات، داستان“ (۵۰)

اردو میں قصہ گوئی یا کہانی کہنے کی روایت بہت ہی قدیم ہے۔ عہد قدیم میں قصے، کہانیاں اور داستانوں کا رواج بہت عام تھا۔ کہانی کا بنیادی مقصد قصے میں دلچسپی کے عنصر کو برقرار رکھنا ہوتا ہے یعنی اس کے ذریعے سے قاری بوریت کا شکار نہیں ہوتا۔

کہانی پن کیا ہے؟

اردو ادب میں اگر اس کی تعریف کی جائے تو اس سے مراد کسی بھی تحریر میں کہانی کی خصوصیات کا ہونا اور ایک خاص قسم کا افسانویت والا انداز ہے۔ سفر نامے کو بھی اگر کہانی کی صورت میں بیان کیا جائے تو اس کا سب سے بڑا فائدہ قاری کو اپنے ساتھ جوڑے رکھنے کا ہوتا ہے۔ لیکن یہ فن بھی کسی کسی سفر نامہ نگار کو آتا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ چونکہ ایک اچھے ناول نگار بھی ہیں اس وجہ سے ان کے سفر ناموں میں بھی ہمیں ناول کے عناصر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان کے مذہبی سفر ناموں ”منہ ول کعبے شریف“ اور ”غارِ حرا میں ایک رات“ میں کہانی پن کی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو کہ سفر نامے کو مزید مؤثر بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ”منہ ول کعبے شریف“ میں سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

> ”ہماری سمجھ میں نہ آیا کہ ہم نے کیا کرنا ہے۔ دبکے بیٹھے رہے سپیڈ نہ دکھائی اور اس دوران دو تین نوخیز سپاہی اگلی بس کو زودوکوب کر کے اسے چلے جانے پر مجبور کرنے کے بعد نہایت غصیلی خصلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمارے ساکت شدہ کوسٹر کی

طرف لپکتے ہوئے آئے۔ ہمیں تو نہیں کہ ہم تو ابھی تک اندر دبکے بیٹھے تھے البتہ کوسٹر کی باڈی کو ڈنڈوں سے خوب پیٹا"۔ (۵۱)

سفر نامے کو اگر کہانی کے انداز میں لکھا جائے تو پڑھنے والے کا دھیان آگے پیچھے نہیں جاتا اسے ہر لمحہ بس یہ ہی انتظار ہوتا ہے کہ آگے کیا ہونے والا ہے اور اب سفر نامے میں مزید کیا کچھ ہونا باقی ہے اگر سفر نامے کو سیدھے سادھے اور سپاٹ انداز میں بیان کیا جائے یعنی اس میں بالکل بھی دلچسپی کو شامل حال نہ کیا جائے تو قاری پھر ایسے سفر نامے سے آخر کیونکر لطف اندوز ہو گا۔ مستنصر حسین تارڑ کا شمار ایسے سفر نامہ نگاروں میں ہوتا ہے جو قاری کے اوپر اپنی پوری گرفت رکھتے ہیں اسے ایک لمحے کے لیے بھی ادھر ادھر بھٹکنے نہیں دیتے بلکہ سفر نامے کو قاری کے ہوش وہو اس پر ایسا سوار کرتے ہیں کہ قاری کو خود بھی سمجھ نہیں آتا کہ اس کے ساتھ آخر ہو کیا رہا ہے۔ یہ سارا کمال سفر نامہ نگار کے فن کا ہوتا ہے اور مستنصر حسین تارڑ اس فن سے بخوبی واقف ہیں۔ "غارِ حرا میں ایک رات" میں سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

"تبتی کھیس کا رنگین دھاریوں والا تھیلا تکیے کا کام دے رہا تھا اور میرے سر کو بقیہ بدن سے صرف اتنا اونچا رکھا تھا کہ میں اطمینان سے اگر صحن کو دیکھتا ہوں تو مسلسل دیکھتا رہوں "۔ (۵۲)

کرنل محمد خان مستنصر حسین تارڑ کے سفر ناموں پر تبصرہ کرتے ہوئے کچھ اس طرح رائے دیتے ہیں۔

"اس آوارہ گردی میں جو مقامات اور شخصیات مستنصر حسین تارڑ کے مشاہدے میں آتی ہیں وہ اتنی غیر معمولی نہیں ہوتیں کہ اس کی روداد کو امتیاز بخشیں۔ جو چیز اس کی تحریر کو پر کشش اور لازوال بناتی ہے وہ اس کا خوبصورت انداز بیان ہے بعض حصے تو اس قدر چلبلے اور شگفتہ ہیں کہ یہ شخص اگر سارا سفر نامہ اسی انداز میں لکھتا تو ہمارا مزاح کا کاروبار ٹھپ ہو جاتا۔ دعا ہے کہ مستنصر حسین تارڑ بکثرت "شالا پر دیسی تھیوے" تاکہ اردو ادب میں حسین و جمیل سفر ناموں کا اضافہ ہوتا رہے۔ یہ دنیا مستنصر حسین تارڑ جیسے لوگوں ہی کے دم سے حسین ہے وہ ملک وہ شہر کس کام کا جہاں کم از کم ایک مستنصر حسین تارڑ نہ ہو۔ ویراں شود ان شہر کے مے خانہ ندارد" (۵۳)

"غارِ حرا میں ایک رات" میں مصنف نے جا بجا کہانی پن سے کام لیا ہے لیکن "منہ ول کعبے شریف" میں بہت کم مقامات پر کہانی پن دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس میں وہ شدت نہیں ہے جو "غار حرا میں ایک رات" میں پائی جاتی ہے "منہ ول کعبے شریف" آپکا سفر نامہ حج ہے اور حج کے حوالے سے مصنف کی لگن و تڑپ اس قدر زیادہ نہیں ہے جتنی "غارِ حرا میں ایک رات" قیام میں پائی جاتی ہے۔

رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے روضے کی زیارت کے دوران یوں تو ہر انسان کی محبت و عقیدت اپنے حد درجے پر ہوتی ہے لیکن "منہ ول کعبے شریف" میں مصنف کی یہ محبت و عقیدت کہانی پن کی راہ پر چلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے یہ اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

> "اگرچہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دربار پر۔۔ اس کے در پر۔۔ ہزاروں لوگ دستک دے رہے تھے لیکن میں خوب جانتا تھا کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہر پلک کی دستک کو الگ الگ پہچانتے ہیں۔ ان پلکوں میں اگرچہ میری پلکیں گناہوں کے بوجھ سے بھاری تھیں عمر رسیدہ اور جھڑنے کو آ گئی تھیں اور ان میں زور سے دستک دینے کی سکت نہ تھی لیکن میں خوب جانتا تھا کہ وہ پہچان رہے ہیں کہ یہ مستنصر حسین تارڑ کی پلکیں ہی ہیں جو دستک دیتی ہیں"۔ (۵۴)

رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذات اقدس سے عشق تو ہر مسلمان کو ہے اور مصنف بھی حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے بے حد والہانہ محبت اور عقیدت رکھتے ہیں لیکن بعض اوقات یہ محبت کہانی پن کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ مصنف نے بعض مناظرے کے بیان میں حد سے زیادہ کہانی پن سے کام لیا ہے اور جذبات و احساسات کو کہانی پن میں لپیٹ کر اپنے قاری کے سامنے پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ یہ کہانی پن تحریر کی آرائش و زیبائش میں تو شاید اضافے کا باعث بن سکتی ہے۔ لیکن قاری کے دل پر وہ اثر کرنے سے قاصر رہتی ہے جس کا قاری تمنائی ہوتا ہے۔ "غارِ حرا میں ایک رات" کے حوالے سے یہ اقتباس دیکھیے:

> "تو میں اس نقش پر۔۔ ہاتھ رکھتا تھا اور وہ میرا ہاتھ تھام لیتے تھے یہ احساس ہوتا تھا۔۔ اور ان کے اور میرے درمیان جو کروڑہا نقش تھے وہ فنا میں جا چکے تھے جیسے میرے اس نقش نے بھی مٹ جانا تھا۔ لیکن مٹ جانے سے پیشتر بابا کی ہتھیلی کی گرمی جو اس پتھر میں دمکتی تھی اسے محسوس کرنا تھا اور اس کے بعد اگر مٹ جانا تھا تو کیا غم۔۔ اس

گرمی نے تو روز حشر تک ساتھ دینا تھا۔ آتش دوزخ سے میری سفارش کرنی تھی کہ تو
اس پر اثر نہ کر۔۔اس پر میرا اثر ہو چکا ہے"۔ (۵۵)

مستنصر حسین تارڑ جب غارِ حرا میں رات قیام کی غرض سے غار میں پہنچتے ہیں تو پہلے پہل تو انہیں کسی بھی قسم کی کیفیت کا سامنا نہیں ہوتا۔ وہ انتہائی پر سکون حالت میں تھے۔ گہرا اطمینان اور مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر قائم تھے۔ لیکن اچانک انہیں وحشت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ اقتباس دیکھیے:

"شاید مجھ سے یہ توقع وابستہ کر لی جائے کہ اب میں اس الوحی کیفیت کو بیان کروں گا
جو مجھ پر مقام اقراء میں جو میرے حضور کا بسیرا تھا۔۔ آس پاس کے پتھروں میں ان
کے لمس کی حدت تھی وہاں مجھ پر طاری ہو گی۔ ایسا ہر گز نہ ہوا اس لیے میں کیسے بیان
کروں"۔ (۵۶)

کچھ وقت گزرنے کے بعد مصنف کی کیفیت بالکل جدا محسوس ہونے لگتی ہے اور سفر نامہ پڑھتے ہوئے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے مصنف ایک دم سے اپنے قاری کو تجسس میں ڈالنا چاہتے ہیں کیونکہ کیفیات کا یہ اچانک بدلاؤ ایک حیرت انگیز تبدیلی کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اور پھر تحریر میں جابجا کہانی پن دیکھنے کو آتی ہے۔ "غارِ حرا میں ایک رات" کے حوالے سے یہ اقتباس دیکھیے:

"یقین کیجیے کہ وہ لمحے عجب جمال کے تھے جب میں یکسر اکیلا وہاں بیٹھا ہوا تھا اور وادی
مکہ نیچے بچھی ہوئی روشن تھی۔۔ اپنی روشنیاں اوپر میرے چہرے کے لیے بھیجتی
تھی۔۔ ان کی لو سے میں محسوس کر سکتا تھا کہ وہ میرے رخساروں کے مساموں میں
جذب ہو رہی ہیں۔۔ ڈر بھی سراسر رخصت ہو گیا اور میرا پورا بدن تھکن سے بے نیاز
ہوا"۔ (۵۷)

مصنف نے ہر واقعے کو چھوٹی چھوٹی جزئیات کے ساتھ بیان کر کے اس میں کہانی پن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ کہانی پن سفر نامے کو مزید نکھارتا ہے۔ سفر کے تجربات کو حسین اور دل کش انداز میں ادبی چاشنی کے امتزاج سے پیش کرنا ایک باکمال سفر نامہ نگار کا امتیازی وصف سمجھا جاتا ہے اور یہ وصف مستنصر حسین تارڑ میں خوب پایا جاتا ہے جس انداز اور خوبصورتی کے ساتھ وہ قاری کو سفر کی داستان سناتے چلے جاتے ہیں قاری خود کو اس سفر میں شاملِ حال تصور کرنے لگتا ہے۔ کہانی کا یہ انداز نہ بوریت کا شکار ہونے دیتا ہے اور نہ قاری کا دھیان کہیں اور جانے دیتا ہے۔

مصنف کا اندازِ بیان سفر کی تیاریاں، دوران سفر درپیش آنے والے مسائل، مسافرت کا نشیب و فراز اور مصنف کا صبر و تحمل، تحریر میں کہانی پن کا عنصر سفر نامے کو جام جہاں نام بنا دیتے ہیں۔ "منہ ول کعبے شریف" میں سے یہ اقتباس دیکھیے:

> "روضہ رسول ﷺ سے وصال کی جو ساعت قریب آتی ہے۔ وہاں کا موسم جو نہی پیاسے بدن پر ہولے سے بادِ نسیم کے ایک جھونکے کی مانند۔۔ اسے چھوتا۔۔ تو اس کی خوشگواری اور کیف ایسے مست کرتے ہیں کہ سر تو جھکے ہوتے ہیں۔ کندھے بھی جھک جاتے ہیں۔ جتنا جھکا جاسکتا ہے اتنا ایک انسان جھکا جاتا ہے"۔ (۵۸)

مستنصر حسین تارڑ حسین کی عادت ہے کہ وہ رودادِ سفر بیان کرتے ہوئے قدرے تفصیل میں چلے جاتے ہیں اس کا اندازہ انہیں خود بھی نہیں ہوتا وہ اتنا کھو کر قاری کے ساتھ محو گفتگو ہوتے ہیں کہ انہیں اس بات کا اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ سفر نامہ کب طول پکڑتا جا رہا ہے۔ ہر واقعے کو اس کی تمام تر جزئیات کے ساتھ بیان کرنا اور حق گوئی کو بھی ساتھ میں شامل حال رکھنا ہر مصنف کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ "غار حرا میں ایک رات" میں مصنف اپنی قصہ گوئی اور کہانی کہنے کی عادت سے کچھ پریشان دکھائی دیئے۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

> "میں یہاں اس بیان میں اپنی قصہ گوئی کی علت اور کہانی کہنے کی عادت کو جہاں تک ممکن ہے۔ میرے بس میں ہے۔۔ بروئے کار لانے سے نہ صرف اجتناب اور گریز کر رہا ہوں۔۔ بلکہ مبالغے سے بھی حتی الامکان قطع تعلق کرتا ہوں اور اس شب کو ممکنہ مکالموں اور بے جا تقدس میں ڈوب کر وہاں تک نہیں لے جاتا جہاں تک وہ نہیں تھی۔۔ اپنی خصلت اور فطرت پر جہاں تک ایک مٹی کے انسان کے لیے ممکن ہے قابو پا کر مکمل ایمانداری سے اس رات کو جوں کا توں بیان کرنے کی سعی کر رہا ہوں اور اس کے باوجود کہیں میں جذبات میں بہہ جاتا ہوں۔ بھول جاتا ہوں تو اسے درگزر کرنا آپ کے اختیار میں ہے"۔ (۵۹)

مندرجہ بالا اقتباس کو اگر دیکھا جائے تو اس میں مصنف نے خود اقرار کیا ہے کہ ان کی عادت ہے کہانی کے انداز میں سفر نامے کو آگے بڑھانے کی اور بعض اوقات چونکہ یہ انداز سفر نامے کو طویل سے طویل تر کرتا چلا جاتا ہے اور قاری بھی بوریت کا شکار ہونے لگتا ہے کہ بار بار ایک ہی چیز کو کیوں اتنا لمبا کر کے بیان کیا

جارہا ہے۔ مصنف اس حوالے سے اپنا جو مقصد بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ قاری تک تمام معلومات بہم پہنچانا بہت حد تک یہ بات درست بھی ہے بس اس میں مصنف کو یہ خیال رکھنا چاہیے کہ زیادہ تفصیل نہ ہو۔

بحیثیت مجموعی اگر مستنصر حسین تارڑ کی تحریر "منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" میں کہانی پن کے انداز کو دیکھا جائے تو یہ قدرے واضح اور صاف دکھائی دیتا ہے یہ یہاں ہر دو طرح کا کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے بعض جگہوں پر تو اس کی مدد سے سفر نامہ مزید دلچسپی اور حیرت انگیزی کے انداز میں آگے بڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور قاری اپنی پوری دلجمعی کے ساتھ تحریر کو پڑھتا اور خود کو اس سفر میں مصنف کے ساتھ شامل حال سمجھتا ہے لیکن بعض اوقات قاری اکتاہٹ کا شکار بھی نظر آتا ہے ایسا تب ہوتا ہے جب کہانی کے انداز میں مبالغہ آرائی کا عنصر شامل ہونے لگتا ہے اور یہ مبالغہ آرائی قاری کے دل و دماغ پر ناگوار گزرتی ہے اور وہ دلچسپی کھونا شروع کرتا ہے لیکن مستنصر حسین تارڑ کو اپنی تحریروں میں یہ ملکہ بھی حاصل ہے کہ وہ فوراً اپنا انداز بدل لیتے ہیں یعنی جہاں انہیں محسوس ہوتا ہے کہ تفصیل قدرے زیادہ اور تحریر بے وجہ طول پکڑتی جارہی ہے وہ اسے فوراً دوسری ڈگر پر ڈال کر کہانی کو دوبارہ اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں اور یہ ہی اچھے سفر نامہ نگار کا ایک بہت بڑا ادبی وصف ہے۔

ز۔ طنز و مزاح:

طنز و مزاح غیر افسانوی نثر کی اہم ترین صنف ہے اس صنف کا مقصد معاشرتی رویوں، رجحانات و میلانات، جذبات و احساسات کو طنزیہ و مزاحیہ طریقے سے پیش کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ طنز و مزاح دو مختلف معنی و مفہوم رکھنے والے الفاظ ہیں۔ مزاح میں خوشگواریت، ظرافت، مضحکہ خیزی اور مسکراہٹ جبکہ طنز میں ناگواریت، تضحیک اور تحقیر وغیرہ کے معنی و مفہوم پنہاں ہیں۔ اگرچہ یہ دونوں الفاظ الگ الگ مفاہیم رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود طنز و مزاح باہم مربوط ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طنز کسی بھی خاص موضوعِ تحریر کی تاثیر میں شدت پیدا کرتا ہے تو مزاح تحریر میں طنز کی کاٹ اور شدت کو توازن عطا کرتا ہے۔ شان الحق حقی "فرہنگ تلفظ" میں یوں رقمطراز ہیں:

"مزاح ظرافت، ہنسانے والی بات، خوش طبعی، مذاق، ٹھٹھول" [۶۰]

اردو انگریزی لغت کے مطابق مزاح:

Jest, Joke, Fun, Frivolity. (۶۱)

لسان العرب میں مزاح کی تعریف درج ذیل ہے:

"مزاح ایسی ہنسی یا کشادگی طبع کا نام ہے جس میں وقار اور متانت کے پہلو کو نظر انداز نہ کیا جائے اور یہ کہ اس کا مقصد ایسی خوش خلقی اور فرحت قلب ہے جو خیر اور تلفظ پر مبنی ہو، نہ کہ اس کا مقصد اذیت پہنچانا یا کسی کی تحقیر و تذلیل کرنا ہو"۔ (۶۲)

مزاح کے ذریعے مصنف اپنے تخیل کا سہارا لیتے ہوئے ایسے حالات پیدا کرتا چلا جاتا ہے کہ قاری حقائق جاننے کے ساتھ ساتھ لطف اندوز ہوئے بنا بھی نہیں رہ سکتا۔ بنیادی طور پر مزاح انسانی جبلت اور اس کی شعوری اور لاشعوری اعمال سے وابستہ ہے۔ مزاح چہرے پر مسکراہٹ اور انسانی طبیعت کو خوشگواریت فراہم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مزاح کے ذریعے سے مصنف زندگی کی ناہمواریوں اور تضادات کو بہتر انداز میں پیش کر دیتا ہے۔ بات کو قاری تک پہنچانے کے لیے مزاح کا انداز اپنے اندر ایک فنکارانہ اظہار رکھتا ہے۔

طنز کیا ہے؟

"طنز" عربی زبان کا لفظ ہے۔ بات کو طعنے، تمسخر اور رمزیہ انداز میں کہنا "طنز" کہلاتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی طنز کی تعریف "انگریزی اردو لغت" میں ان الفاظ میں کی ہے:

"طنز، ہجو، ہجویہ نظم یا تصنیف، برائی، حماقت وغیرہ کو فاش کرنے، اس کی مذمت اور تحقیر کرنے کے لیے رمز، طنز، استہزاء کا استعمال نظم و نثر کا ایک ادبی اسلوب جس سے برائیوں ناروائیوں اور حماقتوں کے تنفیر، تحقیر اور تضحیک کی جاتی ہے وہ ادبی صنف جو ایسی تحریروں پر مشتمل ہوتی ہے"۔ (۶۳)

ہم زندگی کے ناسوروں اور ناہمواریوں کو دیکھ دیکھ کر اتنے بیزار اور اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ جب تک انہیں ہمارے سامنے طنزیہ انداز میں پیش نہ کیا جائے ہماری توجہ اس طرف جاتی ہی نہیں ہے۔ مصنف اپنے فن کے ذریعے سے زندگی کی ناہمواریوں کو اس انداز سے بیان کرتا ہے کہ اس طرف انسان کا دھیان بھی چلا جاتا ہے اور بات بھی بری نہیں لگتی۔

مختصراً یہ کہ طنز و مزاح بیک وقت دو متضاد معنی و مفہوم رکھنے کے باوجود ایک دوسرے کے لازم و ملزوم بھی ہیں۔ طنز کرنا اگر فن کی ضرورت ہے تو مزاح طنز کا لازمی جزو ہے۔ اس صنفِ ادب کے ذریعے سے معاشرتی بے اعتدالیوں اور ماحول کی ناہمواریوں کی اصلاح کا کام لیا جاتا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ ایک ایسے سفر نامہ نگار ہیں جن کے مخصوص انداز بیان اور مزاح کے عنصر نے ان کے سفر ناموں کو ادبیت اور ابدیت دونوں عطا کی ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے مزاح کا مواد مختلف واقعات و حالات اور شخصیات کی حرکات و سکنات کے تقابل و موازنے سے حاصل کرتے ہیں۔ وہ انتہائی سادہ اور معمولی واقعات سے بھی مزاح پیدا کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ ''غارِ حرا میں ایک رات'' کے حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

''امانت نے جب دیکھا کہ میں نے رخت سفر کمر پر باندھ لیا ہے اور اس سے کچھ لاتعلق سا ہو گیا ہوں اور ہاتھ ملا کر اسے شکریہ ادا کرنے کے بعد خدا حافظ کہتا ہوں تو اس نے کار کے بانٹ کے ساتھ ٹیک لگا کر ان ڈرائیوروں کے اطمینان کے ساتھ جن کی بیگمیں انہیں شاپنگ مال میں ایک طویل عرصے کے لیے ترک کر رہی ہوتی ہیں اور وہ انتظار کی کوفت مٹانے کے لیے ایک سگریٹ سلگا لیتے ہیں اس نے بھی ایک سگریٹ سلگا لیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ بیگم کچھ بے ایمان ہے۔ ہو سکتا ہے واپس ہی نہ آئے''۔ (۶۴)

مصنف اکثر سنجیدہ ترین صورتحال اور مسائل کے بیان میں مزاح اور ظرافت کی ہلکی سی پھلجھڑی چھوڑ دیتے ہیں اور قاری دیر تک جملوں پر ہنستا رہتا ہے۔ ان کے طرزِ بیان میں ایک طرف ان کے جملوں کی برجستگی و بے ساختگی ہے اور دوسری شگفتگی اور تازگی بھی۔ ''منہ ول کعبے شریف'' میں حج کے دوران چونکہ مختلف آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے تاکہ مناسکِ حج کو اچھے انداز میں ادا کیا جا سکے۔ یہ تمام فرائض انسان اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ادا کرتا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ جب دن کے اجالے میں میدان عرفات پہنچے تو انہیں میدان عرفات میں ایک سفید پوش پہاڑی دکھائی دینے لگی ایسی سفیدی جیسا کہ برف اس حوالے سے وہ اپنے بیٹے سلجوق سے ہم کلام ہوئے ان مکالموں کے ذریعے آپ نے مزاح پیدا کرنے کی بہترین کوشش کی ہے۔

''کمانڈر۔۔ یہ کونسی پہاڑی ہے؟

یہ جبل رحمت ہے ابا جی۔۔۔"

"لیکن اس صحرا میں اس مختصر سی پہاڑی پر برف تو نہیں گرتی ناں میں نے جان بوجھ کر یملا بن کر جوگی کو چھیڑا" تو پھر یہ اتنی سفید کیوں ہے؟ ابا میں نے آپ سے کہا تھا کہ دور کی عینک ساتھ لے کر آئیں" "یہ خلق خدا ہے ابا۔۔ جبل رحمت پر ہے اور اس کے سفید احرام اسے ڈھانپے ہوئے ہیں۔ برف نہیں ہے"۔ (۶۵)

مصنف کے یہاں معلومات فراہم کرنے کا انداز نمایاں ہے تاہم یہ انداز طنز و مزاح، لطافت اور شگفتگی سے مربوط ہے۔ تحریر میں کہیں بھی بوریت اور سپاٹ پن نظر نہیں آتا۔ اس فطری لطافت اور مزاح نے ان کے سفر ناموں میں دلچسپی کے عنصر کو بڑھایا ہے۔ مزاح کے ساتھ ساتھ وہ طنز و تعریض سے بھی کام لیتے ہیں اور مزاح کے پردے میں کئی سنجیدہ باتیں بھی کہہ ڈالتے ہیں۔ وہ انسانی معاملات کے باریک سے باریک جذبے کا بغور مشاہدہ کرتے ہیں اور ان جذبات کو نہایت شگفتگی سے بیان کر دیتے ہیں۔ "منہ ول کعبے شریف" میں سعودی پہناوے کے حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

"اور تہلیہ کے شیشے کی شوکیسوں میں بغیر سر کے بقیہ بدن کی اشتعال انگیزی کے ساتھ وہ بت کھڑے ہیں۔۔ جن کے صرف بدن تھے۔ سر نہیں تھے۔ یہ سعودی عورت کی بھرپور نمائندگی کرتے تھے۔ ایک مستند روایت کے مطابق یہ عرب خواتین کے محبوب پہناوے ہیں اور پرائیویٹ پارٹیوں میں حجاب کی بجائے فیشن گھروں کے یہ ہی خصوصی لباس ہوتے ہیں اور بے حجاب ہوتے ہیں"۔ (۶۶)

مصنف کو یہ کمال حاصل ہے کہ ان کی گہری نگاہ انسانی معاملات، جذبات و احساسات کو آسانی سے دیکھ سکتی ہے اور وہ اپنے معاملات و مسائل کو اعلیٰ درجے کے پروقار مزاح کی صورت میں بیان کر دیتے ہیں۔ ان کی ظرافت میں انتہائی خوشگوار سا طنز بھی چھپا ہے جس میں ناگواریت کا شائبہ بھی نہیں آتا۔ مصنف کا مشاہدہ اور مطالعہ بہت گہرا ہے اور وہ ہر شے کے مضحک پہلو کو پوری مہارت سے دیکھنے کی صلاحیت اور اہلیت رکھتے ہیں۔ طنز کے ضمن میں یہ عبارت دیکھیے:

"البتہ دوسرے چھوٹے شیطان کو کنکریاں مارتے ہوئے میں نے یہ محسوس کیا کہ اس کے چہرے پر ایک شیطانی مسکراہٹ ہے۔۔ "تم مجھے اور ہمارے ابا جی کو ہزاروں برسوں سے کنکریاں مار رہے ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ تم ہمیں ابھی تک ہلاک نہیں

کر سکے تو آج کیا کرو گے۔ تم موجود نہیں رہو گے لیکن ہم موجود رہیں گے۔ اب اس
شیطان کی یاوہ گوئی پر کیا کان دھرتا۔۔اور وہ بھی بچہ شیطان۔۔۔" (٦٧)

مستنصر حسین تارڑ دیگر سفر نامہ نگاروں کی طرح دوسروں کو مذاق کا نشانہ نہیں بناتے اور نہ ہی پھکڑ پن اور جگت بازی کرتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے غالب کی طرح خود اپنی ہنسی اڑائی ہے اور خود پر اعلیٰ ظرف ہی ہنس سکتا ہے۔ دوسروں کی ذات کے حوالے سے مذاق کرنا بہت آسان کام ہے لیکن اپنی ذات کو اس جگہ پر رکھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ "منہ ول کعبے شریف" میں حج کی تیاری کے دوران جب مصنف خود کو احرام میں ڈھانپ لیتے ہیں تو بہت عجیب محسوس کر رہے ہوتے ہیں کیونکہ اس سے پہلے ایسا لباس زیب تن نہیں کیا ہوتا تو جب نگاہ آئینے پر پڑتی ہے تو خود کو کچھ ان الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

"گھر سے نکلتے ہوئے بے خبری میں ایک قد آدم آئینے پر نگاہ پڑ گئی۔ میں ایک حریص
رومن پیٹو لگ رہا تھا۔ ٹوگا باندھے۔۔نیم سرخ آنکھوں والا ایک نیرو جو بنسری بجانے کا
شوقین تھا روم کے جلنے کی مسرت میں!" (٦٨)

بحیثیت مجموعی مستنصر حسین تارڑ کے دونوں مذہبی سفر ناموں "منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" کو دیکھا جائے تو ان میں مزاح کا عنصر ہلکے پھلکے انداز میں قاری کے سامنے آتا ہے۔ "منہ ول کعبے شریف" میں یہ انداز زیادہ پایا جاتا ہے جبکہ "غار حرا میں ایک رات" میں یہ عنصر کم دکھائی دیتا ہے۔ شاید اس کی وجہ مصنف کی غار حرا سے انتہائی عقیدت ہے کیونکہ وہ وہاں جانے کے بہت تمنائی تھے اس لیے اس حوالے سے ان کی تحریر میں مزاح نہ ہونے کے برابر ہے جبکہ "منہ ول کعبے شریف" میں حج کے دوران مختلف حالات سے گزرتے ہوئے اور لوگوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے مزاح کے عناصر پیدا ہوتے ہیں اس لیے یہ عناصر اس سفر نامے میں زیادہ ہیں۔ آپ نے خاص اعتدال کے ساتھ طنز و مزاح کو اپنے ان مذہبی سفر ناموں میں شامل کیا ہے۔ کہیں بھی بے جا مزاح اور طنز دیکھنے میں نہیں آتا جہاں کہیں استعمال کیا ہے نہایت ہلکے پھلکے اور شگفتہ انداز میں ہی کیا ہے:

ح۔ خود کلامی

انسانی شخصیت اور ذہن کی داخلی کیفیات کو سمجھنے کے لیے خود کلامی ایک نفسیاتی حربہ ہے۔ اس تکنیک کی مدد سے فرد کی ذہنی صورتحال کو منظر عام پر پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر وسیع تر معنی کے تناظر میں دیکھا

جائے تو یہ انسان کی پوری نفسیات اور شخصیت کو پیش کرنے کا زریعہ ہے اور اس نفسیاتی عمل سے کسی بھی انسان کی نفسیاتی الجھنوں، لاشعوری کیفیات، نرگسی کیفیات کے حوالے سے آگہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ بنیادی طور پر یہ نفسیات کی اصطلاح ہے اور اس کے معنی:

"اپنے آپ سے باتیں کرنا، دل سے باتیں کرنا ہے"۔ (۶۹)

ڈاکٹر سلیم اختر کی کتاب "تنقیدی اصطلاحات" میں خود کلامی کی تعریف اس طرح سے کی گئی ہے:

"خود کلامی در اصل ڈراما کی تکنیک کا ایک انداز ہے۔ جس طرح فکشن لکھنے والا اپنے کرداروں کی سوچ، جذباتی تموج، احساسات، نیت، مقاصد کا بآسانی اظہار کر سکتا ہے۔ اسٹیج پر ایسا کر دکھانا ممکن نہیں۔ اس لیے اسٹیج پر اداکار اپنے جذبات و احساسات، ارادوں، منصوبوں وغیرہ کا باآواز بلند اظہار کرتا ہے۔ یہ خود کلامی سامعین کے لیے ہوتی ہے"۔ (۷۰)

ادب میں خود کلامی کی تکنیک انسان کی داخلی کیفیات اور جذبات واحساسات کے اظہار کا وسیلہ بن کر سامنے آتی ہے۔ کسی بھی کردار کی اصل شکل جو نامناسب حالات میں دب کر رہ جائے اسے خود کلامی کے ذریعے سے اجاگر کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ خود کلامی کردار کے داخل کا نفسیاتی تجزیہ ہے اس لیے اس کردار کے لاشعور کی حقیقتوں تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ انسان جن باتوں کا اظہار براہ راست نہیں کر سکتا ان کے لیے وہ خود کلامی کا سہارا لیتا ہے۔ آزادی اظہار، تحفظ اور انا کی بقاء کے لے وہ ایک مسلسل داخلی جنگ لڑتا ہے۔ ڈکشنری آف ٹریری ٹرمز میں خود کلامی کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"All monologue is speech by one person, in this literal sense of course all speech except a course is monologue."[۷۱]

کسی بھی واحد انسان کا اپنے ساتھ باتیں کرنا، اپنے خیالات وجذبات کا اظہار کرنا اور اپنے حوالے سے اپنی بات کو دوسروں تک پہنچانا خود کلامی ہے۔ ادبی فن پارے میں مصنف بعض اوقات کسی فرد کے جذبات و احساسات، اس کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اگر پیش کرنے میں ناکامی کا سامنا کر رہا ہو تو وہ اس کردار کو اگر اس افسانوی صورت حال کے پس منظر میں سوچتا ہوا دکھائے تو یہ بھی خود کلامی کہلائے گی: ڈاکٹر سلیم آغا قزلباش خود کلامی کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> ”خود کلامی Interior Monologue کی تکنیک بالعموم” شعور کی رو“ سے وابستہ قرار پائی ہے ۔۔ داخلی خود کلامی کے تحت افسانے کا کردار اپنی داخلی زندگی کے کوائف بلا کم و کاست بیان کرتا ہے اور اسی طرح قاری کردار کے انتہائی نجی خیالات اور لاشعور کی گہرائیوں سے واقف ہو جاتا ہے۔ یہ خود کلامی ایک طرح سے ایمائی اور رمزی Symbolic and Suggestive ہوتی ہے“۔ (۷۲)

خود کلامی میں واحد متکلم کی اپنی ہی ذات کے اندر خیالات کی رو متحرک نظر آتی ہے۔ سلسلہ خیال کی فنی صورت کا ایک اور اظہار شعور کی رو ہے۔ خود کلامی کی تکنیک کا تعلق شعور کی رو سے بھی کافی قریب ہے۔ اس تکنیک کی بنیاد کا مرکز یہ سوچ ہے کہ انسانی ذہن ایک بہتے ہوئے سمندر کی مانند ہے جس پر ہر لمحہ بہت طرح کے تجربات اور حادثات اپنا گہرا نقوش چھوڑ جاتے ہیں اور یہ نقوش اشکال کی صورت میں ذہن کی گہرائیوں میں محفوظ ہو جاتے ہیں اور پھر جب انسان زندگی میں پھر کبھی دوبارہ ان ہی تجربات اور حادثات سے گزرتا ہے تو وہ پرانے نقوش مثالوں کی صورت میں ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ گویا شعور کی رو انسانی ذہن کے اس دوہرے عمل کو گرفت میں لینے کا نام ہے۔

مستنصر حسین تارڑ کے دونوں سفر نامے ”غارِ حرا میں ایک رات“ اور ”منہ ول کعبے شریف“ میں خود کلامی کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ خود کلامی بھی مکالمے کی طرح سفر نامے کا اہم ترین حصہ شمار کی جاتی ہے۔ خود کلامی کے ذریعے سے انسان وہ کچھ کہہ جاتا ہے جو وہ شاید حقیقت میں کہنے کی جرات نہیں کر سکتا مستنصر حسین تارڑ نے اپنے ان دونوں مذہبی سفر ناموں میں خود کلامی کا استعمال کیا ہے۔ خصوصاً ”غار حرا“ میں رات قیام کے دوران چونکہ زیادہ تر وقت انہوں نے تنہا گزارا تھا اس لیے وہاں پر خود کلامی کی تکنیک کا استعمال کر کے قاری کو اپنے جذبات و احساسات اور قلبی کیفیات کے حوالے سے آگاہی فراہم کی گئی ہے۔ جو ادیب خود کلامی کی اہمیت و افادیت سے آگاہ ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ خود کلامی ایک کٹھن کام ہے۔ اس میں سفر نامہ نگار ادبی محاسن کا استعمال کرتے ہوئے کردار کی اندرونی کیفیات کو منظر پر بیان کرنے کی سعی کرتا ہے۔ ایک سمجھدار سفر نامہ نگار خود کلامی کے ذریعے سے قاری کے فہم و ادراک کو ایسی بلندی تک لے جاتا ہے کہ قاری کرداروں کے چھپے ہوئے تمام تر پہلوؤں سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ خود کلامی ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔

اس میں بہت محتاط ہو کر کام کرنا پڑتا ہے۔ یہ فن ریاضت اور محنت کے ساتھ ساتھ مطالعہ کا مطالبہ بھی کرتا ہے۔

غیر فطری طریقے سے کی گئی خود کلامی سفر نامے کے اصولی تسلسل میں فرق ڈالتی ہے۔ کردار کے داخلی کلام سے اس کی ذہنی کیفیت کو بیان کرنا آسان کام نہیں ہے۔ یہ وہی سفر نامہ نگار کر سکتا ہے جو اس تکنیک سے اچھی طرح واقفیت رکھتا ہو۔ مستنصر حسین تارڑ کے سفر نامے "غارِ حرا میں ایک رات" کے حوالے سے مصنف کی یہ خود کلامی ملاحظہ فرمایئے:

> "ایک خدشے نے سر اٹھایا۔۔ کہ بے شک اس سے تم جبل نور پر۔۔ کوئی اور بھی تو آ سکتا ہے۔۔ ابھی سرنگ میں سے بر آمد ہو کر صحن میں آ سکتا ہے تو تنہائی کا یہ دھاگہ ٹوٹ جائے گا۔۔ یہ جو ربط ہے میری تنہا ذات کا اس غار سے اس کی صحن سے۔۔ ہر ایک پتھر سے اس میں دراڑ آ جائے گی۔۔ اس لیے کیا بیکار چاندنی کے تماشائی بنے لیٹے ہو۔ اگر کوئی عرض پیش کرنی ہے تو ابھی کر دو۔۔ کچھ مانگنا ہے تو بس یہ ہی وقت ہے۔ اگر کوئی آ جاتا ہے تم اس سے یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ تم یہاں نہیں آ سکتے بھائی صاحب۔۔" (۷۳)

اس اقتباس میں مصنف خود سے ہم کلام ہے کہ جو کرنا ہے ابھی کر لو کیونکہ اس وقت تنہائی میں ہو اور اگر کوئی آ جاتا ہے تو پھر تنہائی ختم ہو کر رہ جائے گی اور پھر اسے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ مصنف نے خود کلامی کے ذریعے سے اپنے خیالات خصوصاً اندرونی کیفیات کو روحانی انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ مصنف کے اندر ڈر چھپا ہے کہ کہیں کوئی اور اس وقت آ کر سب مزہ خراب نہ کر دے۔ "غار حرا میں ایک رات" سے یہ اقتباس دیکھیں:

> "یہ رات۔۔ غار حرا کی تنہائی میں یہ رات تقریباً اسی احساس۔۔ شکل و شباہت اور مدھم چاندنی کی رات تھی۔ گئی رات تھی۔۔ جب چودہ سو برس کی ایک رات۔۔ ایسی ہی مدھم چاندنی کی گئی رات میں۔۔ اور جہاں میں تھا یہی پتھر تھے۔ یہیں عین اسی جگہ پر بابا تھے۔۔ بیدار تھے یا خواب میں تھے۔۔" (۷۴)

مصنف چونکہ اس وقت غار میں بالکل تنہا تھے اس لیے انہیں مختلف قسم کی کیفیات کا سامنا تھا۔ ان کیفیات کے اظہار کے لیے انہوں نے خود کلامی کا سہارا لیا اور بہت اچھے اور آسان الفاظ میں اس تکنیک کا استعما

ل کرتے ہوئے اپنے جذبات واحساسات کو قاری کے سامنے پیش کیا۔ یوں بھی انسان جب تنہائی میں ہوتا ہے تو وہ زیادہ تر خود سے ہم کلام رہتا ہے اور ہر لمحے اس کا ذہن کسی نہ کسی سوچ اور کیفیت کے اسیر میں ہوتا ہے۔ اور جب انسان غارِ حرا میں ہو تو پھر سوچوں اور کیفیات کا بیان بھی تو اپنے اعلیٰ درجے پر ہی نظر آئے گا۔ غار حرا میں ایک رات سے یہ اقتباس دیکھیں:

> "ایسا ہیجان کہ مجھے ڈر لگتا تھا۔۔ کہ جبریل امینؑ تو اس کھوہ میں اترنے کے عادی ہیں تو کہیں بھولے بھٹکے پھر نہ ادھر آ نکلیں۔۔ اپنے محبوب کی یاد میں ادھر نہ آ جائیں۔۔ آ گئے تو پھر میں کیا کروں گا۔۔ آئے تو مجھے دیکھ کر وہ کیا کہیں گے۔۔ کیا کریں گے۔۔"(۷۵)

مصنف کی رسول ﷺ سے محبت وعقیدت ان کی غارِ حرا میں قیام کی تڑپ میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ مختلف قسم کے وسوسوں نے مصنف کو چاروں اطراف سے گھیرا تھا لیکن اس کے باوجود آپ غار میں ہی رہے اور صبح نماز فجر ادا کرنے کے بعد وہاں سے رخصت ہو گئے۔ "منہ ول کعبے شریف" میں مصنف خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے عجیب طرح کے خیالات میں چلے جاتے ہیں۔ ان کا ذہن مختلف سوچوں میں بٹ جاتا ہے۔ وہ وہی کچھ کرنے لگتے ہیں جو دوسرے کر رہے ہوتے ہیں۔ اپنی محوسات کی حس کو ختم ہوتے پاتے ہیں۔ دعائیں اور خواہشیں بھی دم توڑ جاتی ہیں اس حوالے سے "منہ ول کعبے شریف" سے یہ اقتباس دیکھیے:

> "اور بعض اوقات ذہن بالکل خالی ہو جاتا ہے۔۔ ہونٹ خاموش ہو جاتے ہیں۔۔ نہ کوئی دعا اور نہ کوئی خواہش میں ایک سناٹے میں چلتا جاتا ایک روبوٹ کی مانند، کچھ بھی محسوس کیے بغیر کہاں ہوں، کیوں ہوں۔۔ کوئی دعا مجھے سنائی دیتی تو مجھے پھر سے جان پڑ جاتی۔۔ میں جان جاتا کہ میں کہاں ہوں اور کیوں ہوں۔۔" (۷۶)

طواف کے دوران انسان کی کیفیات خصوصاً روحانی کیفیات بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ مصنف جب طواف میں مصروف تھے تب کچھ لوگ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے ان میں سے ایک عمر رسیدہ شخص ایسا تھا جو نہایت دھیمے انداز میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا۔ اس کا مقصد نہ کوئی داد وصول کرنا تھا اور نہ کسی کو وہ سنانا چاہتا تھا۔ مصنف کو اس انسان کا تلاوت کرنے کا انداز بہت زیادہ پسند آیا۔ اس حوالے سے مصنف کی خود کلامی ملاحظہ فرمایئے:

"میں نے کیسے چودہ سو برس گزرنے کے باوجود اسے جوں کا توں۔۔۔ یاد رکھا ہے جیسے تو نے اسے میرے محمد ﷺ پر اتارا تھا۔ کہیں تو "واہ" کہہ کر داد دے۔۔۔ کہیں تو "مقرر" کی فرمائش کر۔۔ تیرا ہی کلام ہے۔ تجھے ہی سناتا ہوں۔ تو داد کیوں نہیں دیتا۔۔۔" (۷۷)

حج کے دوران شیطان کو کنکریوں سے مارنے کا فرض مصنف کے لیے ہمیشہ سے ہی حیرت کا باعث تھا جب خود حج کا موقع ملا تو وہ کافی تذبذب کا شکار نظر آئے۔ لیکن جب شیطان کو کنکریاں مارنے کی باری آئی تو مصنف نے اس عمل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مصنف نے شیطان پر کنکریاں برسانے کا فرض بہت اچھے انداز میں ادا کیا اس حوالے سے ان کے سفر نامے "منہ ول کعبے شریف" میں شیطان کے کردار سے مصنف نے بہت کچھ کہلوانے کی بھی کوشش کی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

"اور وہ کنکریوں کی اس برسات میں نہایت اطمینان اور تحمل سے۔۔ استقامت سے کھڑا تھا کہ تم بے شک آج جوش میں ہو، مجھ پر کنکریاں برساتے ہو لیکن جو نہی تم اپنی اپنی دنیاؤں میں واپس جاؤ گے تو تمہارا یہ جوش و جذبہ سرد ہو جائے گا اور تم پھر سے میرے راستے پر ہی چلنے لگو گے۔۔" (۷۸)

بحیثیت مجموعی یہاں پر مصنف نے شیطان سے وہ کچھ کہلوایا ہے جو مصنف کی شیطان کو کنکریاں مارنے کے حوالے سے سوچ تھی یہاں پر شیطان سے اس کے خیالات کو بیان کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ بھی خود کلامی کے زمرے میں آتا ہے جہاں پر مجرد کردار کو اس انداز میں استعمال کیا جائے کہ وہ بولنے لگے اور اپنے خیالات کا اظہار کر کے قاری کے فہم و ادراک کو بڑھا سکے۔ بحیثیت مجموعی مستنصر حسین تارڑ کے ان دونوں مذہبی سفر ناموں "منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" میں خود کلامی کے عمدہ نمونے پائے جاتے ہیں اور مصنف نے نہایت عمدہ اور دلکش انداز میں انہیں برتا ہے۔

حوالہ جات

1. انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب میں سفر نامہ، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۷ء ص ۳۵۷
2. مستنصر حسین تارڑ، غار حرا میں ایک رات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ ء ص ۸۲-۸۳
3. شاہد اشرف، ڈاکٹر، عابد سیال اور علم بدیع کے مباحث، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۱۴ء ص ۸۳
4. مستنصر حسین تارڑ، غار حرا میں ایک رات، ص ۹۳
5. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۱۴۱
6. ایضاً، ص ۹۶
7. ایضاً، ص ۲۳۲
8. مستنصر حسین تارڑ، غار حرا میں ایک رات، ص ۱۹۵
9. ایضاً، ص ۲۵۶
10. ایضاً، ص ۱۸۸

Khwabgarrifiction.blogspot.com/2011/04/blog-post-310huml, .11
15th February, 2019, 7:55PM

12. ایضاً،
13. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۵۲
14. مستنصر حسین تارڑ، غارِ حرا میں ایک رات، ص ۱۳۵
15. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۶۵
16. ایضاً، ص ۴۷
17. ایضاً، ص ۱۵۴-۱۵۵
18. ایضاً، ص ۲۴۵
19. مستنصر حسین تارڑ غار حرا میں ایک رات ص ۱۷
20. ایضاً، ص ۸۳
21. طارق سعید، اسلوب اور اسلوبیات، نگارشات پبلیشرز، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۸۸ تا ۸۹

22. Jamil Jalibi, Dr. Quami-English-Urdu Dictionary, 1982, P 1046
31st March, 2019, 5:30PM

23. محمد عبداللہ خویشگی، فرہنگ عامرہ، طبع اول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، جون ۱۹۸۹ء، ص ۳۶

24. سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، (جلد اول)، اردو سائنس بورڈ لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۱۲۰

25. انور مسعود، ڈاکٹر، اوراق جنوری، فروری ۱۹۷۸، ص ۲۷

26. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۹۹

27. ایضاً، ص ۱۴۶

28. مستنصر حسین تارڑ، غارِ حرا میں ایک رات، ص ۲۰۰

29. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۶۶

30. مستنصر حسین تارڑ، غارِ حرا میں ایک رات، ص ۲۶۳

31. ایضاً، ص ۱۵۵-۵۶

32. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۱۶۸

33. فیروز اللغات (اردو) جامع نیا ایڈیشن جدید ترتیب اور اضارون کے ساتھ مرتبہ: الحاج مولوی فیروز الدین
فیروز سنز لمیٹڈ، کراچی تیسرا ایڈیشن، ۱۹۸۳ء، ص ۱۲۹۵

34. ذوالفقار علی احسن، اردو سفر نامے میں جنس نگاری کا رجحان، عبداللہ سنز، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۲۳۵

35. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۸۸

36. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۱۹

37. مستنصر حسین تارڑ، غارِ حرا میں ایک رات، ص ۱۹۵

38. Knwabgarrifiction, blogspot.com/2011/04/blog-post-2130 huml
19th April, 2019, 10:44PM

39. مستنصر حسین تارڑ، غار حرا میں ایک رات، ص ۱۵۷

40. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۱۵۸

41. تخیل urdu lughat. Info/words/2453 , 21st April, 2019, 5:55PM

42. www.express.com/epaper/pupwindow ۹۵ px>New ID=1103385252
and Issue=NP-LHE and Date 20160304

43. ایضاً،

44. مستنصر حسین تارڑ، غار حرا میں ایک رات ، ص ۱۶۱

45. ایضاً، ص ۱۴۶

46. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۲۸۰

47. ایضاً ، ص ۱۹۰

48. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۱۵۳

49. انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب میں سفر نامہ، ص ۳۶۱

50. Udb.gov.pk/result.php.search- کہانی and posi=offline
12th may, 2019, 7:56PM

51. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۱۷۶

52. مستنصر حسین تارڑ، غارِ حرا میں ایک رات، ص ۲۰۶

53. محمد خان کرنل، بجنگ آمد، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۷۷

54. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۳۶۲

55. مستنصر حسین تارڑ، غارِ حرا میں ایک رات، ص ۲۰۰

56. ایضاً، ص ۱۳۸

57. ایضاً، ص ۱۵۷

58. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۳۵۴

59. مستنصر حسین تارڑ، غار حرا میں ایک رات ، ص ۱۷۷

60. شان الحق حقی، فرہنگ تلفظ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء، ص ۸۶۱

61. اردو انگریزی لغت urdu English Dictionary"Ferozsons(Pvt)Ltd, Rawalpindi,
P 698, 15th May, 2019, 7:30PM

62. ابن منظور، لسان العرب، دارِ صابر بیروت، جلد دوم، ۱۳۰۰ھ، ص ۵۹۳

63. جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی اردو لغت، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۱۴۴۱

64. مستنصر حسین تارڑ، غارِ حرا میں ایک رات، ص ۱۱۰

65. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۱۴۳-۱۴۴

66. ایضاً، ص ۳۲

67. ایضاً، ص ۲۳۸-۲۳۷

68. ایضاً، ص ۱۱۲

69. اردو لغت، جلد ہشتم، اردو لغت بورڈ، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۶۸۷

70. سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۱۱۹

71. Jeseph T, Shipley (Edited) dictionary pf literary terms, London, 1955 P250., 30th May, 2019, 5:10PM

72. سلیم آغا قزلباش، ڈاکٹر، جدید اردو افسانے کے رجحانات، انجمن ترقی اردو، پاکستان، ۲۰۰۰ء، ص ۲۱۰

73. مستنصر حسین تارڑ، غارِ حرا میں ایک رات، ص ۲۰۵

74. ایضاً، ص ۲۴۲

75. ایضاً، ص ۲۴۶

76. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۱۵۰

77. ایضاً، ص ۲۹۸

78. ایضا، ص ۲۰۳

باب چہارم:

"منہ ول کعبے شریف" اور "غارِ حرا میں ایک رات" کا فکری اور فنی تقابل

الف۔ تقابل کیا ہے

تقابل بنیادی طور پر دو مشترک بنیاد رکھنے والی چیزوں کے موازنے کا نام ہے۔ تقابلی مطالعہ دو مختلف قوموں کے تحت لکھے گئے ادب کا مطالعہ ہے۔ یہ بین التہذیبی، بین الثقافتی، بین الشعبہ جاتی اور بین اللسانی مضمون ہے۔

تقابلی ادب:

تقابلی ادب کی اصطلاح پہلی بار انیسویں صدی کے شروع میں فرانس میں سنی گئی جب اس حوالے سے بطور مضمون فرانس اور کچھ دوسری زبانوں سے تعلق رکھنے والے فن پاروں کا انتخاب شائع ہوا۔ سوزن بیسنیٹ اس مضمون کی تعریف یوں کرتی ہیں:

> "تقابلی ادب مختلف ثقافتوں کے متون کا مطالعہ ہے، ایک کثیر العلمی مضمون ہے جس کا تعلق زمان و مکان کے بعد میں پیدا ہونے والے ادب کے درمیان رشتوں کے نقوش سے متعلق ہے"۔[۱]

تقابل بنیادی طور پر ایسے فن پاروں کے تقابل اور موازنے میں دلچسپی رکھتا ہے جن کے درمیان وقت اور جغرافیائی حدود حائل ہوں۔ کوئی ایسی تحریر جو تقابلی مطالعے سے تعلق نہ بھی رکھتی ہو لیکن اس کی اچھائیاں اور برائیاں سامنے لانے کے لیے اس کا موازنہ کیا جانا ضروری ہوتا ہے اور یہ ہی تقابل ہے۔ میتھو آرنلڈ اس حوالے سے کہتے ہیں:

> "ہر طرف رشتے بکھرے ہیں جس کے مظاہر ہمیں چاروں اطراف نظر آتے ہیں، کسی ادب یا واقعہ کی مکمل سمجھ اس کے دوسرے ادب اور واقعات کے ساتھ رشتے کی پہچان ہی سے مل سکتی ہے"۔[۲]

تقابلی ادب ہر طرح کی لسانی، عصبی اور سیاسی حدود و قیود سے آزاد ادب کے مطالعے کا نام ہے۔ اسے مخصوص طور پر کسی ایک زاویے کے زیر اثر رکھ کر سمجھا نہیں جا سکتا اور نہ ہی اس کے لیے کسی واقعاتی تاریخی

روابط کی شرائط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ادب کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر طرح کے مصنوعی حدود و قیود سے آزاد ہو تاکہ وہ صحیح معنوں میں پھلے پھولے اور اپنے ثمرات باہم طریقے سے پہنچا سکے۔

ب۔ تقابلی مطالعہ اور ادب:

یورپ میں تقابلی مطالعوں کی روایت خاصی پرانی ہے۔ لیکن اردو ادب میں یہ بالکل نئی روایت ہے اردو ادب کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو عالمی سطح پر جو شخصیات سب سے زیادہ متعارف ہوئیں ان میں غالب، انیس ناگی، قرۃ العین حیدر سرفہرست ہیں۔ یہ ایسے مصنفین ہیں جنہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے سے اردوادب میں خاطر خواہ اضافہ کیا ہے۔ دنیا کے مختلف خطوں میں لکھے گئے ادب پاروں کا جب آپس میں موازنہ یا تقابل کیا جاتا ہے تو اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ لکھنے والے مصنفین کا تعارف عالمی سطح پر ہو جاتا ہے۔ اس طرح ایک جیسا لکھنے والوں کو عالمی سطح پر متعارف کروایا جاسکتا ہے۔

تقابلی مطالعہ چونکہ بین الشعبہ جاتی ہے اس لیے اس کے ذریعے سے دو مختلف زبانوں، تہذیبوں، ثقافتوں اور ادبیات کو عالمی سطح پر فروغ حاصل ہوتا ہے۔ یہ ہمارے سامنے ایک ایسا ادب لاتا ہے جو جغرافیائی حدود و قیود سے آزاد ہوتا ہے اور ایک عالمی معاشرے کی تحریر قرار پاتا ہے۔ اس کی مدد سے کسی بھی مصنف کی ذاتی سوچ، شخصیت سب پر آشکار ہو جاتی ہے اور ایک اور سب سے بڑا فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے ہمیں دوسرے ممالک کا ادب پڑھنے کا موقع مل جاتا ہے اور جو چیزیں ان کے ادب میں اچھی ہوتی ہیں انہیں اپنے ادب میں شامل کیا جاسکتا ہے اور جہاں کہیں کچھ کمی محسوس ہو رہی ہوتی ہے وہاں پر دوسروں کی اصلاح کا کام آسانی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔

تقابلی ادب کے حوالے سے دو طرح کی روایات ہمارے سامنے آتی ہیں۔

ا۔ مشرقی روایت ۲۔ مغربی روایت

ا۔ مشرقی روایت:۔

اردو میں تنقید کے ابتدائی نقوش تذکروں میں ملتے ہیں۔ تذکرہ ہمارے ادب کا گراں قدر سرمایہ ہے۔ جسے نظر انداز کر کے نہ تو ہم اردو شاعری کے مطالعے میں کامیاب ہوسکتے ہیں اور نہ ہی اپنے تنقیدی شعور کے آغاز وارتقاء کی تاریخ مرتب کرسکتے ہیں

اردو ادب میں تقابلی مطالعوں کی روایت میں پانچ نقوش اہم مانے جاتے ہیں۔ جن کا ذکر درج ذیل ہے۔

۱۔ اُردو ادب میں عملی طور پر تقابلی مطالعے کے ابتدائی نقوش انجمن پنجاب کے مشاعروں کے حوالے سے سامنے آتے ہیں۔ انجمن پنجاب کے مشاعروں کی ابتداء پر آزاد کا ابتدائی لیکچر 1867ء اُردوادب میں تقابل کی بنیاد قرار دیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے اس لیکچر میں مشرقی شاعری کا مغربی شاعری سے موازنہ پیش کیا۔ جس میں مشرقی شاعری کی خامیوں اور مغربی شاعری کی خوبیوں کو بیان کیا گیا۔ محمد حسین آزاد کی کتاب "آب حیات" تنقید کی کتاب ہے اور یہ تقابل کی ذیل میں آتی ہے۔

۲۔ الطاف حسین حالی، اُردو کے نامور شاعر اور نقاد گزرے ہیں۔ حالیؔ کی کتاب "مقدمہ شعر وشاعری" میں عملی اور نظری تنقید کی گئی ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں تنقید اور شاعری کے اصول وضع کیے۔ اردو شاعری کا مغربی شاعری سے موازنہ کر کے مغربی ادب کو سراہا۔

۳۔ شبلی نعمانی نے "موازنہ انیس ودبیر" کے ذریعے تقابلی مطالعوں کی پہلی عملی صورت پیش کی۔ فکری اور فنی دونوں لحاظ سے مطالعہ کیا۔ ناقدین کے مطابق شبلی نے اس کتاب میں انیس کا مرتبہ بڑھانے اور دبیر کا مرتبہ کم کرنے کی کوشش کی۔

۴۔ سید نظر الحسنؔ نے "المیزان" کے عنوان سے کتاب لکھی۔ اس کا مقصد شبلی کی کتاب میں توازن پیدا کرنا تھا۔ آپ نے دوبارہ تقابل کر کے دبیرؔ کی خصوصیات کا احاطہ کیا۔

۵۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نامور اردو نقاد، ماہر لسانیات اور ادبی مورخ ہیں۔ آپ کا سب سے اہم کام قومی انگریزی اردو لغت کی تدوین ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی کتابوں میں تاریخ ادب اُردو، ارسطو سے ایلیٹ تک، پاکستانی کلچر، قومی کلچر کی تشکیل کا مسئلہ شامل ہیں۔ تنقید و تجربہ، نئی تنقید وغیرہ جیسی کتابیں تالیف کیں۔

۶۔ فراق گورکھپوری تنقید کے میدان میں فراق کا اپنا مقام ہے۔ اردو کی عشقیہ شاعری، ان کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ "اندازے" تنقید کے میدان میں فراق کے مقام کی نشاندہی کرتے ہیں۔ تاثراتی تنقید کے زمرے میں آتے ہیں۔

۷۔ ڈاکٹر وزیر آغا نے اردو تنقید کو نئی جہات سے متعارف کروایا۔ ان کی کتب میں "اردو شاعری کا مزاج، تخلیقی عمل، جدید اردو تنقید، معنی اور تناظر، نظم کی جدید کروٹیں اور اردو ادب میں طنز و مزاح خاص طور پر اہمیت کی حامل ہیں۔

۸۔ حسن عسکری نامور اردو نقاد، مترجم، معلم اور افسانہ نگار ہیں۔ اپنے تنقیدی مضامین اور افسانوں میں جدید مغربی رجحانات کو اردو دان طبقے سے متعارف کروایا۔

۹۔ گوپی چند نارنگ نے اردو تنقید میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اُردو نقاد، محقق اور ادیب ہیں۔ موازنہ انیس و دبیر، اردو غزل اور ہندوستان و تہذیب۔ ہندوستان کی تحریکِ آزادی اور اردو شاعری۔ جیسی اہم کتابیں آپ کی تخلیق ہیں۔

۱۰۔ امام اثر نے "کاشف الحقائق" کے نام سے کتاب تحریر کی۔ مشرقی تنقیدی رویوں کا مغربی تنقیدی رویوں کے ساتھ تقابل کیا اور نئے تنقیدی رویوں کی بنیاد رکھی۔

۱۱۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی اُردو زبان کے نامور نقاد، محقق، معلم، خاکہ نگار ہیں۔ اپنی تصنیف اردو تنقید کا ارتقاء" کی وجہ سے مشہور ہوئے۔ آپ کی پہچان اُردو تنقید ہے۔ اردو کے صفِ اول کے نقاد۔ تصانیف میں اردو تنقید کا ارتقاء، تنقیدی زاویے، غزل اور مطالعہ غزل، غالب کا فن، غالب اور مطالعہ غالب، تنقیدی تجربے، جدید اردو تنقید، جدید اردو ادب، اقبال کی اردو نثر اور شاعری اور شاعری کی تنقید کے نام سرفہرست ہیں۔

۱۲۔ آل احمد سرور عظیم اور کھلا ذہن رکھنے والے نقاد ہیں خود کو کسی گروہ سے وابستہ نہیں کیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ ادب کو نہ ذہنی عیاشی سمجھا جائے نہ اشتراکیت کا پرچار آپ کی تنقید کا خاص وصف دلنشیں اسلوب ہے جس میں سادگی بھی ہے اور رعنائی بھی۔

۱۳۔ کلیم الدین احمد مشہور نقاد ہیں آپ کی وجہ شہرت متنازع تنقیدی کتاب "اردو شاعری پر ایک نظر" ہے۔ جس میں انہوں نے اردو غزل کے بارے میں ایک جملہ لکھا جو برجستگی میں غزل کے عمدہ شعر کی یاد دلاتا ہے۔ آپ کے نزدیک غزل نیم وحشی صنف سخن ہے۔ اس کتاب کی اشاعت پر ادبی حلقوں میں کافی شور مچا۔ 1949ء میں ان کی کتاب "اردو تنقید پر ایک نظر" منظر عام پر آئی۔

۲۔ مغربی روایت:۔

مغرب میں تقلیدی مطالعوں کے حوالے سے تین مکتبہ فکر سامنے آتے ہیں۔

1. French School of thought
2. German School of thought
3. American School of thought

ا۔ فرانسیسی مکتبہ فکر:۔

اس مکتبہ فکر کی ابتداء 1905ء میں ہوئی۔ اس مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے ادیبوں نے کسی بھی فن پارے کے اصل مآخذات کے تقابل پر توجہ دی۔ مثلاً غالب کا مشہور شعر ہے۔

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد

عالم تمام حلقہ دامِ خیال ہے

تو فرانسیسی مکتبہ فکر کے تحت یہ دیکھا جائے گا کہ اس شعر کا اصل مآخذ کیا ہے۔ شاعر کو یہ سوچ اور فکر کہاں سے حاصل ہوئی۔ اسی طرح ایک فلسفہ ایک قوم سے چلتا چلتا دوسری قوم تک کیسے پہنچتا ہے۔ اسی طرح وطن پرستی کے بارے میں لکھی گئی تحریروں کا موازنہ فرانسیسی مکتبہ فکر کے تحت منظرِ عام پر آیا۔ اس تحریک کا دائرہ کار مغربی اور یورپی ممالک تک محدود رہا۔

۲۔ جرمن مکتبہ فکر:۔

جرمن سکول آف تھاٹ انیسویں صدی کے آخر میں ۱۸۷۰ء کے لگ بھگ منظر عام پر آیا۔ تقابل کا کام پہلے سے شروع تھا۔ لیکن اپنے کام کی طرف ان کی زیادہ توجہ ۱۹۰۵ء میں ہی مبذول ہوئی۔ تقابل کا مزاج کافی حد تک تبدیل ہوا۔ اس مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے لکھاریوں نے تحریروں کے مآخذات سے کافی حد تک ہٹنے کے بعد ڈرامے اور طویل رومانوی گیتوں کے حوالے سے تقابل شروع کیا۔ یہ تقابل ساختیات کی بنیاد پر کیا جانے لگا۔ اس ذیل میں یورپی ممالک کے تحت لکھا گیا ادب شامل تھا۔

آگے چل کر یہ تقابل، اطلاقی تقابل میں تبدیل ہو گیا۔ موازنے کے ذریعے سے سامنے آنے والے حقائق کی نوجوان نسل پر اطلاق کرنے کی کوشش کی گئی۔ مثلاً جب شعور کی رو دریافت ہوئی تو آنے والے لکھاریوں نے اپنی تحریروں پر اس کا اطلاق کیا۔ اس تبدیلی کا مقصد یہ تھا کہ طلبہ میں ایسے ادب کی تخلیق کا

رجحان پیدا کیا جائے جو ان کی عملی زندگی میں بھی فائدہ مند ہو۔ ان تقابلی مطالعوں کا دائرہ کار بھی مغربی ممالک ہی تھے۔

۳۔ امریکن مکتبہ فکر:۔

یہ مکتبہ فکر فرانسیسی سکول آف تھاٹ کے ردِ عمل کے طور پر سامنے آیا۔ اس قسم کے تقابلی مطالعے میں مآخذات کی کھوج سے زیادہ ادبی تنقید و تحقیق پر زور دیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ تحریروں میں ایسے مواد کی موجودگی کو اہمیت دی گئی جو کہ گوئٹے کے قول کے مطابق تمام انسانیت کی مشترکہ میراث ہے۔

امریکن سکول آف تھاٹ نے دونوں سکول آف تھاٹ کے مزاج کو تبدیل کیا۔ اور یورپ کی حدود سے نکل کر تمام اقوام عالم اور دنیا میں پھیل گیا۔

ج۔ یورپ میں تقابلی ادب لکھنے والے نقاد:۔

جرمن نقاد۔ اٹھارویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے آغاز میں جرمن میں ادب شناسوں کا ایک گروہ پیدا ہوا جو کبھی تو کلاسیکی طرزِ فکر کو اور کبھی رومانوی انداز کو اختیار کرتا آرہا تھا۔ اس گروہ میں قابلِ ذکر لوگ ا۔ وینکلمن ۲۔ لیسنگ ۳۔ شیگل ۴۔ گوئٹے شامل ہیں۔ ناقدین کے علاوہ یورپ کے دیگر اہم ناقدین میں ارسطو، میتھیو آرنلڈ، ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ، ورڈزورتھ اور کولرج وغیرہ شامل ہیں۔

ا۔ وینکلمن: یونانی اساطیری ادب کا دلدادہ تھا۔ یونانی ادب پاروں کی بے حد تعریف اور ان کی تقلید کی سفارش کی۔ مگر مزاج کے اعتبار سے رومانوی تھا۔

۲۔ لیسنگ: اٹھارویں صدی کے ربع آخر کا مصنف اور شاعر تھا۔ اس نے ایک کتاب لکھی جس کا نام (Loocoon) تھا۔

۳۔ ارسطو: ارسطو کا تعلق یونان سے تھا۔ اس کا زمانہ افلاطون کے فوراً بعد کا زمانہ ہے وہ افلاطون کا شاگرد تھا لیکن شاعری اور ڈرامے میں اس سے مختلف رائے رکھتا تھا۔ اس کی تحریر کردہ کتاب (بوطیقا-Poetic) تنقید کی پہلی اور لافانی کتاب ہے اور ارسطو پہلا باقاعدہ نقاد ہے۔

۴۔ میتھیو آرنلڈ: اس نے ادب کو زندگی اور زندگی کو تنقید کے حوالے سے پرکھنے کی کوشش کی۔ ادب کو تنقید حیات بنا کر اس نے ادب اور زندگی کے رشتے کو استوار کیا۔

۵۔ گوئٹے: جرمنی کا مشہور شاعر اور فلسفی تھا۔ متنوع اور عالمگیر شخصیت کا مالک تھا۔ گوئٹے کو میتھیو آرنلڈ ہر دور کا بڑا نقاد کہتا ہے۔ 1808ء میں گوئٹے نے فاؤسٹ کا پہلا حصہ شائع کیا۔ گوئٹے کا نام فاؤسٹ کی وجہ سے امر ہے۔

۶۔ ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ: 1917ء سے 1964ء تک تقریباً 50 سال انگریزی زبان و ادب پر بالخصوص اور تمام دنیا کے ادب پر بالعموم چھایا رہا۔ ایلیٹ کی تنقید بیسویں صدی کے ادب پر گہرے اثرات چھوڑے حتیٰ کہ امریکہ میں نئی تنقید کا جو مکتبہ فکر سامنے آیا۔ اس پر ایلیٹ کے اثرات نمایاں ہیں۔

۷۔ کولرج: Biographia، کولرج کی اہم ترین تنقیدی کتاب اور عملی تنقید کی بہترین مثال ہے۔ اس کتاب میں کولرج نے Wordsworth کی نظموں پر تنقید کی ہے۔

د۔ تقابلی مطالعے کی ضرورت و اہمیت

۱۔ تقابلی مطالعہ اس لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے کہ اس کے ذریعے کسی بھی خطے میں لکھے گئے فن پاروں کو بین الاقوامی سطح پر متعارف ہونے میں مدد ملتی ہے۔

۲۔ دو مختلف زبانوں اور زمانوں کے ادب ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں۔ اس کی وجہ سے زمان و مکاں کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

۳۔ مختلف اقوام کے ادب اور فن پاروں کے مطالعے سے ہمیں ادب میں استعمال ہونے والی نئی تکنیکس کا علم ہوتا ہے۔

۴۔ تقابلی ادب کی بدولت ہم اس بات سے آگاہ ہوتے ہیں کہ ادب کیسے اقدار، معاشرتی تحریکوں اور سیاسی حالات کے مطابق شکل اختیار کر کے ردِ عمل کا اظہار کرتا ہے۔

۵۔ تقابل کی بدولت ہم مختلف معاشروں، اقوام، گروہوں کے لسانی، تہذیبی، مذہبی، معاشی، معاشرتی اور تاریخی عناصر کا جائزہ لیتے ہیں۔

۶۔ دو مختلف معاشروں کے ادباء کے رویے اور مزاج سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ ان کی ذاتی سوچ، شخصیت اور مزاج سامنے آجاتا ہے۔

۷۔ تقابلی مطالعے سے ہم مختلف تہذیبوں اور مختلف زبانوں کے ادبی فن پاروں کا مطالعہ کر کے اُن میں سے زیادہ بہتر چیز کا نہ صرف انتخاب کر سکتے ہیں بلکہ اُس کو اختیار بھی کر سکتے ہیں۔

۸۔ تقابلی مطالعے سے نہ صرف ہمارے خیالات اور سوچ میں وسعت پیدا ہوتی ہے بلکہ فکر اور سوچ کے کئی نئے پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔

۹۔ تقابلی مطالعوں کی مدد سے تہذیب و ثقافت اور نظریات سے آگاہی کے ساتھ ساتھ ادب کے اشتراکات اور افتراقات سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔

۱۰۔ تقابلی مطالعوں سے موضوعات میں وسعت اور جدت پیدا ہوتی ہے۔

۱۱۔ تقابلی مطالعے ایک عالمگیر معاشرے کی بنیاد فراہم کرنے میں اہم ترین کردار ادا کرتے ہیں۔ انسان کے مختلف احساسات، ضروریات، فکری عناصر کے حوالے سے بھی رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

۱۲۔ تقابلی مطالعے ہمیں ایک ایسا ادب فراہم کرتے ہیں جو جغرافیائی حدود و قیود سے ماورا ہوتا ہے۔

۱۳۔ مختلف قومیتوں کے ادب پڑھنے سے رویوں میں کشادگی آتی ہے اور ایک دوسرے کے رویوں کو جلدی قبول کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ادبی تقابل چونکہ بین الشعبہ جاتی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لیے یہ بین اللسانی، بین الثقافتی، بین المذہبی اور بین الادبیاتی اقدار کے پھیلاؤ کا باعث بھی ہے۔

۱۴۔ اقوامِ عالم کے درمیان دوستی اور مفاہمت کا پھیلاؤ، تہذیبی، سماجی تعلقات کا بہتر انکشاف اور خصوصاً مشترک افکار اور تفکرات کے فروغ میں مدد ملتی ہے۔

۱۵۔ مختلف علاقوں میں اور دنیا کے مختلف خطوں میں لکھے گئے ادب پاروں کے ادباء کا عالمی سطح پر تعارف ہوتا ہے۔ یعنی ادیب اور ادب عالمی سطح پر متعارف ہوتے ہیں۔

تقابل کے مختصر تعارف کے بعد "منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" کا فکری و فنی تقابل پیش کیا جارہا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کے یہ دونوں سفرنامے ایک ہی تسلسل کا حصہ نظر آتے ہیں کیوں کہ یہ دونوں مذہبی سفر نامے ہیں لیکن اس کے باوجود ان دونوں میں اشتراکات اور افتراقات پائے جاتے ہیں اس حوالے سے پہلے "منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" کے فکری اور فنی اشتراکات کا جائزہ لیا جارہا ہے۔

ہ۔ اشتراکات:

اشتراکات کے اندر دونوں سفر ناموں میں جو مشترک چیزیں ہیں یعنی ایک جیسی خصوصیات کی حامل انہیں بیان کیا جاتا ہے۔ دونوں ہی سفر نامے مذہبی نوعیت کے ہیں اور ان کے مصنف بھی مستنصر حسین تارڑ ہی ہیں۔ ایک سفر نامہ " غار حرا میں قیام" سے متعلق ہے اور دوسرے کا تعلق حج سے ہے لیکن نوعیت دونوں کی مذہبی ہے۔ اس حوالے سے درج ذیل اشتراکات ملاحظہ فرمایئے۔ ان دونوں سفر ناموں کا آغاز مصنف نے "غالب" کے اشعار سے کیا ہے۔ "منہ ول کعبے شریف" سے یہ مثال ملاحظہ فرمائیں۔

اپنا نہیں شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
اُس در پہ نہیں بار تو کعبے کو ہی ہو آئے(۳)

مستنصر حسین تارڑ کو چونکہ سیر و سیاحت کا بہت شوق ہے اس لیے وہ آرام سے بیٹھنے کے عادی ہر گز نہیں ہیں۔ یہ شعر انہوں نے اپنی ذات کے حوالے سے یہاں رقم طراز کیا ہے۔ غالب کے ہی ایک اور شعر کا مصرع "غار حرا میں ایک رات" کے آغاز میں لکھا گیا ہے ملاحظہ فرمائیے:

؎ تپش شوق نے ہر ذرے پہ اک دل باندھا[۴]

مصنف کو چونکہ غارِ حرا میں رات قیام کرنے کی شدید خواہش تھی اس حوالے سے انہوں نے کافی تیاری بھی کر رکھی تھی۔ اسی مناسبت سے انہوں نے غالب کے شعر کے اس مصرع کا انتخاب کرتے ہوئے اپنے سفر نامے "غارِ حرا میں ایک رات" کا آغاز کیا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ کے یہ دونوں سفر نامے مذہبی نوعیت کے ہیں "منہ ول کعبے شریف" سفر نامہ حج ہے جبکہ غارِ حرا میں ایک رات "مستنصر کے غار حرا میں قیام" کے احوال کے حوالے سے ہے تو اس اعتبار سے یہ دونوں سفر نامے مذہبی ہیں۔ منہ ول کعبے شریف کا مقصد اللہ کے گھر کی زیارت اور فرض حج کی ادائیگی ہے۔ جو کہ ہر مسلمان عاقل و بالغ مرد عورت پر فرض قرار کیا گیا ہے۔ اس کے لیے صاحب استطاعت ہونا بھی ضروری ہے یعنی جو انسان اتنی آمدنی رکھتا ہو کہ آسانی سے حج کا خرچہ اٹھا سکے تو ایسے انسان پہ حج کو فرض کر دیا گیا ہے مصنف کو اس فرض کی ادائیگی تک کا شوق ضرور تھا لیکن اس حوالے سے کوئی خاص تڑپ ان کی طرف سے دیکھنے میں نہیں آتی جبکہ " غار حرا میں ایک رات "کو اگر دیکھا جائے تو اس حوالے مصنف بہت زیادہ تڑپ اور شدت رکھتے تھے۔ انہوں نے حج سے واپسی پر اس حوالے سے سوچنا شروع کیا کہ غار حرا میں نہ صرف جایا جائے بلکہ ایک رات قیام بھی کیا جائے اور اُن وقتوں کو یاد کیا جائے جن میں حضور ﷺ غار میں قیام، عبادت، نماز، روزہ کیا کرتے تھے اور انسانیت کے حوالے سے سوچا کرتے تھے۔ تو اس حوالے سے اگر دیکھا جائے تو ان دونوں سفر ناموں کا تعلق مذہب اسلام سے ہے اور بحیثیت مسلمان مصنف نے یہ دونوں سفر اختیار کیے اور مذہبی سفر نامے لکھے۔

اشفاق احمد مستنصر حسین تارڑ کے سفر ناموں پر ان الفاظ میں اظہار خیال کرتے ہیں:

"مستنصر حسین تارڑ کے قلم میں بڑا زور ہے فقروں کی بناوٹ میں بڑا حسن ہے بات کرنے میں بڑی شوخی ہے، پر اس کی ہر سوچ ابھی جوان ہے جو ہر اچھی لڑکی اور ہر سوہنی تحریر کے پیچھے لگ جاتی ہے۔ اس نے بہت سے سفر کئے اور بہت کچھ دیکھا ہے

اور پر کھا ہے اس پر بہت کچھ بیتا ہے پر یہ ابھی تک لکھتا کتاب و شنید سے ہے۔ ان ذاتی خزانوں کے بدلے میں غیروں کے پھلیاں بتاشے لے کر انہیں کڑکاتا ہے اور اپنا لہو پسینہ بہا کر پیسہ بناتا ہے یہ بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ یہ خرابی ہم سب میں موجود ہے کہ ہم کتاب بہ کتاب شاعر بنتے ہیں اور کتاب بہ کتاب قصہ گو، لیکن مستنصر حسین تارڑ کو اس کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ وہ تو بہت چلتا پھرتا آدمی ہے، بہت میل ملاپ والا نوجوان ہے۔۔۔۔۔" (۵)

ان دونوں سفر ناموں میں اللہ اور رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی ذات کے حوالے سے اعلیٰ درجے کی عقیدت و احترام دیکھنے میں آتی ہے۔ "منہ ول کعبے شریف" سے یہ مثال ملاحظہ فرمائیے۔

"میں کھڑکی کے شیشے پر آنکھیں جھپکتا اپنے تئیں اپنی نظر کو نیچے اتارنے لگا کہ اے بینائی اگر تو بینائی ہے تو یہ وہ لمحہ ہے جب تو یہ ثابت کر سکتی ہے کہ تو سچ مچ بینائی ہے۔۔ اور پھر اس نابینائی میں کچھ بینا ہوا۔۔ دیدہ بینا ہوا۔۔" (۶)

اس اقتباس کو پڑھنے سے قاری کو مصنف کی اللہ اور رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے حوالے سے رکھنے والی عقیدت سے بخوبی واقفیت حاصل ہو جاتی ہے کہ کس طرح سے مصنف جہاز کی کھڑکی میں کھڑا ہو کر اپنی نظروں کو نیچے جما کے رکھے ہوئے ہے کہ کب اللہ کے گھر کے راستے کی زیارت نصیب ہو گی اور ایک وہ لمحہ آئے گا جب وہ اس تجلی کو دیکھے گا۔ یہ مصنف کی اعلیٰ درجے کی عقیدت و محبت ہے اپنے تمام تر زاویوں کے ساتھ قاری کے دل کو منور کرتی ہے۔

غار حرا میں رات قیام کرنے کے حوالے سے مصنف کی عقیدت بہت گہرائی تک جاتی ہے۔ اس کی وجہ آپ کا وہ شوق اور بے چینی ہے جو مصنف کو تڑپا رہی ہوتی ہے۔ مدینہ پہنچنے پر آپ اپنی اس عقیدت و محبت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"مدینے ایسے شہر میں تو انسان بے شک اندھا ہو تو بھی یہ اس کی سب سے بڑی خوش قسمتی ہو گی۔ مدینے میں ہونا ایسا ہوتا ہے"۔ (۷)

مصنف کو اگر اس شہر سے جو رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا شہر ہے اتنی محبت و عقیدت ہے تو اس غار سے محبت کا کیا عالم ہو گا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے۔

منہ ول کعبے شریف سفر نامہ حج ہے اس میں حج کی تفصیلات کے بعد زیارات کی طرف روانگی کا حال بیان کیا گیا ہے مثلاً اس میں سوئے طائف، مسجد عداس، سوئے مدینہ، مسجد نبوی کا احوال و تذکرہ اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، جنت البقیع، جبل احد، قبا اور مدینہ کے حوالے سے نہایت مفصل انداز میں بیان کیا گیا ہے۔"

غار حرا میں ایک رات "مستنصر حسین تارڑ کا ایسا سفر نامہ ہے جس میں غارِ حرا میں جا کر رات قیام کرنے کے حوالے سے مستنصر حسین تارڑ کی تڑپ دیکھنے کو ملتی ہے اس کے ساتھ ساتھ سفر نامے کے آغاز میں زیارات کا احوال اور مقدس مقامات کے تذکرے دیکھنے کو ملتے ہیں مثلاً مدینے میں ہونا، اماں ماریہ قبطیہ کے گھر، کعب بن اشراف کا قلعہ، بنو نضیر کی بستی، بنو قریظہ کے آثار، مسجد رانونہ کے کھنڈر بیئر غرص کے کنویں، مسجد قباء فارس کا سلمان، سلمان فارسی کی خندق اور تیر اندازوں کا ٹیلہ، شہر اماں حوا یعنی جدہ میں ہونا اور پھر آخر میں غار حرا میں رات بسر کرنے کے حوالے سے اپنے احوال اور کیفیات کو مصنف نے نہایت اچھے اور جامع انداز میں بیان کرنے کی سعی کی ہے۔ دونوں سفر ناموں میں زیارات کو موضوع خاص بنایا گیا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ کو سیاحت کا شوق جوانی کی عمر سے ہی تھا لیکن اپنے اس شوق کے حوالے سے آپ نے کبھی بھی اکیلے سفر کرنے کو پسند نہیں کیا بلکہ اس شوق کی تکمیل میں ہمیشہ آپکے ہمراہ کوئی نہ کوئی آپکا قریبی ساتھی، رشتے دار یا پھر فیملی کے افراد لازماً شامل سفر رہے ہیں۔ اس طرح آپ کے ان دونوں سفر ناموں "منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" میں ان کی فیملی کے افراد سفر میں آپ کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ سفر نامہ حج میں ان کے بیٹے سمیر آپ کے شانہ بشانہ ساتھ رہے جبکہ "غار حرا میں ایک رات قیام" میں آپ کی اہلیہ آپ کے ساتھ شریک سفر تھیں۔ "منہ ول کعبے شریف" سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"ہم دونوں بھی حج کی نیت سے ہی گھر سے نکلے تھے۔ سمیر نیلی جین اور ٹی شرٹ میں تھا اور میں اپنے دیسی شلوار کرتے میں"۔ [۸]

"غار حرا میں ایک رات" سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔

"تو میں پھر مدینے میں تھا۔۔ سلجوق ابھی تک جدہ میں تعینات تھا۔۔ ہمارا منتظر تھا۔۔ بلکہ اپنی امی کا منتظر تھا۔۔ جدہ ائیر پورٹ پر سلجوق کے ہمراہ رنگین آنکھوں والی اپنی بہو رابعہ دیکھ کر ہم دونوں کھل اٹھے۔۔ وہ ہمیں گھر لے گئے"۔ [۹]

مستنصر حسین تارڑ کے ان دونوں سفر ناموں "منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" میں اسلامی تاریخی حوالہ جات پائے جاتے ہیں۔ مصنف کو چونکہ تاریخ سے لگاؤ ہمیشہ سے ہی رہا ہے اس لیے آپ نے اپنے ان دونوں مذہبی سفر ناموں میں بھی تاریخ کو نظر انداز نہیں کیا اور جہاں پر مناسب سمجھا اسلامی تاریخی حوالے دے کر اپنی بات کو قاری تک پہنچانے کی سعی کی۔ مصنف کا تاریخی مطالعہ بہت زیادہ ہے لیکن چونکہ یہ مذہبی سفر نامے ہیں اور حج اور غارِ حرا کے حوالے سے مخصوص ہیں تو مصنف نے زیادہ تاریخی پہلوؤں کو شامل نہیں کیا بس جہاں مناسب سمجھا ان کا ذکر کر دیا۔ "منہ ول کعبے شریف" میں حضور ﷺ کی مدینے آمد اور ان کی اونٹنی کے پڑاؤ کے حوالے سے مصنف نے خوبصورت تاریخی احوال کو بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

> "یہ فیصلہ کرنا میرے اللہ کے بس میں ہے کہ مجھے کہاں ٹھہرنا ہے۔۔ اور میری اونٹنی اللہ کے حکم کی پابند ہے۔۔ آپ اس کا راستہ چھوڑ دیں۔۔" (۱۰)

مصنف نے اس اسلامی تاریخی واقعے کو نہایت اچھے اور عمدہ انداز میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح سے "غار حرا میں ایک رات" میں بھی آپ نے اسلامی تاریخی حوالوں کو سفر نامے کا حصہ بنایا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی پیدائش اور وفات کے حوالے سے مصنف نے اسلامی تاریخی حوالے دیئے ہیں حضرت ابراہیمؑ حضور ﷺ کے بیٹے تھے اور حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے آپ نے جنم لیا تھا آپ اپنے باپ کی شکل کے تھے اور بچپن میں ہی دنیائے فانی سے کوچ کر گئے تھے غالب امکان یہ ہی تھا کہ اگر آپ زندہ رہتے تو ہو بہو اپنے والد جیسے ہوتے، اور لوگ انہیں دیکھ کر دھوکہ کھا جاتے۔ ماریہ قبطیہ وہ واحد امہات المومنین ہیں جو مسجد نبوی سے ملحقہ حجروں میں حضور و ﷺ کی دوسری بیگمات کے ساتھ نہ رہتی تھیں۔ یہ ایک کنیز تھیں اور مدینے میں ایک الگ گھر میں رہتی تھیں یہ سیاہ فارم کنیز تھیں۔ مصنف ابن ہشام کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

> "مدرہ کے کالے کلوٹے گھونگھریالے بالوں والے ذمیوں (حبشیوں) کے بارے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ ان سے میرا نسب کا رشتہ بھی ہے اور سمدھیانہ بھی"۔ (۱۱)

دونوں سفر ناموں "منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" میں آسان اور سادہ زبان کو استعمال کیا گیا ہے۔ مصنف نے کہیں بھی مشکل الفاظ کا استعمال کر کے اپنے قاری کو کسی پریشانی میں مبتلا کرنے

کی کوشش نہیں کی۔ یوں بھی مستنصر حسین تارڑ کو پڑھنے والے تعداد میں بہت زیادہ ہیں یہ عام عوام ہیں ان کا تعلق زبان و ادب سے نہیں ہے اس لیے مصنف نے اس بات کا خاص خیال رکھتے ہوئے آسان اور سادہ اسلوب کو سفر ناموں کا حصہ بنایا ہے۔ "منہ ول کعبے شریف" سے مثال ملاحظہ فرمائیے:

"جب پہلی بار مکہ نظر آیا اس کی عمارتیں شاہراہیں اور مینار سامنے ایک حقیقت کے طور پر ظاہر ہوئے تب بھی یہ اثر نہ ہوا کہ اتنی بلندی سے جو نظر آتا تھا، وہ حقیقت سے پرے گمان کی سرحدوں تک جاتا تھا"۔ [۱۲]

"غار حرا میں ایک رات" میں بھی مصنف نے انتہائی آسان اور سادہ زبان کا استعمال کر کے تحریر کو ایک جان بخشی ہے۔ آسان الفاظ ہر خاص و عام کی سمجھ میں آ جاتے ہیں لیکن اگر ان کی جگہ مشکل الفاظ و تراکیب کا اگر استعمال کیا جائے تو وہ بعض اوقات ان لوگوں پر گراں گزرتے ہیں۔ جنہیں ادب اور زبان سے زیادہ واقفیت نہیں ہوتی۔

دونوں سفر ناموں میں مصنف نے نہایت آسان اور مفاہیم کے لحاظ سے وسیع تشبیہات کا استعمال کیا ہے۔ تحریر کو پڑھتے ہوئے قاری کو محسوس بھی نہیں ہوتا کہ کہاں پہ تشبیہ کو استعمال کیا گیا اس کی وجہ اسلوب کی سلاست اور روانی ہے کہ قاری اس میں اس قدر کھو جاتا ہے کہ اسے اپنے ارد گرد کے ماحول تک کا پتہ نہیں چل رہا ہوتا۔ "غار حرا میں ایک رات" کے حوالے سے یہ تشبیہ دیکھیے:-

"پہلا قدم رکھا تو گویا سو کلو میٹر دور جبل نور کے دامن میں جا قدم رکھا ہے تو میرے پاؤں میں شدید خوف ایک آکاش بیل کی مانند لپٹ گیا ہے۔ ان میں ڈر بھر گیا ہے۔ ایسا ڈر ایسا ڈر جو رینگتا ہوا میرے پاؤں سے سرکتا ٹانگوں کے راستے میرے دل کے گرد پہنچ کر ایک آسیب کی مانند مسلط ہو جاتا ہے"۔ [۱۳]

"منہ ول کعبے شریف" میں بھی مصنف نے نہایت آسان اور عمدہ تشبیہات کا استعمال کیا ہے۔ یہ تشبیہات اپنے اندر چھوٹی چھوٹی جزئیات لیے ہوئے ہیں۔ مصنف ایک خیال کو سمجھانے کے لیے چھوٹی چھوٹی کہیں تشبیہات کا استعمال ایک ساتھ کر دیتے ہیں تاکہ قاری بات کو ہر حال میں سمجھ جائے۔ "منہ ول کعبے شریف" سے یہ مثال ملاحظہ فرمائیے:

"لاکھوں آوازوں کی گونج کانوں میں اترتی تھی تو بدن کانپنے لگتا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔
یہ کیا ہے جو میں نہیں جانتا تھا۔۔ جیسے پہلا بوسہ جیسے اولین عشق۔۔ جیسے فیری میڈو کی
برفوں میں سے نمودار ہونے والا سٹرابیری کا پہلا سفید پھول۔۔" (۱۴)

دونوں سفر ناموں میں پنجابی زبان اور اشعار کا استعمال کیا گیا ہے۔"منہ ول کعبے شریف" میں تو یہ استعمال کافی زیادہ دیکھنے میں آتا ہے جبکہ "غار حرا میں ایک رات" میں یہ استعمال کم دکھائی دیتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ "منہ ول کعبے شریف" اس سفر نامے کا نام ہی پنجابی زبان میں ہے اس لیے اس سفر نامے میں پنجابی کا استعمال مصنف کی جانب سے زیادہ کیا گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ اور بھی ہے کہ مصنف کا تعلق بھی پنجابی گھرانے سے ہے ۔

"منہ ول کعبے شریف" کے عنوان کے حوالے سے مصنف رقم طراز ہیں:

"اس کا نام "منہ ول کعبے شریف" ہے کیونکہ میری نانی جان نے مجھے نماز سکھائی تھی تو
کہا تھا کہ بیٹا! نیت ہمیشہ پنجابی میں کرتے ہیں اپنی مادری زبان میں کرتے ہیں تو میں جب
بھی نماز پڑھتا ہوں تو "منہ ول کعبے شریف" ہوتا ہے"۔ (۱۵)

"منہ ول کعبے شریف" میں مصنف جب جدہ شہر میں داخل ہوتے ہیں تو ہر طرف خوبصورتی اور روشنیاں مصنف کو حیرانی میں مبتلا کر دیتی ہیں اس حوالے سے یہ اقتباس پنجابی زبان میں ملاحظہ فرمایئے۔

"حاجی لوگ مکے نوں جاندے، اسا جانا تخت ہزارے، جت ول یار اُتے دل کعبہ، بھویں
پھول کتاباں چادے"۔ (۱۶)

غار حرا میں ایک رات قیام کے دوران جب مصنف صحن میں چہل قدمی کی غرض سے نکلتے ہیں تو اس صحن کو دیکھ کر انہیں اپنی نانی، مسجد قرطبہ اور مسجد امیہ کے صحن یاد آ جاتے ہیں اس حوالے سے کہتے ہیں:

"کدی آوڑ ویہڑے وِلے، میں لک چھپ نیر بہاواں" (۱۷)

دونوں سفر ناموں کی ایک مشترک خصوصیت ان میں اردو اور پنجابی زبان کی آمیزش کا استعمال کرتے ہوئے بھی خوبصورت فقرے تخلیق کیے گئے ہیں۔ اس حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔

"اس ویہڑے میں شاہ حسین مست ہوتے۔ بلھے شاہ نچے اور روہی کے ویہڑے میں
خواجہ فرید ہر حال آئے۔ لیکن غار حرا کے آگے جو چھوٹا صحن ہے۔ جس ویہڑے میں
سب کے رانجھن آیا کرتے تھے یہ ان تمام صحنوں اور ویہڑوں کی ماں ہے"۔ (۱۸)

"منہ ول کعبے شریف" میں مصنف نے حضور ﷺ کی قصویٰ اونٹنی کا ذکر نہایت اچھے انداز میں کیا۔ حضور ﷺ اسی قصویٰ پر سوار ہو کر حجتہ الوداع کے موقع پر میدان عرفات پہنچے تھے، اور آخری خطبہ حج ادا کیا تھا اس حوالے سے مصنف نے قصویٰ کا گلیوں میں سے گزرنا اور چھن چھن کرنے کا احوال ان خوبصورت اردو اور پنجابی کی آمیزش سے تیار کیے گئے اشعار میں بیان کیا ہے۔ اشعار ملاحظہ فرمایئے:

قصوی جیسے میرے سامنے چھن چھن کرتی گزرتی تھی
چھن چھن کر دی گلی وچوں لنگدی
ساڑھے سجناں دی ڈاچی بادامی رنگ دی
ڈاچی والیا موڑ مہار وے (۱۹)

مستنصر حسین تارڑ کے یہ دونوں سفر نامے بیانیہ ہیں اور ان میں مکالمے شروع سے آخر تک موجود ہیں کرداروں کو متعارف کروانے کے لیے مصنف نے مکالموں کا ہی سہارا لیا ہے۔ وہ کردار کے ظاہر اور باطن کو یکجا کر کے ایک بھرپور شکل فراہم کر دیتے ہیں۔ ان مکالموں کے بہترین استعمال سے ہی وہ فکری گتھیاں سلجھاتے چلے جاتے ہیں "منہ ول کعبے شریف" میں مصنف نے حج کی کیفیات اور مناسک حج کے حوالے سے تبصروں کو سفر نامے کا حصہ بنایا ہے۔ طواف کے لمحات کے حوالے سے یہ خوبصورت مکالمہ ملاحظہ فرمایئے:

"سمیری سنا ہے کہ طواف کے دوران یا نماز پڑھتے ہوئے براہ راست خانہ کعبہ کو نہیں دیکھتے۔ کیوں نہیں دیکھتے۔ میرا جی چاہتا ہے اسے دیکھتے رہنے کو۔۔ میں تو دیکھوں گا ابو چاہے اجازت نہ بھی ہو۔ یہ نہیں کہ میں منہ اٹھائے صرف خانہ کعبہ کو ہی اپنی توجہ کا مرکز بنائے چلتا جا رہا تھا بلکہ میرے آگے پیچھے برابر میں جو لوگ بچے بڑے بوڑھے، عورتیں ۔۔ لڑکیاں طواف میں مگن تھی۔ میں ان کو بھی ایک منجمد مسکراہٹ کے ساتھ ایسے تکتا تھا جیسے ایک بچہ جب پہلی بار میلے میں آتا ہے تو اس میں شامل بے شمار لوگوں کو دیکھ کر حیرت اور خوشی میں مبتلا ہو تا ہے"۔ (۲۰)

غار حرا میں قیام کے دوران مصنف کا سامنا یوں تو کہیں لوگوں سے ہوا لیکن ایک بنگالی بابا اس حوالے سے کافی مشہور ٹھہرے اور مصنف کے ان کے ساتھ مکالمے بھی کافی جاندار ہیں۔ بنگالی بابا کا لہجہ ٹھیٹھ بنگالی تھا۔

مصنف کو ان کے ساتھ بات چیت کرنا کافی مشکل محسوس ہو رہا تھا لیکن پھر بھی آپ نے اچھی کوشش کی۔ یہ مکالمہ معلومات کی غرض سے حاصل کیے گئے سوالات پر مشتمل تھا۔ ملاحظہ فرمایئے:

"بابا آپ کا پورا نام کیا ہے؟

"نور اللہ"

بنگال میں بال بچہ ہے؟

ہاں ہے

آپ کبھی خانہ کعبہ نہیں جاتا؟

"جاتا ہے جمعہ کا روز نیچے اترتا ہے۔ ہر جمعہ نہیں کبھی کبھی جمعہ"

"بارش ہوتی ہے تو کیا کرتا ہے"

"گار کے اندر چلا جاتا ہوں"

بابا ادھر خوائج ضروریہ کیسے کرتا ہے؟

"ادھر سے نیچے اترتا ہے۔ راستہ بنالیا ہے۔ جائے گا؟

نہیں ابھی نہیں۔

دونوں سفر ناموں میں منظر نگاری کے بہترین نمونے پائے جاتے ہیں اور یہ منظر نگاری سفر نامے کی مقبولیت میں اضافے کا باعث بھی بنتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہر خاص و عام اُس علاقے کی سیر ایسے کرتا ہے جیسے وہ خود وہاں پر موجود ہو۔ مناظر کے بیان کے حوالے سے مصنف کا اندازِ بیان نہایت عمدہ ہے۔ مصنف جب جدہ پہنچے تو وہاں کی روشنیاں اور خوبصورتی دیکھ کر حیران رہ گئے۔ منظر نگاری اور جزئیات نگاری بیانیہ اسلوب کا ایک اہم عنصر ہے بعض لوگ منظر نگاری کو صرف فطرت تک محدود کر دیتے ہیں لیکن مصنف کے ہاں ایسا بالکل بھی نہیں۔ "منہ ول کعبے شریف" سے اقتباس دیکھیے:

> "اگر مجھ سے دریافت کیا جائے کہ جدہ کے بارے میں آپ کے ذہن میں کیا کہاوت ہے تو میں اسی کہاوت میں اضافہ کرتے ہوئے عرض کرونگا کہ: جدہ میں روشنیاں ہوتی ہیں اور بے شمار روشنیاں ہوتی ہیں۔ جدہ میں لوگ دن رات چکن کھاتے ہیں اور کھاتے ہی چلے جاتے ہیں۔ جدہ میں سپر سٹورز، فیشن ہاؤسز اور شاپنگ مالز ہوتی ہیں اور

اس کے علاوہ بھی ہوتی چلی جاتی ہیں۔ جدہ میں نئی نکور ڈلکتی لشکتی ابھی نئے پن کے کنوار پن کی مہک میں رچی کاریں ہوتی ہیں اور ہوتی ہی چلی جاتی ہیں"۔ (۲۱)

"غار حرا میں ایک رات" میں بھی مصنف نے جابجا خوبصورت اور دلکش مناظر کے بیان کے ساتھ قاری کو اس منظر میں پہنچانے کی سعی کی ہے۔ غار حرا میں رات قیام کے دوران مصنف کی شدید خواہش رہی کہ آسمان ستاروں کے جھنڈ سے بھر جائے اور وہ انہی نگاہوں سے ستاروں کی چال کا مشاہدہ کریں جن آنکھوں سے حضور ﷺ کیا کرتے تھے۔ لیکن مصنف کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی کیونکہ آسمان ستاروں سے خالی تھا۔ یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

"اس بے روح چاند کی اوٹ میں یا آس پاس۔ دور یا کوئی ستارا نہ تھا۔ مجھے آس تو یہی تھی کہ غار حرا کی رات میں میرے اوپر ایک ستاروں سے الجھا ہوا اور اٹا ہوا بے شمار اور بے حساب ستاروں بھرا آسمان ہو گا۔ کہیں کوئی سرسراہٹ نہ تھی"۔ (۲۲)

ان دونوں مذہبی سفر ناموں میں مصنف نے قوت متخیلہ کا استعمال نہایت اچھے اور عمدہ انداز میں کیا ہے۔ قوت متخیلہ ایسی قوت ہے جس میں معلومات کا وسیع ذخیرہ، تجربات اور مشاہدات پہلے سے موجود ہوتے ہیں اور یہ قوت انہیں مناسب اور متوازن ترتیب دے کر ایک ہی صورت بخش دیتی ہے۔ اس حوالے سے ذوالفقار علی احسن یوں رقمطراز ہیں:

"مستنصر حسین تارڑ کے سفر ناموں میں تخیل، افسانویت اور زبان کی چاشنی درجہ کمال پر ہے۔ یہ رنگ ان کی پوری سفر نامہ نگاری پر حاوی نظر آتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مستنصر حسین تارڑ کی سفر نامہ نگاری شوخ رنگوں کی دلکش تصویر ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ ان کی دھنک رنگ تحریر جب افسانوی انداز اختیار کرتی ہے تو عبارت دو آتشہ ہو جاتی ہے اور قاری اسے مزے لے لے کر پڑھتا ہے"۔ (۲۳)

مستنصر حسین تارڑ کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ فکر، تخیل اور اعلیٰ اندازِ بیان عطا کیا ہے۔ ان کے سفر نامے "منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" میں حسن اپنے اعلیٰ درجے پر فائز دکھائی دیتا ہے۔ زندگی کے مشاہدات، تجربات، فکر انگیز مدبرانہ سوچ آپ کے ان دونوں مذہبی سفر ناموں میں اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ آپ کے ان دونوں سفر ناموں میں جا بجا قوت متخیلہ کے ذریعے تحریروں میں تخیلاتی تصویریں آنکھوں کے سامنے چلتی پھرتی محسوس ہونے لگتی ہیں۔ اپنی سوچ کا اظہار کرنا اور اسے دوسروں تک

پہنچانا ایک نہایت مشکل کام ہے لیکن مصنف اس فن سے خوب واقفیت رکھتے ہیں۔"غار حرا میں ایک رات" سے یہ اقتباس دیکھیے:

"میں بہت احتیاط سے ذرا پہلو بدلتا۔ ذرا حرکت کرتا اور یوں وہ پاؤں اور ہتھیلیوں کے عکس بھی میرے بدن پر اپنی جگہ بدلتے۔ میرے حرکت کرنے سے وہ ذرا آگے پیچھے ہوتے۔ تو مجھے لگتا کہ حضور ﷺ میرے وجود پر چلتے ہیں۔ ان کے پاؤں میرے بدن پر چلتے ہیں۔ ان کی ہتھیلیاں حرکت کرتی ہیں اور مجھے ڈھارس دیتی ہیں۔ تو حضور ﷺ میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں کہ تم نے غم نہیں کرنا، حوصلہ رکھنا ہے اس حیات میں تمہارے ساتھ ہوں۔"(۲۴)

مندرجہ بالا اقتباس میں مصنف کی قوت متخیلہ بلند پروازی پر دکھائی دیتی ہے۔ یہ تحریر کو اس بلندی پر لے گئی ہے جہاں پر مصنف اس کو اپنی تخیل کی آنکھ سے دیکھنا چاہتا ہے۔

مصنف نے تقریباً تمام مناظر کو اپنی تخیل کی آنکھ سے دیکھ کر مزید رونق بخشی ہے۔ قوت متخیلہ کے عمل کے ذریعے انسان کی سوچ وسیع ہوتی چلی جاتی ہے۔ مصنف کے دوسرے مذہبی سفر نامے "منہ ول کعبے شریف" میں بھی قوت متخیلہ بہت گہرائی میں جا کر کام کرتی دکھائی دیتی ہے۔ حضور ﷺ کے پاس ایک اونٹنی قصویٰ تھی۔ حضور ﷺ اس سے بہت پیار و شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے یہ اونٹنی چلتے چلتے جہاں پڑاوٗ ڈالتی تھی حضور ﷺ وہاں ہی قیام فرماتے تھے مصنف نے حضور ﷺ کی اونٹنی قصویٰ کا ذکر نہایت عقیدت مندی سے کیا ہے۔ آخری خطبہ حج جو حضور ﷺ نے میدان عرفات میں ادا کیا تھا حضور ﷺ اسی قصویٰ پر سوار ہو کر میدان عرفات میں تشریف لائے تھے۔ جن راستوں پر قصویٰ چلی تھی وہ راستے بھی عجب جمال کے تھے اور مصنف نے ان راستوں کو اپنی تخیل کی آنکھ سے دیکھا اور پھر تحریر کا حصہ بنا دیا۔"منہ ول کعبے شریف" سے یہ اقتباس دیکھیے:

"اور مجھے ایک عجیب سا خیال آیا۔ بے شک لاکھوں کا ہجوم ہے۔ میں تنہا نہیں ہوں لیکن کیا بعید جہاں میں چلتا ہوں یہاں قصویٰ کی کچھ مینگنیاں گری ہوں تو میں احتیاط کرنے لگا مبادا میرے پاؤں ان پر آ جائیں وہ اگرچہ یہاں نہیں تھیں لیکن شاید کبھی تھیں۔"(۲۵)

ان دونوں سفر ناموں میں کہانی پن کے عناصر بھی پائے جاتے ہیں کسی بھی تحریر میں کہانی کی خصوصیات کا ہونا اسے افسانویت والا انداز فراہم کرتا ہے قاری کو سفر میں ساتھ جوڑنے کے لیے کہانی کا انداز نہایت اہمیت کا حامل ثابت ہوتا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ چونکہ ایک بہت اچھے ناول نگار بھی ہیں اس لیے کہانی کا یہ انداز ہمیں ان کے ان دونوں مذہبی سفر ناموں میں بھی دکھائی دیتا ہے۔"منہ ول کعبے شریف" سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

> "ہماری سمجھ میں نہ آیا کہ ہم نے کیا کرنا ہے، دبکے بیٹھے رہے سپیڈ نہ دکھائی اور اس دوران دو تین نوخیز سپاہی اگلی بس کو زدوکوب کر کے اسے چلے جانے پر مجبور کرنے کے بعد نہایت غصیلی خصلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمارے ساکت شدہ کوسٹر کی طرف لپکتے ہوئے آئے ہمیں تو نہیں کہ ہم تو ابھی تک اندر دبکے بیٹھے تھے البتہ کوسٹر کی باڈی کو ڈنڈوں سے خوب پیٹا"۔ (۲۶)

سفر نامے کو کہانی کے انداز میں لکھنے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے دھیان آگے پیچھے نہیں ہوتا پڑھنے والا بوریت کا شکار نہیں ہوتا۔ اس کے ذریعے سے انتظار کی ایک فضا بھی قائم رہتی ہے کہ اب آگے کیا ہونے والا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کا کمال یہ ہے کہ وہ سفر نامے کو ایسے انداز میں بیان کرتے چلے جاتے ہیں کہ اس سے قاری کے اوپر اپنی پوری گرفت قائم کر لیتے ہیں اور قاری کو ادھر ادھر بھٹکنے نہیں دیتے۔ مصنف کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ روداد سفر بیان کرتے ہوئے قدرے تفصیل میں بھی چلے جاتے ہیں۔ وہ اتنا کھو کر کہانی میں مصروف ہو جاتے ہیں کہ انہیں اس بات کا اندازہ ہی نہیں رہتا کہ سفر نامہ کب طول پکڑ تا جا رہا ہے۔"غار حرا میں ایک رات" سے یہ اقتباس دیکھیے۔

> "تبتی کھیس کا رنگین دھاریوں والا تھیلہ تکیے کا کام دے رہا تھا اور میرے سر کو بقیہ بدن سے صرف اتنا اونچا رکھا ہوا تھا کہ میں اطمینان سے اگر صحن کو دیکھتا ہوں تو مسلسل دیکھتا رہوں"۔ (۲۷)

مصنف نے ان دونوں مذہبی سفر ناموں میں ہر واقعے کو چھوٹی چھوٹی جزئیات کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور کہانی پن کو پیدا کیا ہے۔ کہانی پن کا یہ انداز قدرے واضح اور صاف دکھائی دیتا ہے کہانی پن کا انداز بعض اوقات سفر نامے کو طویل کرتا چلا جاتا ہے تو اس سے قاری بوریت کا شکار ہونے لگتا ہے لیکن

مستنصر حسین تارڑ کو اپنی تحریروں میں یہ کمال بھی حاصل ہے کہ وہ فوراً انداز بدل کر کہانی کو دوسری ڈگر پر ڈال کر اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔

طنز و مزاح کے عناصر بھی ان دونوں مذہبی سفر ناموں میں جابجا دیکھنے میں آتے ہیں۔ طنز و مزاح بیک وقت دو متضاد معنی و مفہوم رکھنے کے باوجود ایک دوسرے کے لازم و ملزوم بھی ہیں۔ طنز کرنا اگر فن کی ضرورت ہے تو مزاح طنز کا ہی لازمی جزو بھی ہے۔ مستنصر حسین تارڑ ایک ایسے سفر نامہ نگار ہیں جن کے مخصوص انداز بیان اور مزاح کے ہلکے پھلکے انداز نے ان کی تحریروں خصوصاً سفر ناموں کو ادبیت اور ابدیت دونوں عطا کی ہیں۔ وہ انتہائی سادہ اور معمولی واقعات کے بیان میں مزاح پیدا کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ "غار حرا میں ایک رات" کے حوالے سے یہ اقتباس دیکھیے:

> "امانت نے جب دیکھا کہ میں نے رخت سفر کمر پر باندھ لیا ہے اور اس سے کچھ لاتعلق سا ہو گیا ہوں اور ہاتھ ملا کر اسے شکریہ ادا کرنے کے بعد خدا حافظ کہتا ہوں تو اس نے کار کے بانٹ کے ساتھ ٹیک لگا کر ان ڈرائیوروں کے اطمینان کے ساتھ جن کی بیگمیں انہیں شاپنگ مالز میں ایک طویل عرصے کے لیے ترک کر رہی ہوتی ہیں اور وہ انتظار کی کوفت مٹانے کے لیے ایک سگریٹ سلگا لیتے ہیں اس نے بھی ایک سگریٹ سلگا لیا وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ بیگم کچھ بے ایمان ہے۔ ہو سکتا ہے کہ واپس ہی نہ آئے" (۲۸)

مصنف کے ہاں معلومات فراہم کرنے کا اپنا ایک مخصوص انداز ہے اس حوالے سے وہ کبھی طنز و مزاح کا سہارا لیتے ہوئے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ تحریر میں قاری کو کہیں بھی بوریت محسوس نہ ہو اس لیے وہ اپنی تحریروں میں مزاح کا عنصر پیدا کر کے ان میں لطافت اور شگفتگی کی فضا قائم کر دیتے ہیں۔ مزاح کے پردے میں رہ کر وہ بعض اوقات بہت سنجیدہ باتیں بھی کہہ جاتے ہیں۔ انسانی معاملات کے باریک باریک جذبوں کو بھی وہ اپنے گہرے مشاہدے کی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ "منہ ول کعبے شریف" میں وہ سعودی عورتوں کے مخصوص لباس کے حوالے سے بات کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> "اور تہلیہ کے شیشے کے شوکیسوں میں بغیر سر کے بقیہ بدن کی اشتعال انگیزی کے ساتھ وہ بت کھڑے ہیں جن کے صرف بدن تھے۔ سر نہیں تھے۔۔ یہ سعودی عورت کی بھرپور نمائندگی کرتے تھے۔ ایک مستند روایت کے مطابق یہ عرب خواتین کے

محبوب پہناوے ہیں اور پرائیویٹ پارٹیوں میں حجاب کی بجائے فیشن گھروں کے یہ ہی خصوصی لباس ہوتے ہیں اور بے حجاب ہوتے ہیں"۔(۲۹)

مصنف کو یہ بھی کمال اپنی تحریروں اور خصوصاً سفر نامے کے حوالے سے حاصل ہے کہ ان کی گہری نگاہ تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے حج کے موقع پر شیطان کو کنکریاں مارنے کے حوالے سے ان کی سوچ ہمیشہ سے ہی تذبذب کا شکار رہی ہے۔ وہ ہمیشہ اسی بے چینی میں رہے کہ شیطان کے بت کو کنکریاں مارنے کے پیچھے کیا حکمت ہو سکتی ہے اور آخر میں کافی سوچ کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ شیطان کو کنکریاں مارنے کا اصل مقصد انسان کا اپنے آپ کو کنکریاں مارنا ہے۔ مصنف کا مشاہدہ اور مطالعہ بہت گہرا ہے اور وہ ہر شے کے مضحک پہلو کو پوری مہارت سے دیکھنے کی سعی کرتے ہیں۔"منہ ول کعبے شریف" سے یہ اقتباس دیکھیے:

> "البتہ دوسرے چھوٹے شیطان کو کنکریاں مارتے ہوئے میں نے یہ محسوس کیا کہ اس کے چہرے پر ایک شیطانی مسکراہٹ ہے۔۔ تم مجھے اور ہمارے ابا جی کو ہزاروں برسوں سے کنکریاں مار رہے ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ تم ہمیں ابھی تک ہلاک نہیں کر سکے تو آج کیا کرو گے۔ اب میں شیطان کی یاوہ گوئی پر کیا کان دھرتا۔۔ اور وہ بھی بچہ شیطان"۔(۳۰)

دوسروں پر ہنسی اڑانا اور مذاق بنانا تو ہر ایک کے لیے ایک آسان کام ہو سکتا ہے لیکن جب بات اپنی ذات کی آئے تو پھر اس وقت مذاق اڑانا آسان بات نہیں ہوتی اس حوالے سے مصنف کا انداز کچھ الگ ہے کیونکہ انہوں نے غالب کی طرح خود کو بھی تضحیک کا نشانہ بنایا ہے۔"منہ ول کعبے شریف" سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

> "گھر سے نکلتے ہوئے بے خبری میں ایک قد آدم آئینے پر نگاہ پڑ گئی میں ایک حریص رو من پیٹو لگ رہا تھا۔ ٹوگا باندھے۔ نیم سرخ آنکھوں والا ایک نیرو جو بنسری بجانے کا شوقین تھا روم کے جلنے کی مسرت میں"۔(۳۱)

ان دونوں مذہبی سفر ناموں کی ایک اور اہم مشترک خصوصیت ان میں موجود خود کلامی کے عناصر ہیں خود کلامی بھی مکالمے کی طرح سفر نامے کی ایک اہم ترین ضرورت ہوتی ہے۔ خود کلامی کے ذریعے مصنف وہ کچھ کہہ سکتا ہے جو وہ عام حالات میں کہہ نہیں سکتا یا پھر یہ وہ احساسات وجذبات بھی ہو سکتے ہیں جن کو وہ دوسروں تک پہنچانا تو چاہتا ہے لیکن اسے سمجھ نہیں آرہی ہوتی کہ اپنی بات دوسروں تک کیسے پہنچائے تو وہ خود

کلامی کے ذریعے وہ سب کچھ بآسانی کہہ دیتا ہے ایک اچھا سفر نامہ نگار خود کلامی کا استعمال کرتے ہوئے سفر نامے کو اس کی اصل حقیقت کے قریب لے جاتا ہے اس میں حقائق واضح طور پر نظر آنے لگتے ہیں۔ "غار حرا میں ایک رات" کے حوالے سے یہ خود کلامی کا انداز ملاحظہ فرمایئے:

"ایک خدشے نے سر اٹھایا کہ بے شک اس لمحے تم جبل نور پر ہو۔ کوئی اور بھی تو آ سکتا ہے۔ ابھی سرنگ میں سے برآمد ہو کر صحن میں آ سکتا ہے تو تنہائی کا یہ دھاگہ ٹوٹ جائے گا۔ یہ جو ربط ہے میری تنہا ذات کا اس غار سے اس کی صحن سے ہر ایک پتھر سے اس میں دراڑ آ جائے گی۔۔ اس لیے بیکار لیٹے رہے چاندنی کے تماشائی بنے بیٹھے ہو۔ اگر کوئی عرض پیش کرنی ہے تو ابھی کر دو۔ کچھ مانگنا ہے تو بس یہ ہی وقت ہے۔ اگر کوئی آ جاتا ہے تو تم اس سے یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ تم یہاں نہیں آ سکتے بھائی صاحب"۔ (۳۲)

اس اقتباس میں مصنف خود کو مخاطب حال کرتے ہوئے کئی وسوسوں اور ڈر سے گرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مصنف کو غار حرا میں بیٹھے بیٹھے اچانک یہ خیال پریشان کرنے لگتا ہے کہ اگر اس وقت رات کو اگر کوئی اور اللہ کا بندہ غار میں آ گیا تو پھر کیا ہو گا اسے منع تو نہیں کیا جا سکتا کہ وہ نہ آئے یہ تو حضور ﷺ کا گھر ہے اور یہاں کسی کو آنے اور قیام کرنے سے منع کیسے کیا جا سکتا ہے۔ "منہ ول کعبے شریف" میں بھی مصنف نے بعض جگہوں پر خود کلامی سے کام لیا ہے۔ یہ اقتباس دیکھیے:

"اور بعض اوقات ذہن بالکل خالی ہو جاتا ہے۔ ہونٹ خاموش ہو جاتے ہیں۔۔ نہ کوئی دعا اور نہ کوئی خواہش میں ایک سناٹے میں چلتا جاتا ایک روبوٹ کی مانند، کچھ بھی محسوس کیے بغیر کہاں ہوں کیوں ہوں۔ کوئی دعا مجھے سنائی دیتی تو مجھے پھر سے جان پڑ جاتی۔۔ میں جان جاتا کہ میں کہاں ہوں اور کیوں ہو"۔ (۳۳)

حج کے دوران مصنف بہت عجیب سی کیفیات سے گزر رہے تھے کبھی وہ دوسروں کو دیکھ کر تسبیح پڑھنا شروع کر دیتے کبھی درود شریف اور کبھی دعائیں مانگنے میں مصروف ہو جاتے۔ جب سب کچھ کرنے کے بعد مصنف کے مطابق کچھ بھی اور یاد نہ آ رہا ہو تا تو وہ پریشان ہو کر بالکل چپ چاپ چلنا شروع کر دیتے اور ارد گرد سے ایسے غافل ہوتے کہ بس اس وقت وہ اکیلے ہیں اور ارد گرد پاس کوئی بھی نہیں ہے۔ پھر جب تھوڑا وقت گزرتا اور وہ دوبارہ اپنے ذہن کو وہیں لاتے جہاں انہوں نے چھوڑا ہوتا تھا تو پھر سے وہی کلمات اور دعائیں مانگنے

میں مصروف ہو جاتے اور خود کو محوِ عبادت کر لیتے یہ مصنف کی خود کلامی ہے جو وہ اپنے حوالے سے نہایت اچھے انداز میں بیان کرتے ہیں۔

مستنصر حسین تارڑ کے ان دونوں مذہبی سفر ناموں "منہ ول کعبے شریف" اور غار حرا میں ایک رات میں مصنف کا خدا اور رسول ﷺ سے بے تکلفانہ تعلق دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ دونوں سفر نامے چونکہ مصنف کی بے پناہ اور بے غرض و غایت اللہ اور اس کے محبوب ﷺ کی محبت و عقیدت سے لبریز نظر آتے ہیں اس لیے ان میں بعض اوقات مصنف کی بہت زیادہ بے تکلفی بھی نظر آتی ہے۔ وہ رسول ﷺ کو مخاطب کر کے اپنے دل کا حال ایسے کہہ جاتے ہیں جیسے انسان اپنے کسی بہت قریبی دوست اور عزیز سے ملنے کے بعد وہ سب کچھ کہہ دیتا ہے جو اس کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں چھپا ہوا ہوتا ہے اور وہاں وہ ہر بات کا اظہار کھل کر کہہ دیتا ہے۔ مصنف کا یہ معاملہ اللہ اور رسول کے ساتھ ہے اور مصنف اس حوالے سے کئی بھی بے جا طوالت سے کام نہیں لیتے بس جو محسوس کرتے ہیں اسے بلا جھجک بیان کر دیتے ہیں۔ یہ اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

> "تو یہاں بھی میرے تصور کی کھڈی پر ایک ہی خیال کھٹ کھٹ کرتا رہا کہ بھلا بابا کا خیمہ جو یہاں نصب تھا، کیسا تھا، جو انھوں نے چھن چھن کرتی قصویٰ سے اتر کر جبل رحمت میں اپنے سامنے پایا تھا تو وہ اونٹ کے سیاہ بالوں سے بنا ہوا تھا۔ تو کیا یہاں بھی وہی خیمہ تھا۔ میری کوہ نوردیوں کے ساتھی خیموں ایسا شوخ اور بھڑکیلے رنگوں کا تو نہ ہو گا تو کیسا ہو گا"۔ (۳۴)

اس مندرجہ بالا اقتباس میں مصنف حضور ﷺ کو بابا کہہ کر پکار رہے ہیں اور یہ مصنف کی بے تکلفی ہے اللہ کے رسول ﷺ سے کہ انہیں بابا کہہ رہے ہیں عام حالات میں تو ایک عام شخص حضور ﷺ کو بابا نہیں کہہ سکتا یعنی حضور ﷺ کو محمد ﷺ، رسولؐ یا اللہ کے آخری نبیؐ اور خاتم الانبیاء ﷺ کے حوالوں سے پکارا اور یاد کیا جا سکتا ہے لیکن بابا کہنا ایک بھرپور بے تکلفی کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ اور یہ بے تکلفی مصنف کے ان دونوں مذہبی سفر ناموں میں دیکھنے میں آتی ہے۔ خانہ کعبہ پہنچ کر مصنف کی اللہ تعالیٰ سے بے تکلفی اپنے اس اقتباس میں عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

> "اتنے چھوٹے سے گھر میں اتنا بڑا رب کیسے رہتا تھا۔ بے شک یہ اس کا گھر ہے پر اس میں وہ رہتا تو نہیں ہے۔۔ رہتا تو وہ کہیں اور ہے۔ کہاں رہتا ہے۔ ہمیں یہاں بلا کر رہتا

وہ کہیں اور ہے۔ یہ تو بڑی زیادتی ہے اگر شہ رگ کے قریب رہتا ہے تو ہمیں یہاں
بلانے کی کیا ضرورت تھی"۔(۳۵)

مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کی اللہ اور رسول کریم ﷺ سے بے تکلفی کافی زیادہ اور نمایاں ہو کر ان دونوں سفر ناموں میں ظاہر ہوئی ہے انہوں نے جو کچھ بھی سوچا، دل میں آیا وہ بس کہہ ڈالا یہ بے تکلفی ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہو سکتی اس کے لیے بھی انسان کو پہلے ایک بلند درجے پر جا کر سب کچھ دیکھنا سوچنا اور سمجھنا ہوتا ہے تب وہ اس طرح سے بات کرنے کی جرات کر سکتا ہے عام حالات میں ایسا ممکن نہیں ہوتا یہ مستنصر حسین تارڑ کا اعلیٰ تخیل ہی ہے وہ ان سے یہ سب کچھ کہلوا جاتا ہے جو وہ شاید عام حالات میں نہیں سکتے۔

"منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" یہ دونوں مذہبی سفر نامے ایک ہی تسلسل کی دو کڑیاں ہیں یعنی ایک ہی تسلسل کا سلسلہ ہیں۔ ان دونوں سفر ناموں کے پیچھے مقصد بھی ایک ہی ہے یعنی اللہ اور رسول ﷺ کے گھر کی زیارت، مصنف جب حج کی نیت کر کے گھر سے نکلتے ہیں تو ان میں غار حرا سے محبت کا جذبہ پروان چڑھ جاتا ہے جب حج کرنے جاتے ہیں تو غار حرا کی زیارت کا موقع بھی پاتے ہیں لیکن تب تڑپ کی حد نہیں ہوتی بلکہ صرف زیارت کی غرض ہوتی ہے۔ وطن واپس آنے پر اچانک سے غار حرا کے لیے عقیدت و محبت پیدا ہو جاتی ہے اور عالم یہ ہوتا ہے کہ ہر حال میں وہاں جانا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ پر جہاں پر قرآن پاک نازل ہوا اس مقام پر رات بسر کرنی ہے یہ تڑپ مصنف کو وہاں لے جانے پر مجبور کر دیتی ہے اور آخر آپ وہاں چلے جاتے ہیں اور رات قیام کرنے کے بعد آپکی دیرینہ خواہش کو تقویت مل جاتی ہے۔ یہ تمام سلسلہ اگر بظاہر دیکھا جائے تو ایک ہی سلسلے سے جڑا ہوا نظر آتا ہے۔ اور یہ ان دونوں سفر ناموں کی ایک مشترک خصوصیت کے طور پر سامنے آتا ہے۔:"منہ ول کعبے شریف" سے یہ اقتباس غار حرا کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیے:

""سلجوق نے جبل نور کے اس دامن میں کار پارک کی۔ ہم باہر آئے اور اس نے اوپر نگاہ کر کے پہاڑ پر چڑھتے اس ہجوم کو دیکھا جو نہایت مخمور قسم کی چیونٹیوں کی مانند اس پر رینگ رہا تھا اور پھر مسکرا کر کہا "ابا" اوپر سے ایک نہایت مطمئن اور بانکا سا پر مسرت شخص نیچے آ رہا تھا۔ اور اس کے ہاتھوں میں ایک ٹارچ تھی۔ آپ کو ذرا دیر

ہو گئی ہے تارڑ صاحب۔۔ اوپر کتنے لوگ ہیں؟ بہت نہیں ہیں؟۔" کیا غار حرا کے اندر دو نفل ادا کرنے کا موقع مل جائے گا؟" ہاں جی۔۔ بس پندرہ بیس منٹ کا انتظار کرنا ہو گا۔ آپ جایئے۔۔ بسم اللہ کیجیے" (۳۶)

مندرجہ بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف جب حج کی غرض سے گئے تھے تب انہیں غار حرا کی صرف زیارت کی غرض پیش دامن تھی لیکن بعد میں باقاعدہ طور پر وہ ارادہ کر کے رات قیام کرنے جاتے ہیں۔ حج کے موقع پر صرف اتنی خواہش کہ غار کے اندر دو نفل ادا کرنے کا موقع میسر آ جائے اور پھر اس میں اضافہ اس قدر کہ رات قیام کرنے کی تڑپ پیدا ہو گئی۔ اس کے پیچھے اگر غور کیا جائے تو مصنف کی یہ تڑپ تب ہی پیدا ہو چکی تھی جب وہ حج کرنے گئے تھے لیکن تب اس میں شدت نہیں تھی پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس تڑپ میں شدت پیدا ہوتی گئی او آخر کار اپنے سفر نامے "غار حرا میں ایک رات" کے نام سے اس پوری ایک رات کا احوال بیان کیا جو رات غار میں گزاری تھی۔ "غار حرا میں ایک رات" سے یہ اقتباس دیکھیے:

"حج سے واپسی پر پاکستان میں، میں ایک مکمل طمانیت اور آسودگی میں رہا۔ زندگی میں سب سے بڑے اجتماعی تجربے کے نشے کے لطف میں رہا اور جب یہ نشہ کم ہوا۔۔ اور سب نشے بے شک وہ روحانی نوعیت کے ہی کیوں نہ ہوں کم ہو جاتے ہیں۔ کم از کم میرے ایسے شخص کے تو میری کند سوئی غار پر اٹک گئی۔ کیسے ہو گا کب ہو گا۔ کیا اس حیات میں ممکن ہو گا؟ پھر اس بین الاقوامی ایوارڈ کی غیبی مدد آ گئی۔۔" (۳۷)

بحیثیت مجموعی اگر ان دونوں سفر ناموں کے تسلسل کو دیکھا جائے تو یہ ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں حج پر جانا اور واپسی پر غار حرا جانے اور وہاں قیام کرنے کی تڑپ ایک ہی سلسلے کی کڑیوں کے طور پر سامنے آتا ہے۔

ان دونوں سفر ناموں کے آغاز سے ہی ہمیں مصنف کی جانب سے عاجزی و انکساری دیکھنے میں ملتی ہے۔ یہ انکساری اس شہر کے حوالے سے بھی ہے جو مدینہ ہے اور اس علاقے کے حوالے سے بھی ہے جو مکہ ہے۔ مصنف نے غار حرا کا آغاز چونکہ مدینے شہر کے احوال کے ساتھ کیا ہے اس لیے مدینے کے حوالے سے

مصنف کی عاجزی و انکساری دیکھنے میں آتی ہے۔ مصنف نے نہایت عاجزی و انکساری سے مدینے شہر کے احوال کو بیان کرنے کی سعی کی ہے۔"غار حرا میں ایک رات" کے حوالے سے یہ اقتباس دیکھیے:

"میں پھر مدینے میں تھا۔ اور مدینے میں ہونا کیسا ہوتا ہے؟ جیسے مصر الحمرا کے حصار کی ایک شکستہ دیوار پر میکسیکو کے شاعر اکازا کے یہ مصرعے کندہ دکھائی دیتے ہیں جو اس نے غرناطہ میں ایک اندھے گداگر کو دیکھ کر لکھے تھے۔" اے عورت، اس گداگر کو بھیک دو کہ غرناطہ جیسے شہر میں ہونا، اور آنکھوں سے محروم ہونا۔ زندگی میں اس سے بڑی اذیت اور کوئی نہیں۔۔ مدینے ایسے شہر میں تو انسان بے شک اندھا ہو تو بھی یہ اس کی سب سے بڑی خوش قسمتی ہوگی۔ مدینے میں ہونا ایسا ہوتا ہے۔۔" (۳۸)

"غار حرا میں ایک رات" کے آغاز سے ہی مصنف کی مدینے کے حوالے سے عاجزی و انکساری بے مثال ہے بالکل اسی طرح "منہ ول کعبے شریف" میں بھی یہ ہی عاجزی و انکساری دیکھنے کو ملتی ہے مصنف جب جدہ ائیر پورٹ کے قریب ہوتے ہیں تو انہیں مکہ کا شہر نظر آنے لگتا ہے۔ وہ جس قدر حیرانی سے نیچے دیکھتے ہیں کہ اس میں عاجزی و انکساری بھی اپنے تمام تر پہلوؤں کے ساتھ شامل حال ہوتی ہے۔ سعودی ائیر لائن کا پائلٹ اعلان کرتا ہے کہ اب سے ٹھیک دو منٹ کے بعد جہاز کے بائیں جانب والی کھڑکیوں میں سے مکہ کا شہر نظر آنے لگ جائے گا۔ اس حوالے سے مصنف نے اپنے جذبات و احساسات اور ان میں پائی جانے والی عاجزی و انکساری کا نہایت اچھے انداز میں بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

"میری پٹ پٹ کھلی آنکھیں مزید کھل گئیں۔۔ میری نشست بائیں جانب ہی تھی اور کھڑکی کے پہلو میں تھی کھڑکی کے ساتھ ناک چپکائے میں نیچے تکتا رہا۔۔ آنکھیں جھپکنے سے گریز کرتا رہا کہ کہیں پپوٹوں کے بند ہو کر کھلنے کے دوران زمانے نہ گزر جائیں۔۔ میں کسی اور زمانے میں نہ چلا جاؤں۔۔ مکہ مکرمہ۔۔ منہ ول کعبے شریف! میری پلکیں کھڑکی کے شیشے پر دستک دیتی تھیں۔ میں نے پلکوں سے دریار پر دستک دی ہے۔۔ یار کا کوئی اعتبار نہ تھا کہ در کھولے یا نہ کھولے۔۔" (۳۹)

مندرجہ بالا دونوں اقتباسات کو اگر دیکھا جائے تو سفر ناموں کے آغاز سے ہی مصنف کی عاجزی و انکساری اپنے تمام تر جذبوں کے ساتھ کھل کر سامنے آنا شروع ہو جاتی ہے۔ دونوں سفر ناموں کا آغاز مکے اور

مدینے کے حوالے سے بے پناہ عاجزی و انکساری کے ساتھ کیا گیا ہے۔ دونوں سفر ناموں میں یہ عاجزی و انکساری ہمیں یکے بعد دیگرے دیکھنے کو ملتی ہے۔

ان دونوں مذہبی سفر ناموں میں مصنف کا مشاہدہ بہت گہرا دکھائی دیتا ہے۔ مصنف نے جو کچھ دیکھا اسے اپنی تیز نگاہ اور گہرے مشاہدے سے بیان کرنے کی کوشش کی۔ مصنف چونکہ چیزوں کو صرف سطحی دیکھنے کے عادی نہیں ہیں ان کی گہری نظر اور مشاہدہ ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن تک بھی رسائی حاصل کر لیتی ہے۔ اس لیے مصنف نے ان دونوں مذہبی سفر ناموں میں ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن کا بھی بغور مطالعہ اور جائزہ لیا ہے اور ان دونوں سفر ناموں کی یہ ہی مشترک خصوصیت انہیں کامیاب بنانے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ ''منہ ول کعبے شریف'' میں مصنف جدہ شہر کے حوالے سے جس قدر گہرا مشاہدہ اور تیز نگاہ کا استعمال کرتے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

> ''میں جدہ کے سب سے بڑے بک سٹور میں گیا تو وہاں سٹیشنری تو بہت تھی، کتابیں اتنی کم تھیں کہ شاید میری سٹڈی میں زیادہ ہوں گی۔۔ سیاہ عباؤں میں ڈھکی عربی بہنیں صرف سٹورز اور شاپنگ مالز میں نظر آئیں۔۔ بین الاقوامی شہرت یافتہ فیشن ہاؤسز کے شوکیسوں میں نسوانی ملبوسات کی نمائش۔۔ ان کے بدن تو نہایت متناسب اور شہوت سے بھرے ہوتے ہیں لیکن ان کے سر نہیں ہیں۔۔ اس میں تو یقیناً کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہو گی۔ یہ ہی مصلحت ہو گی کہ عورت ذات بہر حال بے دماغ اور بے سر ہوتی ہے۔ صرف بدن ہوتی ہے تو اس کا سر دکھانے کا فائدہ۔۔'' (۴۰)

مندرجہ بالا اقتباسات میں مصنف کا مشاہدہ کس قدر گہرا ہے کہ انہوں نے کوئی پہلو بھی ایسا نہیں چھوڑا جسے بیان نہ کیا ہو بلکہ سر کے بغیر ڈمیوں پر لگے ہوئے ملبوسات کے حوالے سے اپنی رائے دینے سے بھی گریز نہیں کیا۔ کسی بھی مصنف کا گہرا مشاہدہ ہی تصنیف کو اچھا بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ''غار حرا میں ایک رات'' قیام کے حوالے سے جب مصنف غار میں داخل ہوئے تو اس حوالے سے انہوں نے غار کا مشاہدہ شروع کر دیا یہ مشاہدہ اور مصنف کی تیز نگاہ اس قدر بے مثال ہے کہ قاری لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور اس میں معلومات کا خزانہ بھی دفن دکھائی دیتا ہے۔ یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

> ''غار حرا میں بیٹھے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ یہ روائیتی معنوں میں ایک غار ہرگز نہیں ہے جہاں میرا مصلی ختم ہوتا تھا اس کے آگے غار تنگ ہونے لگتی ہے اور اس اوزن

شگاف پر جا کر ختم ہوتی ہے جو ایک تختی سے نصف سائز کا ہو گا۔ اس کے علاوہ ایک اور قدرے بڑا شگاف ہے۔۔۔ اسے تلاش کرنا پڑتا ہے۔ غار کے دہانے پر جو چٹانیں ہیں ان کے ساتھ رخسار جما کر ایک خاص زاویے پر جھک کر اسے دریافت کیا جا سکتا ہے۔۔" (۴۱)

ان دونوں اقتباسات کے مطالعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مصنف کا مشاہدہ اور نگاہ ان تمام تر چھپے ہوئے پہلوؤں تک بھی رسائی حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جہاں پر عام آدمی کی سوچ بھی نہیں جا سکتی۔

مستنصر حسین تارڑ کے ان دونوں مذہبی سفر ناموں میں طوالت یعنی تفصیل پائی جاتی ہے۔ "منہ ول کعبے شریف" کو اگر دیکھا جائے تو اس میں حج کے حوالے سے خاصی تفصیل سے کام لیا گیا ہے اور یوں بھی مصنف کی عادت ہے کہ وہ سفر کے بیان کے حوالے سے کافی تفصیل سے کام لیتے ہیں اور اس کی وجہ جزئیات کو ملحوظ خاص رکھنا ہوتا ہے تا کہ قاری تک تمام معلومات مکمل جزئیات کے ساتھ پیش کی جا سکیں۔ "غار حرا میں ایک رات" میں مصنف نے تفصیل کو سفر نامے کا حصہ بنایا ہے سفر نامے کے شروع میں مقدس مقامات کی زیارات کو تو مختصر انداز میں بیان کیا گیا ہے لیکن جہاں سے غارِ حرا کی طرف سفر شروع ہوتا ہے وہاں سے مصنف نے طوالت کا سہارا لیا ہے اور ایک ایک لمحے کی معلومات کو مصنف تک پہنچانے کی سعی کی ہے۔ لیکن بعض مقامات پر ایک ہی بات کو اتنا طویل انداز میں بتایا گیا ہے کہ قاری بوریت محسوس کرنے لگتا ہے۔ اس حوالے سے "غار حرا میں ایک رات" سے یہ اقتباس دیکھیے:

"نماز کے دوران اگرچہ میں نے سیاہ غلاف پر اپنی آنکھیں تا دیر رکھیں۔ ہر خیالِ غیر کو دل سے نکال دیا۔۔ میری آنکھیں اس کی سنہری خطاطی پر سیاہ تتلیوں کی مانند پھڑ پھڑاتی رہیں اور اس کے باوجود ہمہ وقت غلاف پر جو دھوپ دھیرے دھیرے سے ڈھلتی تھی اس کی تشویش میرے اندر ڈھلتی رہی۔۔ کہ کہیں دیر نہ ہو جائے اور دل سے اپنے اس دل سے دعا مانگتا رہا جو کوئی جواز نہیں کرتا۔ کسی بھی منطقی بحث میں شامل ہونے سے انکاری ہو جاتا ہے تو اسی دل سے یعنی صدق دل سے دعا کرتا رہا کہ اے مالک اول میں اس ناتوانی کے باوجود جبل نور کی چوٹی پر پہنچ جاؤں۔۔" (۴۲)

مندرجہ بالا اقتباس کو اگر دیکھا جائے تو اس میں خاصی تفصیل اور طوالت دیکھنے کو ملتی ہے۔ غلافِ کعبہ کے حوالے سے مصنف کا مشاہدہ کافی گہرا رہا لیکن اس قدر تفصیل بعض اوقات تحریر میں بوریت کا عنصر شامل کر دیتی ہے اور قاری پر گراں گزرنے لگتی ہے۔ بعض اوقات قاری چاہتا ہے کہ تفصیل ہو تا کہ وہ تمام تر زاویوں کو اپنی نگاہ سے دیکھ سکے لیکن ان دونوں صورتوں میں مستنصر حسین تارڑ کو یہ کمال حاصل ہے کہ وہ فوراً سے ڈگر کو تبدیل کر کے قاری کو بوریت کا احساس نہیں ہونے دیتے اور یہ ہی ایک اچھے سفر نامہ نگار کی اولین خوبی بھی ہے۔ اس حوالے سے ہی "منہ ول کعبے شریف" سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

"ہم سے آگے ایک اور ہم جیسی مجبور اور لاچار بس تھی جو رکنے کی کوشش میں تھی اور پہریدار اس پر ڈنڈے برسا رہے تھے۔۔ اسے پھر سے متحرک ہونے پر مجبور کر رہے تھے اور اس بس کے پیچھے پیچھے ہم جو چپکے سے چلے آتے تھے ہمیں وہ پہریدار نہ دیکھتے تھے تو کالے خان نے یکدم کوسٹر کو ایک جھٹکے دار بریک سے ساکت کر دیا اور اس یکلخت جھٹکے کی زد میں آ کر ہمارے سر اگلی نشستوں سے ٹکرا کر ابھی معمول کی حالت میں آنے کو تھے جب کالے خان نے یکلخت بریک سے پاؤں اٹھا کر مڑ کر ہمیں کہا" صاحب۔۔ آپ سپیڈ پکڑو۔۔ اترو اترو اور غائب ہو جاؤ۔۔" (۴۳)

حج کے موقع پر جب میدان عرفات کی طرف جانے کا وقت قریب آتا ہے تو ہر انسان افراتفری میں نظر آتا ہے لاکھوں لوگوں کا ہجوم اس قدر جلدی میں دکھائی دیتا ہے کہ ہر ایک کو دوسرے سے پہلے پہنچنے کی جلدی ہوتی ہے اور اس جلدی میں حد درجے کی بھگدڑ مچی ہوئی ہوتی ہے اور ایسے موقع پر بس ڈرائیور بھی پریشان حال دکھائی دے رہے ہوتے ہیں اور جہاں کہیں جگہ ملتی ہے وہیں موقع غنیمت جان کر مسافروں کو اترنے کا کہہ دیتے ہیں۔ ایسا ہی کچھ مصنف کے ساتھ بھی ہوا جسے انہوں نے نہایت اچھے اور عمدہ انداز میں بیان کرنے کی سعی کی ہے۔ اور خاصی تفصیل سے بھی کام لیا گیا ہے۔

ان دونوں مذہبی سفر ناموں کی ایک اہم اور مشترک خصوصیت ان میں پائی جانے والی خاص قسم کی معنویت ہے۔ یہ معنویت ان دونوں سفر ناموں میں ایک خاص تسلسل کو بھی لیے ہوئے ہے۔ "منہ ول کعبے شریف "کا مقصد ہمارے سامنے حج کی خاص قسم کی مذہبی فضیلت اور معنویت کو سامنے لاتا ہے۔ بحیثیت مسلمان حج کے ساتھ ایک خاص قسم کی اُنسیت پائی جاتی ہے اور اس میں اسلام کے ایک رکن ہونے کا بھی

اعزاز پایا جاتا ہے اور یہ ہی اس کی خاص قسم کی معنویت کو ہمارے سامنے لاتا ہے۔ حج ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے جہاں نماز، روزہ، زکوٰۃ کے حوالے سے احکامات پر عمل کرنے کی ہدایت دی گئی ہے وہاں ہی حج کے حوالے سے بھی خاصی تاکید دیکھنے میں ملتی ہے یہ ہر عاقل و بالغ اور صاحب استطاعت فرد پر فرض کیا گیا ہے اور مصنف نے اسی خاص معنویت یعنی حج کو اپنے سفر نامے کا حصہ بنایا ہے۔

بالکل اسی طرح "غار حرا میں ایک رات" میں مصنف کی غار حرا سے ایک خاص قسم کی اُنسیت اور محبت دیکھنے کو آتی ہے اور ان کی غار کی زیارت اور قیام کی تڑپ اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے حالانکہ جب وہ حج کرنے جاتے ہیں تو ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا مقصد صرف زیارت کرنا ہوتا ہے لیکن پھر حج سے وطن واپسی پر اچانک انہیں غار حرا کی طرف خاص قسم کا بلاوہ آتا ہے اور اس کی شدت اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ انہیں وہاں جانے پر مجبور کر دیتی ہے مصنف نہ صرف وہاں جانے کے لیے بضد دکھائی دیتے ہیں بلکہ وہاں رات قیام کرنے کا بھی پکا ارادہ کر لیتے ہیں۔ اس حوالے سے انہیں کافی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے اور عمر بھی زیادہ ہونے کی وجہ سے صحت اجازت نہیں دے رہی ہوتی لیکن وہ پھر بھی اپنے ارادے سے پیچھے نہیں ہٹتے۔ اس حوالے سے "غار حرا میں ایک رات" سے یہ اقتباس دیکھیے:

> "اور جب میں قطر کے بین الاقوامی ایوارڈ سے نوازا گیا تو پہلا خیال نہ اعزاز کا آیا اور نہ انعامی رقم کا۔۔ بس نواز دیئے جانے کا خیال آیا کہ بلاوے کی فہرست پر نظر ثانی ہو گئی ہے۔۔ یہ ایوارڈ تو محض ایک بہانہ ہے۔ میں دن رات میمونہ کے ساتھ غار تک پہنچنے اور وہاں نہ صرف دو نفل ادا کرنے کے بلکہ کچھ وقت گزارنے کے بارے میں باتیں کرنے لگا"۔ (۴۴)

مستنصر حسین تارڑ نے یوں تو بہت سے سفر نامے لکھے ہیں اور اس حوالے سے کافی شہرت بھی حاصل کی ہے لیکن اس حوالے سے جو شہرت آپ کے ان دونوں مذہبی سفر ناموں کو ہے وہ اپنی مثال آپ ہیں اس کی وجہ ان کا مذہب کے حوالے سے لگاؤ ہے دونوں سفر ناموں میں مصنف نے اپنی قوت متخیلہ کا خاص استعمال کیا ہے اور قاری کو اپنی اس کاریگری کے ذریعے سے اپنے ساتھ سفر نامے میں شامل رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

و۔ افتراقات:

افتراقات کا تعلق فرق سے ہے یعنی جو چیزیں یا خصوصیات ایک سفر نامے کو دوسرے سے الگ کرتی ہوں انہیں ہم افتراقات کے زمرے میں لاتے ہیں اسی طرح منہ ول کعبے شریف اور غارِ حرا میں ایک رات میں کافی افتراقات بھی دیکھنے میں آتے ہیں جن کا جائزہ ذیل میں کیا جائے گا۔

منہ ول کعبے شریف سفر نامہ حج ہے جبکہ غارِ حرا میں ایک رات غار حرا اور دیگر زیارات کے بیان کے حوالے سے ہے۔ منہ ول کعبے شریف سفر نامہ حج ہے اس حوالے سے دیکھا جائے تو حج اسلام کا اہم رکن ہے اور ہر عاقل و بالغ اور صاحب استطاعت مسلمان پر فرض کیا گیا ہے۔ مصنف نے بھی اس فرض کی ادائیگی کے غرض سے سفر اختیار کیا اور اس سفر میں مصنف کے بیٹے سمیر بھی آپ کے ساتھ تھے حج کے حوالے سے مصنف کی کوئی خاص تیاری سفر نامے میں نظر نہیں آتی اور نہ ہی کوئی خاص تڑپ دیکھنے میں آتی ہے۔ ماسوائے فرض کی ادائیگی کے جب کے غارِ حرا میں ایک رات مصنف کا دوسرا مذہبی سفر نامہ ہے اس سفر نامے کی نوعیت مختلف ہے اس میں مصنف کی غارِ حرا جانے اور بالخصوص قیام کرنے کی تڑپ اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے جو اسے منہ ول کعبے شریف سے منفرد بناتی ہے۔ غارِ حرا میں ایک رات قیام کے حوالے سے یہ اقتباس دیکھیے:

> ”اور جب مجھے قطر کے بین الاقوامی ایوارڈ سے نوازا گیا تو پہلا خیال نہ اعزاز کا آیا اور نہ انعامی رقم کا بس نواز دیے جانے کا خیال آیا کہ بلاوے کی فہرست پر نظر ثانی ہو گئی ہے۔ یہ ایوارڈ تو محض ایک بہانہ ہے میں دن رات میمونہ کے ساتھ غارِ حرا تک پہنچنے اور وہاں نہ صرف دو نفل ادا کرنے کے بلکہ کچھ وقت گزارنے کے بارے میں باتیں کرنے لگا“۔ [۴۵]

غار حرا میں ایک رات میں مصنف کی طرف سے حد درجے کی تڑپ دیکھنے میں آتی ہے کہ ”منہ ول کعبے شریف“ میں ایسا ہر گز نہیں ہے۔ مصنف جب حج ادا کرتے ہیں تو اس وقت غار حرا کی زیارت کے لیے بھی جاتے ہیں لیکن مصنف کی غرض صرف دو رکعت نماز نفل اور زیارت تک ہوتی ہے حج ادا کرنے کے بعد جب وطن واپس آتے ہیں تو کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اچانک سے انہیں غار حرا میں نہ صرف جانے بلکہ وہاں باقاعدہ طور پر رات قیام کرنے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے اور شوق بھی ایسا کہ وہ دن رات اس حوالے سے سوچنا

شروع کر دیتے ہیں اس سلسلے میں آپ کی اہلیہ بھی آپ کے ساتھ پیش پیش ہیں۔ اس حوالے سے یہ اقتباس دیکھیے:

''ایک روز میں نے استفسار کیا مونا بیگم۔۔ نہ تم نے میری اس دیوانگی کا ٹھٹھہ اُڑایا ہے۔۔ نہ استہزایہ مسکراہٹ سے میری دل شکنی کی ہے جو کہ تم اکثر کرتی ہو۔۔ تو اس بار ایسا کیوں ہے؟ تو اس نے نہایت بردباری اور متانت سے جواب دیا'' تمہاری اکثر محبتیں اور جذبے عارضی ہوتے ہیں۔۔ تم یکدم کسی ایک منظر ایک کتاب یا ایک چہرے کے سحر میں گرفتار ہو کر سمجھ بوجھ سے عاری ہو جاتے ہو اور میں انتظار کرتی ہوں اور وہ لمحہ آجاتا ہے جب وہ سحر زائل ہو جاتا ہے اور تم بھی نارمل ہو جاتے ہو۔۔ جیسے وہ سحر کبھی تھا ہی نہیں۔۔ لیکن میں نے محسوس کر لیا ہے کہ یہ سحر عارضی نہیں ہے۔۔ یہ خیال جانے والا نہیں۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ تمہاری یہ چوتھی خواہش پوری ہو جائے۔۔ اس میں ہم دونوں کی بہتری ہے''۔ (۴۶)

مندرجہ بالا اقتباس سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف کی غار حرا میں ایک رات قیام کے حوالے سے تڑپ کافی زیادہ تھی اور وہ اس حوالے سے اپنی اہلیہ سے بھی اس کا تذکرہ وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں اور ان کی اہلیہ بھی آپ کی اس تڑپ سے اچھی طرح واقف تھیں کیونکہ وہ جانتی تھی کہ آپ جب تک اپنی اس خواہش کو پورا نہیں کرتے آپ کو سکون و اطمینان حاصل نہیں ہو گا اس لیے انہوں نے آپکا بھرپور ساتھ دیا اور آپکی یہ خواہش پایہ تکمیل تک پہنچی۔ اس حوالے سے مصنف کے بیٹوں نے وقتی طور پر آپکا ساتھ نہیں دیا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہیں بھی اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ والد صاحب کی خواہش کوئی عام نہیں ہے بلکہ ان کا یہ جذبہ بہت گہرا ہے اور یہ اس وقت ہی پورا ہو گا جب آپ خود نہ صرف غارِ حرا کی زیارت کریں گے بلکہ وہاں رات قیام کریں گے۔ مصنف کا یہ ہی جذبہ انہیں غار حرا تک لے جاتا ہے اور پھر وہاں رات قیام کر کے ان کی اس تڑپ کو تسکین حاصل ہوتی ہے۔

سفر نامے میں مصنف کی غار حرا کے حوالے سے خاص تیاری بھی دیکھنے میں آتی ہے اس کی وجہ بھی ان کا شوق ہے جو غار حرا تک جانے کے لیے انہیں ہر لمحہ تیار رکھتا ہے۔ حج کے سفر نامے ''منہ ول کعبے شریف'' میں مصنف فرض کی ادائیگی کے حوالے سے کافی کوشاں نظر آتے ہیں اور اس حوالے سے مناسب تیاری بھی کرتے ہیں لیکن ''غار حرا میں ایک رات'' کو اگر دیکھا جائے تو اس میں مصنف کی تیاری تب سے ہی شروع ہو

جاتی ہے جب سے انہیں وہاں جانے اور رات قیام کرنے کا خیال آتا ہے حالانکہ تب وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ ایسا ممکن بھی ہو سکتا ہے یا نہیں لیکن چونکہ ان کا ارادہ پختہ تھا اور لگن سچی تھی اس لیے وہ اپنی منزل تک رسائی حاصل کرنے کے لیے تیاری شروع کر دیتے ہیں اور آخر کار ان کی یہ تڑپ پایہ تکمیل تک پہنچتی ہے اور وہ نہ صرف غار حرا جاتے ہیں بلکہ ساری رات وہاں قیام بھی کرتے ہیں۔

"منہ ول کعبے شریف" کو اگر دیکھا جائے تو اس میں پنجابی زبان کا استعمال کافی زیادہ دکھائی دیتا ہے اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس سفر نامے کا نام بھی مصنف نے پنجابی زبان میں رکھا ہے یوں بھی مصنف کا تعلق پنجابی گھرانے سے ہے اس لیے ہمیں ان کی تحریروں میں پنجابی رنگ غالب نظر آتا ہے۔ مصنف کو اپنی وہ تحریر ادھوری محسوس ہوتی ہے جس میں پنجابی زبان کا استعمال نہ کیا گیا ہو۔

سنڈے ایکسپریس میں انٹرویو کے دوران پنجابی زبان کے سفر ناموں میں استعمال کے حوالے سے جب مصنف سے سوال کیا گیا تو آپ نے ان الفاظ میں جواب دیا: "مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اگر میں اپنی تمام کتابیں پنجابی میں لکھتا تو زیادہ بہتر لکھتا۔ شریف کنجاہی، موہن سنگھ اور احمد راہی میرے پسندیدہ پنجابی شاعر ہیں"۔ (۴۷)

"منہ ول کعبے شریف" کی نسبت اگر "غار حرا میں ایک رات" میں پنجابی زبان کے استعمال پر غور کیا جائے تو وہ انتہائی کم ہے یا نہ ہونے کے برابر ہے اس کی وجہ اس سفر نامے کا عنوان بھی ہو سکتا ہے جو کہ اردو زبان میں ہے۔ غار حرا میں مصنف نے اردو زبان کا استعمال کیا ہے اور آسان اور سادہ الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے اپنے جملوں کو پر کشش بنایا ہے۔ "منہ ول کعبے شریف" میں پنجابی اور اردو زبان کی آمیزش اس سفر نامے کو مزید خوبصورت بناتی ہے۔ مستنصر حسین تارڑ ان دونوں زبانوں کو ملا کر استعمال کرنے کا فن خوب جانتے تھے۔ قاری کو پڑھتے ہوئے بالکل محسوس بھی نہیں ہوتا کہ کہاں پر دوسری زبان کے الفاظ آتے اور چلے بھی گئے تحریر میں ربط اس قدر خوبصورت ہوتا ہے کہ قاری تعریف کیے بغیر رہ نہیں سکتا۔ "منہ ول کعبے شریف" سے یہ اشعار اردو اور پنجابی زبان کی آمیزش کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے:

"ہن میں لکھیا سوہنا یار، جس دے حسن دا گرم بازار
تو سوہنے یار کے حسن کا گرم بازار طواف میں تھا
پاویں گا دیدار صاحب دا۔۔ ہو رہی بنواں اتے" (۴۸)

ان مندرجہ بالا اشعار کو دیکھا جائے تو ان میں کس قدر خوبصورتی سے اردو اور پنجابی زبان کا استعمال کیا گیا ہے کہ پڑھ کر احساس بھی نہیں ہوتا کہ کہاں پر تحریر میں کچھ تبدیلی ہوئی ہے۔ اردو کا استعمال ہوتے ہوئے کب پنجابی زبان کی آمیزش کا تڑکا لگا ہے اس کا پتہ ہی نہیں چلتا قاری بس پڑھتا چلا جاتا ہے اور سفر نامے میں خود کو بھی ان مقامات پر محسوس کرتا ہے۔

"منہ ول کعبے شریف" میں ایک موقع ایسا بھی آتا ہے کہ حج کے فرائض کی ادائیگی کے دوران منیٰ کے مقام پر جہاں پر لاکھوں لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے جو کہ دنیا کے مختلف کونوں سے حج کی نیت لے کر آئے ہوتے ہیں ہر طرف افراتفری کا عالم ہوتا ہے مختلف ممالک کے لوگوں کی زبانیں بھی چونکہ مختلف ہوتی ہیں اسی حوالے سے وہ اپنے اپنے گروپس کے ساتھ رہتے ہیں لیکن اگر وہ غلطی سے بھی گم ہو جائیں تو واپس اپنے گروپ کے پاس جانے کے لیے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مصنف کے سامنے بھی کچھ ایسا ہی واقعہ رونما ہوتا ہے جب ایک پنجابی خاتون بڑی پریشانی کے عالم میں مصنف کے پاس آکر التجا کرتی ہے کہ " وے بھرا میں گواچ گئی آں" مستنصر حسین تارڑ کے پاس عینک نہیں ہوتی اس لیے انہیں اس کے مکتب کا پتہ ٹھیک سے دکھائی نہیں دے رہا ہوتا تو وہ عورت پھر کہتی ہے:"ہائے ہائے بھرا پتہ نہیں تینوں پنجابی سمجھ آوندی کہ نہیں "میں اسے یقین دلاتا ہوں کہ مجھے بھی یہی زبان تو سمجھ میں آتی ہے"۔ (۴۹)

ان دونوں مذہبی سفر ناموں میں سے "منہ ول کعبے شریف" میں پنجابی زبان کا کافی استعمال کیا گیا ہے جبکہ "غار حرا میں ایک رات" میں ایسا نہیں اور یہ ہی بات ان دونوں کو ایک دوسرے سے منفرد بناتی ہے۔

"منہ ول کعبے شریف" میں جہاں پنجابی زبان کا استعمال کیا گیا ہے وہیں "غار حرا میں ایک رات" میں فارسی زبان کا استعمال کیا گیا ہے حالانکہ یہ استعمال کم ہے لیکن "منہ ول کعبے شریف" میں فارسی کا استعمال بالکل بھی دکھائی نہیں دیتا۔ زبانوں کے حوالے سے مستنصر حسین تارڑ کو یہ کمال حاصل ہے کہ وہ بہت سی زبانوں کے حوالے سے آگاہی رکھتے ہیں اور اس میں کافی دلچسپی بھی لیتے ہیں اس لیے وہ اپنے سفر ناموں میں بھی موقع محل کے مطابق ان زبانوں کا استعمال کرتے ہیں جیسے "منہ ول کعبے شریف" میں جہاں پنجابی زبان کی آمیزش سے سفر نامے کو خوبصورت بنایا گیا ہے وہیں "غار حرا میں ایک رات" میں فارسی زبان کا استعمال دیکھنے میں آتا ہے۔

اُحد پہاڑ پر چڑھتے ہوئے مصنف کو کافی مشکل ہو رہی تھی جنگ کے دوران جب حضور ﷺ زخمی ہو گئے تھے تو صحابہ آپ کو اُحد پہاڑ کی طرف لے جاتے ہیں اور چٹانوں کی اوٹ میں لے جا کر چھپا دیتے ہیں مصنف کو اس حوالے سے بہت اشتیاق تھا کہ وہ پہاڑ پر جائیں اور اس جگہ پر بھی جائیں جہاں حضور ﷺ نے پناہ لی تھی۔ پہاڑ سے اترتے وقت مصنف سے جب ایک شخص نے پوچھا کہ اوپر کیا ہے تو اس کا جواب آپ نے فارسی زبان میں دیا۔

"از کجا مے آید ایں مشک دوست"

"اندر میرے رسول ﷺ کی خوشبو تھی۔

"منہ ول کعبے شریف" میں جہاں اردو زبان کے ساتھ پنجابی زبان کا استعمال کر کے تحریر کو خوبصورت بنایا گیا ہے وہیں "غار حرا میں ایک رات" میں اردو زبان کے ساتھ فارسی زبان کی آمیزش سے تحریر میں خوبصورتی پیدا کی ہے۔ تحریر میں کہیں بھی بوریت اور سپاٹ پن نظر نہیں آتا، لفظوں کے چناؤ اور بناوٹ کے حوالے سے خاص خیال رکھا گیا ہے۔

"غار حرا میں ایک رات" میں مبالغہ آرائی بہت زیادہ کی گئی ہے جبکہ "منہ ول کعبے شریف" میں ایسا نہیں ہے بلکہ مصنف نے جو محسوس کیا بس اسے بیان کرنے کی سعی کی ہے "منہ ول کعبے شریف" کو اگر دیکھا جائے تو مصنف کو حج کے حوالے سے کوئی خاص تڑپ بھی دیکھنے میں نہیں آتی اس کا اعتراف وہ خود کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

> "تمہارے نصیب میں حیات میں پہلی بار نبی ﷺ کی مسجد کا مینار تمہارے سامنے ہے۔ رشک کرو اپنی بینائی پر۔۔ صدقہ دو ان دو آنکھوں کا جو اسے دیکھتی ہیں، شکر ادا کرو اس تندرستی کا جو تمہیں یہاں تک لے آئی ہے اور قسمت کیسی خوش ہے تمہاری کہ تمہارے رسول ﷺ کے ہاتھوں کی تعمیر کردہ مسجد کا ایک مینار تمہارے سامنے ہے۔ لیکن یہ سعی لاحاصل تھی۔۔ نہ کوئی اضطراب بدن میں تیرا۔۔ نہ کوئی ہیجان لہو میں رواں ہوا اور نہ کوئی جوش لاوے کی مانند آگ ہوا۔۔ میں جوں کا توں کھڑا رہا۔۔ جیسے کسی بھی مسجد کے مینار کو تکتا ہوں"۔ (۵۰)

مندرجہ بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے چونکہ اس حوالے سے کوئی خاص جذبات و احساسات نہ تھے اس لیے انہوں نے مبالغہ آرائی کو تحریر میں شامل نہیں کیا مبالغے کا استعمال یوں بھی تحریر میں تب آتا ہے جب مصنف کسی بھی بات کو لے کر بہت زیادہ حساس یا اس کے بیان کے لیے بہت زیادہ تڑپ رکھتا ہو جیسے اگر "غار حرا میں ایک رات" کی مثال لی جائے تو اس سفر نامے کے حوالے سے مستنصر حسین تارڑ کی ایک دیرینہ تڑپ ہمارے سامنے آتی ہے کہ کس طرح سے انہوں نے غار حرا میں نہ صرف جانے کی تڑپ رکھی بلکہ وہاں رات قیام کرنے اور قیام بھی اس طرح سے کرنے کی کوشش کی جیسے رسول ﷺ اپنے زمانے میں کیا کرتے تھے اور ہر ایک چیز کو اسی تڑپ سے جانچا اور پرکھا جس تڑپ سے مصنف وہاں گئے تھے۔ عبادت بھی خوب کی اور ایک ایک ذرے کو اپنے اندر محفوظ کرنے کی بھی سعی کی یہ سب اسی وقت ہی ممکن ہو سکتا ہے جب انسان کی تڑپ اور لگن سچی ہو تب ہی وہ اس حد تک جا سکتا ہے اور تڑپ جب اس قدر زیادہ ہو تو یہ امر لازمی ہے کہ مبالغہ آرائی تحریر میں شامل ہو جائے۔ "غار حرا میں ایک رات" کے حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

> "یہی دھبہ۔۔ جو بابا کے بدن پر تھا۔ اس لمحے مجھ پر تھا۔۔ اور اس دھبے کو میرا شکر گزار ہونا چاہیے تھا کہ وہ میرے بدن پر واضح اور روشن دکھائی دیتا تھا اس دھبے کو میرا شکر گزار اس لیے ہونا چاہیے تھا کہ تب وہ میرے بابا کے نور بدن پر اترا ہو گا تو کہاں دکھائی دیتا ہو گا۔ وہاں روشنی اتنی تھی کہ اس میں بجھ گیا ہو گا"۔ [۵۱]

مندرجہ بالا اقتباس میں حد درجے کا مبالغہ دیکھنے میں آتا ہے۔ مبالغے کا مقصد یوں تو تحریر میں قوت فہم اور جملے کی قدر و قیمت بڑھانے اور اس میں مزید معلومات کو شامل کر کے اسے سجانا مقصود ہوتا ہے یعنی کسی بھی عام اور سادہ سے جملے میں جان بھر دینا مبالغہ آرائی کے زمرے میں آتا ہے اور یہ تب ہی ممکن ہوتا ہے جب مصنف یہ فن جانتا ہو اور جملے کی ساخت کو مزید معنویت عطا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ مبالغے میں کسی بھی شے کی تعریف کو حد سے زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے یعنی مقصد اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے اور حقیقت میں اگر ایسا کچھ ہو بھی تو وہ بہت کم ہوتا ہے مبالغہ آرائی کا سہارا لے کر اسے بڑھا چڑھا دیا جاتا ہے۔

> "یقین کیجیے کہ وہ لمحے عجب جمال کے تھے جب میں یکسر اکیلا وہاں بیٹھا ہوا تھا اور وادی مکہ نیچے بچھی ہوئی روشن تھی۔ اپنی روشنیاں اوپر میرے چہرے کے لیے بھیجتی تھی۔

ان کی لو سے میں محسوس کر سکتا تھا کہ وہ میرے رخساروں کے مساموں میں جذب ہو رہی تھی۔۔ ڈر بھی سراسر رخصت ہو گیا اور میرا پورا بدن تھکن سے بے نیاز ہوا"۔ (۵۲)

مندرجہ بالا اقتباس "غار حرا میں ایک رات" سے لیا گیا ہے مصنف جب غار میں تنہا رات کو قیام کر رہے تھے تو اس وقت وادی مکہ انہیں صاف اور روشنیوں سے بھرپور دکھائی دے رہی تھی اور اس منظر کو انہوں نے نہایت خوبصورتی سے مبالغے کا سہارا لیتے ہوئے بیان کیا ہے۔ مذہب کے حوالے سے مبالغے کو کافی چھوٹ حاصل ہے کیونکہ اس میں انسان کے جذبات و احساسات کا کافی عمل دخل ہوتا ہے اس لیے اس میں مبالغہ آرائی کو رعایت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ بحثیت مجموعی اگر مستنصر حسین تارڑ کے ان دونوں مذہبی سفر ناموں "منہ ول کعبے شریف" اور غار حرا میں ایک رات" کو دیکھا جائے تو ان میں "غار حرا میں ایک رات" میں حد درجے کی مبالغہ آرائی پائی جاتی ہے جو ان دونوں سفر ناموں کو ایک دوسرے سے منفرد بناتی ہے۔

"منہ ول کعبے شریف" کو اگر تفصیل سے دیکھا جائے تو یہ کافی مفصل ہے اس میں صفحات کی تعداد تقریباً ۴۶۴ ہیں جبکہ اس کی نسبت "غار حرا میں ایک رات" ۲۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ "منہ ول کعبے شریف" میں چونکہ حج کے حوالے سے تمام مناسک کی ادائیگی کا ذکر دیکھنے میں ملتا ہے اس لیے اس کی تفصیل کافی زیادہ ہے مصنف نے ہر واقعے کو اس کی پوری جزئیات کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ لاہور ائیرپورٹ سے سفر کا آغاز اور جدہ پہنچنے کا احوال ہی صرف آٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر منظر کو انتہائی مفصل انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ مکہ کا شہر جب جہاز میں سے نظر آیا تو اس منظر کو مصنف نے انتہائی مفصل انداز سے بیان کرنے کی سعی کی ہے ملاحظہ فرمایئے:

"جیسے صحرا میں بہت دور ایک الاؤ نظروں سے اوجھل ہو پر اس کی پرچھائیاں اس کے وہاں ہونے کا پتہ دیتی ہوں۔ ایسے نیچے ایک روشنی تھی جو پہاڑوں کے اونچ نیچ میں سے ظاہر ہو رہی تھی۔ پہاڑیاں اس روشنی۔۔ بے حد ہلکی روشنی کے باعث سیاہ ہو کر واضح ہو رہی تھیں اور ان کے درمیان میں کہیں وہ الاؤ روشن تھا جو اوجھل تھا۔۔ اس کے سوا کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔۔ کوئی عمارت۔ کوئی شاہراہ۔۔ کوئی شہر۔۔ یا اس کی روشنیاں محض روشنی کی ایک علامت ان پہاڑیوں میں سے ایک ہلکی دھند کی مانند پھوٹ رہی تھی"۔ (۵۳)

اس مندرجہ بالا اقتباس کو دیکھیں تو اس میں مصنف ایک ہی بات کو بار بار تحریر کو مفصل بنانے کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ روشنی کو بیان کرنے کے لیے انہوں نے کتنی اور چیزوں اور باتوں کا سہارا لیا ہے۔ کبھی اسے سیاہ کر کے بیان کیا گیا ہے اور کبھی روشن۔ کبھی اسے شاہراہ پر دکھایا گیا ہے اور کبھی پہاڑوں کی اوٹ میں حالانکہ اس حوالے سے اس قدر لمبی تمہید کی ضرورت درکار نہیں تھی لیکن چونکہ سفر نامے میں مصنف کو یہ آزادی حاصل ہوتی ہے کہ وہ جیسے چاہے اپنے سفر کے حال کو قارئین کے سامنے پیش کرے اور یوں بھی یہ ہر سفر نامہ نگار کے بس کی بات بھی نہیں ہوتی کہ وہ مختلف انداز سے ایک ہی بات کو الگ الگ زاویوں کا سہارا لے کر بیان کر سکے اس حوالے سے مستنصر حسین تارڑ کو یہ کمال حاصل ہے کہ وہ اپنی عام سی بات کو بھی اپنی قوت متخیلہ کی مدد سے اس قدر خوبصورت اور دلکش بنا کر قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ داد وصول کیے بنا ان کی کوئی تحریر باقی نہیں رہتی۔

"غار حرا میں ایک رات" سفر نامے میں شروع کے ۸۶ صفحے میں مصنف نے زیارات مقدسہ کے احوال کو مفصل انداز میں بیان کیا ہے۔ مصنف کو چونکہ زیارات پر جانے کا اشتیاق تھا اور خصوصاً ان جگہوں کی زیارت کا جہاں پر بھی حضور ﷺ کا گزر ہوا تھا اور روایات میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور ﷺ نے وہاں ان مقامات پر قیام کیا تھا اور آپ ﷺ کا وقت وہاں گزرا تھا۔ زیارات کے بیان کے بعد ۸۷ صفحات سے مصنف نے "غار حرا میں ایک رات" کے حوالے سے سفر نامے کو آگے بڑھایا ہے اور پھر اس حوالے سے مصنف نے سب سے پہلے غار حرا جانے کے حوالے سے تیاری کو نہ صرف بیان کیا ہے بلکہ سامان فہرست برائے غار حرا کی بھی تفصیل دی ہے لیکن اسے زیادہ لمبا چوڑا کر کے بیان نہیں کیا بلکہ ضروری باتوں کو ہی سفر نامے کا حصہ بنایا گیا ہے۔ بحثیت مجموعی اگر دیکھا جائے تو غار حرا میں ایک رات میں مصنف نے مختصر انداز میں سفر نامے کو آگے بڑھایا ہے جبکہ "منہ ول کعبے شریف" میں تفصیل دیکھنے میں آتی ہے اس کی وجہ مناسک حج ہیں جن کی تفصیل بیان کرنا ایک ضروری امر ہے تاکہ قاری کو تمام تر پہلوؤں سے واقفیت دلائی جا سکے۔ مستنصر حسین تارڑ یوں بھی سفر نامے کے بیان میں خاصی تفصیل میں چلے جاتے ہیں بعض اوقات تو قاری اکتاہٹ اور بوریت محسوس کرنے لگتا ہے لیکن اس سب میں مصنف کو یہ کمال حاصل ہے کہ وہ جیسے ہی اس بات سے آگاہ ہوتے ہیں کہ تحریر میں سپاٹ پن اور بوریت کا عنصر شامل ہو رہا ہے وہ فوراً سے تحریر کو دوسری ڈگر پر ڈال دیتے ہیں اور قاری کو دوبارہ اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں یہی خوبی قاری کو سفر نامے میں شامل حال

رکھتی ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اب آگے کیا ہونے والا ہے اور کونسے مزید ایسے پہلو ہیں جو ابھی اجاگر ہونے باقی ہیں۔

"منہ ول کعبے شریف" میں مصنف نے سعودی عرب کے لوگوں کے رہن سہن اور ثقافتی عناصر کو بھی تفصیل سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ جبکہ "غار حرا میں ایک رات" میں سعودی عرب میں لوگوں کے رہن سہن اور ثقافت کے حوالے سے کہیں بھی کچھ بیان نہیں کیا گیا۔

"منہ ول کعبے شریف" میں مصنف نے ریستورانوں، شاپنگ مالز اور شاہراہوں کے احوال کو بھی اپنے قاری تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ جدہ میں لوگوں کے رہن سہن اور ثقافت کو خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے سعودی عرب میں نماز کے اوقات میں ہر شے معطل ہو جاتی ہے مثلاً جو جہاں آذان کی آواز سنتے ہیں وہ اپنے تمام کاموں کو اسی وقت خیر آباد کہہ کر نماز کی تیاری میں لگ جاتا ہے یہ کچھ ایسے اصول ہیں جنہیں وہاں کی حکومت نے تمام شہریوں پر لاگو کر دیئے ہیں۔ اس حوالے سے یہ اقتباس دیکھیے۔۔

> "آپ کسی شاپنگ مال میں ہیں تو اس کے داخلے کے دروازے بند ہو جاتے ہیں روشنیاں مدھم کر دی جاتی ہیں۔ دروازوں کے شٹر گر جاتے ہیں۔ ریستورانوں میں بیٹھے ہوئے افراد باہر نہیں جاسکتے اور باہر سے کوئی اندر نہیں آسکتا"۔ [۵۴]

مصنف مزید سعودیوں کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ فرض کی ادائیگی کو سعودی لوگ اپنے حواس پر سوار نہیں کرتے بلکہ جیسے زندگی کے دوسرے کام بے پروائی سے کرتے چلے جاتے ہیں بالکل اسی طرح نماز کی ادائیگی کو بھی معمول کا حصہ سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔ نہ بار بار گھڑی دیکھتے ہیں اور نہ دوسروں سے بار بار ازان کا پوچھتے ہیں نہ مسلک کے حوالے سے معلومات حاصل کرتے ہیں کہ کس مسجد میں نماز ادا کی جائے اور وضو کہاں کیا جائے، جیسے کھانا پینا، سونا جاگنا، گفتگو کرنا یا شاپنگ کرنا بالکل ایسے ان کے لیے نماز پڑھنا ہے۔ جدہ میں ایک ریستوران میں کھانا کھانے کے بعد مصنف اور آپ کے بیٹوں نے قہوہ نوش فرمایا اور پھر اس کے ساتھ ہی ویٹر حقہ یا شیشہ لے آیا اور مصنف سے جب آپ کے بیٹوں نے پوچھا کہ کونسے ذائقے کا تمبا کو پینا پسند کریں گے تو مصنف نے ان الفاظ میں جواب دیا ملاحظہ فرمایئے:

"بھی میں تو محض ایک قدیم ثقافت کی قربت حاصل کرنے اور اس کی بو باس سونگھنے کے لیے چند کش لگانا چاہتا ہوں۔۔ تو ذائقے سے مطلب۔یعنی مے غرض نشاط تو نہیں۔ بس تمباکو ہو اور عربی قسم کا ہو"۔ (۵۵)

اس مندرجہ بالا اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ مصنف کو سعودی عرب کی ثقافت سے آگاہی حاصل کرنے میں کس قدر دلچسپی تھی انہوں نے حقے کا کش لگانے کو بھی ثقافت سے جوڑنے کو ترجیح دی ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کو یہ کمال حاصل ہے کہ ثقافتی رہن سہن، طرز بود و باش، رسم و رواج کا بہت بناریک بینی سے جائزہ لیتے ہیں اور اپنے سفر ناموں کا حصہ بناتے ہیں۔"منہ ول کعبے شریف"چونکہ مذہبی سفر نامہ ہے اس لیے مصنف نے بس ضروری ثقافتی عناصر کو بیان کیا ہے بہت زیادہ لمبی لمبی تمہیدیں نہیں باندھی بس جو جیسا دیکھا بیان کر دیا اور پھر اصل موضوع پر لکھنا شروع کیا۔ سعودی عرب میں رواج ہے کہ ہر مرد ایک سے زیادہ شادیاں کرتا ہے۔اس حوالے سے مصنف لکھتے ہیں:

"میرے جیسے یک زوجہ حضرات کو"مسکین" کے نام سے پکارا جاتا ہے کہ یہ بے چارہ صرف ایک بیوی افورڈ کر سکتا ہے۔۔ چنانچہ اکثر بیویاں جان بوجھ کر شاہ خرچیاں اور فضول خرچیاں وغیرہ کرتی ہیں تاکہ خاوند کے پاس مزید ایک بیوی کے لیے مناسب سرمایہ باقی نہ بچے"۔ (۵۶)

مصنف کا زیادہ وقت تہلیہ شہر میں گزرا اس شہر میں ہر طرف شیشہ ہی شیشہ ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا فیشن ہاؤس نہیں جس کے کپڑے، زیور، گھڑیاں، شوز، جرابیں ہیرے جواہرات مثلاً جو کچھ بھی پہناوے کے حوالے سے عورتوں اور مردوں کی چیزیں ہیں تہلیہ میں مہیا ہیں۔اس کے شیشے کی شوکیسوں میں بغیر سر کے بقیہ بدن کی اشتعال انگیزی کے ساتھ مورتیاں کھڑی نظر آتی ہیں جن پر یہ لباس زیب تن کئے ہوتے ہیں۔ یہ سعودی عورت کی بھرپور نمائندگی کرتی ہیں یہ لباس انتہائی ہیجان خیز اور مختصر ہوتے ہیں۔ تہلیہ کے حوالے سے مصنف نے جو دیکھا ان الفاظ میں بیان کیا:

"تہلیہ ایسے ہی ملبوسات کی نمائش گاہ ہے۔۔ ایک مستند روایت کے مطابق یہ عرب خواتین کے محبوب پہناوے ہیں اور پرائیویٹ پارٹیوں میں حجاب کی بجائے فیشن گھروں کے یہ ہی خصوصی لباس ہوتے ہیں اور بے حجاب ہوتے ہیں"۔ (۵۷)

بحیثیت مجموعی دیکھا جائے "منہ ول کعبے شریف" میں مصنف نے ثقافتی عناصر کو بیان کرنے کی کافی حد تک کوشش کی ہے تا کہ قاری سعودی عرب کی ثقافت کے حوالے سے بنیادی معلومات حاصل کر سکے جبکہ "غار حرا میں ایک رات" میں کہیں بھی ایسا نظر نہیں آتا اور یہ فرق ان دونوں مذہبی سفر ناموں کو ایک دوسرے سے منفرد بناتا ہے۔

حوالہ جات

1. توحید احمد، تقابلی ادب، ایک تنقیدی جائزہ، پورب اکادمی، اسلام آباد، جون ۲۰۱۵ء، ص ۸
2. ایضاً، ص ۸
3. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۹
4. مستنصر حسین تارڑ، غار حرا میں ایک رات، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۷
5. اشفاق احمد، مستنصر حسین تارڑ کا پکھیرو، مشمولہ عالمی فروغ اردو ادب ایوارڈ، ۲۰۰۸ء، ص ۱۲
6. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۱۴
7. مستنصر حسین تارڑ، غار حرا میں ایک رات، ص ۷
8. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۱۲
9. مستنصر حسین تارڑ، غار حرا میں ایک رات، ص ۹
10. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۳۱۹
11. مستنصر حسین تارڑ، غار حرا میں ایک رات، ص ۲۲
12. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۱۶
13. مستنصر حسین تارڑ، غار حرا میں ایک رات، ص ۱۰۲
14. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۱۲۱
15. ہفت روزہ عزم، مشمولہ مستنصر حسین تارڑ سے خصوصی انٹرویو، ۲۰۰۶ء، ص ۲۵
16. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۵۲
17. مستنصر حسین تارڑ، غار حرا میں ایک رات، ص ۱۳۵
18. ایضاً، ص ۱۳۵
19. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۱۵۵-۱۵۴
20. ایضاً، ص ۴۴
21. ایضاً، ص ۱۹
22. مستنصر حسین تارڑ، غار حرا میں ایک رات، ص ۱۹۵
23. ذوالفقار علی احسن، اردو سفر نامے میں جنس نگاری کا رجحان، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۲۲۸

24. مستنصر حسین تارڑ، غار حرا میں ایک رات، ص ۱۴۱
25. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۱۵۳
26. ایضاً، ص ۱۷۶
27. مستنصر حسین تارڑ، غار حرا میں ایک رات، ص ۲۰۴
28. ایضاً، ص ۱۱۰
29. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۲۲۲
30. ایضاً، ص ۲۲۳
31. ایضاً، ص ۲۲۴
32. مستنصر حسین تارڑ، غار حرا میں ایک رات، ص ۲۲۳
33. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۲۲۵
34. مستنصر حسین تارڑ، غار حرا میں ایک رات، ص ۶۵
35. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۵۸
36. ایضاً ، ص ۴۳۰-۴۳۱
37. مستنصر حسین تارڑ، غار حرا میں ایک رات، ص ۱۰۱
38. ایضاً ، ص ۷
39. ایضاً ، ص ۱۱
40. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۲۰
41. مستنصر حسین تارڑ، غار حرا میں ایک رات، ص ۱۸۳
42. ایضاً، ص ۱۰۶
43. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۱۷۲
44. مستنصر حسین تارڑ، غار حرا میں ایک رات، ص ۸۹
45. ایضاً، ص ۷۹
46. ایضاً، ص ۹۰
47. Khawabgarrifiction-blogspot.com/blogpost-04/2011/huml2130

10th June, 2019, 5:54PM

48. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۱۲۲

49. ایضاً ، ص ۱۳۴

50. ایضاً، ص ۱۵۷

51. مستنصر حسین تارڑ، غار حرا میں ایک رات، ص ۱۸۰

52. ایضاً، ص ۱۷۱

53. مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، ص ۲۲۵

54. ایضاً، ص ۵۰

55. ایضاً، ص ۸۷

56. ایضاً، ص ۹۸

57. ایضاً، ص ۱۵۰

باب پنجم: (ماحصل)

الف۔ مجموعی جائزہ:

ادب کی نثری اصناف میں سے ایک اہم صنف سفر نامہ بھی ہے اس کا آغاز یوں تو یورپ سے ہوا لیکن گزرتے وقت کے ساتھ اس صنف نے بھی دوسری اصناف کی طرح اردو ادب میں اپنی ایک بہت خاص اور بلند جگہ بنالی ہے۔ پہلے پہل تو سفر نامے کو عام طور پر معلومات اور تفریح کی نیت سے ہی پڑھا جاتا تھا۔ لوگ اس کو پڑھ کر لطف اندوز ہوتے تھے اور یوں بہت سے مقامات سے انہیں گھر بیٹھے بٹھائے آگاہی حاصل ہو جاتی تھی۔ آج کل سفر نامے کو بلخصوص ادب کی ایک اہم صنف کے طور پر پڑھا جاتا ہے اور اس کی مقبولیت میں بھی کافی اضافہ ہوا ہے۔

سفر سے مراد ایک جگہ یا مقام سے دوسری جگہ یا مقام تک جانا ہے۔ یہ سفر کہیں طرح کا ہو سکتا ہے جیسے بری، بحری وور پیدل چل کر بھی ایک مقام سے دسرے مقام تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ سفر کرنے سے انسان بہت کچھ سیکھتا ہے جیسے دوسرے علاقوں یا ممالک کے لوگوں کا رہن سہن، مزاج اور اطوار اور بہت سی دوسری چیزوں سے واقفیت حاصل ہو جاتی ہے۔ یوں بھی سفر انسانی خمیر میں شامل ہے کہ وہ کائنات کو تسخیر کرے اور مظاہر قدرت کے تمام چھپے ہوئے پہلوؤں تک رسائی حاصل کرے۔ سفر کے ذریعے ایک تو سیر و تفریح کا موقع مل جاتا ہے اور دوسری طرف معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور جب یہ معلومات کوئی ادیب یا سفر نامہ نگار دوسروں تک ایک ادبی شکل میں پہنچاتا ہے تو کہیں دوسرے لوگ بھی خود کو اس سفر میں شامل حال سمجھنے لگتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی معلومات میں بھی کہیں حد تک اضافہ ہو جاتا ہے۔

سفر نامہ ایک روداد سفر یا رپور تاژ کا درجہ رکھتا ہے۔ اسے آپ بیتی کی شکل بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس میں انسان صرف وہی کچھ بیان کر سکتا ہے جو اس پر بیت چکی ہوتی ہے۔ ایک اچھے سفر نامے میں مشاہدے کی گہرائی اور ثقافتی مطالعے کا سلیقہ ہر لحاظ سے موجود ہوتا ہے۔ سفر نامے کا حقیقت پر مبنی ہونا بہت ضروری ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ حقیقت پر مبنی نہیں ہو گا تو قارئین اس کو پڑھ کر مایوس ہو کر رہ جائیں گے۔ حقیقت پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ سفر نامے کو خیال انگیز، دلچسپ اور بصیرت افروز بھی ہونا چاہیے۔

سفر نامے کے فن کے حوالے سے اہم چیز سفر نامہ نگار کا مطالعہ ہوتا ہے جتنا اس کا مطالعہ اچھا ہو گا وہ اتنا ہی زیادہ اپنے خیالات، مشاہدات اور آنکھوں دیکھے واقعات کو اچھے انداز میں بیان کرنے کے قابل ہو گا۔ فنی اعتبار سے سفر نامہ ایک بیانیے کا درجہ رکھتا ہے۔ اس صنف کا تمام تر مواد موجود منظر کے گرد وپیش میں بکھرا ہوتا ہے سفر نامہ نگار کا اہم فریضہ ان بکھرے ہوئے مناظر اور ان کی تمام تر جزئیات کو سمیٹ کر یکجان کرنا ہوتا ہے۔ سفر نامے تاریخ کا ایک اہم باب بھی ہیں انسانی علوم وفنون اور تاریخ کے حوالے سے آگاہی بھی سفر ناموں سے ہی حاصل کی جاتی ہے۔

تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ سفر کا آغاز تو حضرت آدمؑ کے جنت سے نکال کر دنیا کی طرف بھیج دینے کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا ان کا دنیا کی طرف بھیجے جانا ایک نہایت عظیم سفر کو ہمارے سامنے لاتا ہے قرآن و حدیث میں بھی متعدد مقامات پر سفر کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ سفر کا اہم پہلو اس کی مسلسل حرکت ہے۔ زندگی بھی ایک سفر ہے اور ہر انسان یہاں پر ایک مخصوص وقت کے لیے آیا ہے۔

رسول ﷺ کی حیات طیبہ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو اس میں متعدد مقامات پر سفر کا احوال نظر آتا ہے حضور ﷺ کا مکہ سے مدینے کی طرف سفر ایک سیاسی عمل تھا۔۔ ایک سفر حضور ﷺ نے معراج کے موقع پر بھی کیا ہے یہ آپ کا ایک روحانی سفر تھا جس میں آپ نے تمام خلائی حدبندیوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے عبور کیا۔

اردو ادب میں مذہبی سفر ناموں کی روایت کا اگر جائزہ لیا جائے تو اس میں حج و عمرہ کے حوالے سے کئے گئے سفر ناموں کی ایک کثیر تعداد سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ یہ قدیم روایت ہے۔ اس کا سلسلہ حجتہ الوداع سے قائم کیا جاتا ہے۔ حج کا سفر ایک بہت بڑی سعادت ہے۔ حج کا سفر انسان کے دلی جذبات واحساسات کا ترجمان ہوتا ہے یہ تجربہ دنیا کے کسی بھی ملک کے سفر کرنے سے حاصل نہیں ہوتا حج کے سفر کے اثرات انسان کی زندگی اور ذات پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہو کر رہ جاتے ہیں وہ انسان انہیں ہمیشہ یاد کر کے دلی خوشی اور اطمینان حاصل کرتا ہے۔

سفر حج اور ارض مقدس کی زیارت کو ہمیشہ سے ہی کافی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس کی وجہ انسان کا اپنے خالق حقیقی یعنی پیدا کرنے والی ذات سے ملاقات کا شرف حاصل کرنا ہے۔ یہ ملاقات چاہے پس پردہ ہوتی ہے لیکن انسان کی اس حوالے سے ایک خاص قسم کی عقیدت و محبت ہمیشہ سے ہی غالب رہی ہے۔

مذہبی معلومات کے حوالے سے اردو سفر نامے خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ اس حوالے سے بہت سے سفر نامہ نگاروں نے سفر نامے لکھے ہیں اور کافی شہرت بھی حاصل کی ہے۔ اردو میں پہلا سفر نامہ حج ۱۲۶۸ میں نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے "الصدیق اور بیت العتیق" کے نام سے لکھا ہے۔ اس کے علاوہ ۱۸۸۰ میں دوسرا سفر نامہ حج محمد عمر علی خان نے "ذاد غریب" کے نام سے لکھا ہے جو خاصا مقبول ہوا۔

گزرتے وقت کے ساتھ سعودی عرب میں کافی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور یوں جو ادیب سفر حج اختیار کرتے تھے ان کے لکھنے میں بھی جدت اور ندرت دکھائی دینے لگی اس طرح اردو مذہبی سفر ناموں میں قدیم کہانیوں کی بجائے نئے خیالات واقعات نے اہمیت حاصل کی۔ اس لحاظ سے مولانا غلام رسول مہر کا حج نامہ " سفر نامہ حجاز" ۱۹۳۰ کے سفر کی بہترین یادگار ہے۔ مولانا مودودی کا عمرہ کے حوالے سے سفر نامہ " سفر نامہ ارض القرآن" نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

اردو کے مشہور ناول نگار نسیم حجازی کا سفر نامہ "پاکستان سے دیار حرم تک" ہے۔ شورش کاشمیری کا مشہور سفر نامہ " شب جاتے کہ من بودم" ہے۔ سفر نامے کی بڑی خوبی اس کی لذت آفرین اور نہایت شیریں زبان ہے۔ اردو مذہبی سفر ناموں کی تاریخ میں ممتاز مفتی کا نام بہت اہمیت کا حامل ہے آپ کا سفر نامہ حج "لبیک" سفر کے واقعات سے زیادہ چودہ سو سال پرانا سعودیہ پیش کرتا ہے۔ "حدیث دل" عبداللہ ملک کا حج کا سفر نامہ ہے۔

مذہبی سفر نامہ علمی و ادبی اعتبار سے ایک نہایت اہم صنف ادب ہے۔ ان کی ایک خاص تعلیمی اہمیت بھی ہے۔ ایک طرف تو ہمیں ان سے معلومات حاصل ہوتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ دوسرا ہمیں اس سے دوسرے ممالک کی زندگی، رہن سہن، علوم و فنون، عادات و اطوار سے بھی آگاہی مل جاتی ہے۔ مذہبی سفر ناموں میں حج و عمرہ اور تمام ارکان حج کی تفصیلات اور تمام تر چھوٹی سے چھوٹی جزئیات سے بھی انسان کو آگاہی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ سفر نامے دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے کافی اہم ہوتے ہیں۔

مذہبی سفر ناموں کی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے معروف ادیب، نامور ناول نگار، سفر نامہ نگار، افسانہ نگار، طنز و مزاح نگار، دانشور، اداکار مستنصر حسین تارڑ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ آپ نے ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۵۸ء میں کیا۔ پہلے پہل ہفتہ وار رسالے "قندیل" میں لکھنا شروع کیا۔ قندیل میں آپ نے

سفر نامہ "لندن سے ماسکو تک" لکھنا شروع کیا جو کہ ہفتہ وار شائع ہوتا رہا۔ خصوصی حوالے سے آپ کی شہرت کو دیکھتے ہوئے جس صنف کا نام زیر غور آتا ہے وہ "سفر نامہ" ہے۔

سیاحت مستنصر حسین تارڑ کا بہترین مشغلہ ہے۔ آپ کے کئی سفر نامے اردو سفر نامے کی تاریخ میں نمایاں مقام و مرتبے کا درجہ رکھتے ہیں۔ زبان و بیان اور اسلوب کے حوالے سے دیکھا جائے تو مستنصر حسین تارڑ کے سفر ناموں میں جذبات و احساسات کی بھرپور عکاسی کے ساتھ ساتھ سادہ اور شگفتہ اسلوب، اور ذاتی تجربات کا ایسا اظہار دیکھنے کو ملتا ہے کہ قاری خود کو اس مقام پر پاتا ہے۔ آپ کے سفر ناموں میں ایک خاص قسم کی بے ساختگی دیکھنے کو ملتی ہے۔

مستنصر حسین تارڑ نے جو نام اور عزت و شہرت سفر نامہ نویسی کی صنف میں حاصل کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے جب لکھنا شروع کیا اس وقت ارد گرد بہت سے دوسرے لوگ بھی لکھ رہے تھے لیکن آپ کا انداز بیان، اسلوب اور سفر نامے کو آگے بڑھانے کا فن سب سے الگ اور نیا تھا اور سب نے اسے بہت پسند بھی کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے قدیم روایتی اصولوں سے ہٹ کر لکھنا شروع کیا جسے پڑھنے والوں نے بہت پسند کیا۔ آپ نے چونکہ جدید سفر نامے کو ایک بنیاد فراہم کی اس لیے آپ کو جدید سفر نامہ نویسی کا بانی کہا جاتا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ کے سفر ناموں کی کل تعداد بائیس کے لگ بھگ ہے، جن میں سے انیس کا تعلق سیر و سیاحت سے ہے اور باقی دو کا تعلق مذہبی سفر ناموں سے ہے۔ "منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" مذہبی نوعیت کے سفر نامے ہیں۔ یہ دونوں سفر نامے مذہب سے والہانہ محبت اور عقیدت کی بہترین مثال کے طور پر سامنے آتے ہیں۔

مستنصر حسین تارڑ کا سفر نامہ "منہ ول کعبے شریف" سفر نامہ حج ہے۔ اس سفر نامے میں مصنف نے حج پر جانے کی روداد کو بیان کیا ہے اس سفر میں آپ کے ساتھ آپ کے دو بیٹے سلجوق اور سمیر بھی شامل رہے۔ مستنصر حسین تارڑ کی عادت رہی ہے کہ وہ کبھی بھی اکیلے سفر اختیار نہیں کرتے بلکہ کسی نہ کسی کو اپنے ساتھ شامل سفر ضرور رکھتے ہیں چاہے وہ کوئی فیملی ممبر ہو یا پھر قریبی عزیز اور حتیٰ کہ دوست احباب بھی آپ کے ساتھ کئی بار شامل سفر رہے ہیں۔ "منہ ول کعبے شریف" میں مصنف نے آغاز سے ہی اپنے سفر کے آغاز کو نہایت اچھے انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے اس حوالے سے آپ کے جو جذبات و احساسات ہیں وہ بھی

کھل کر سامنے آتے ہیں کہ آپ کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حوالے سے جو عقیدت و محبت ہے وہ الفاظ کی شکل میں قاری تک نہایت اچھے انداز میں پہنچتی ہے۔"منہ ول کعبے شریف"کو مصنف نے مختلف ابواب کی صورت میں تقسیم کیا ہے جس طرح حج پر جانے کے حوالے سے لاہور سے جدہ پھر خانہ کعبہ اور وہاں قیام کرنے کے بعد منیٰ اور پھر عرفات کی طرف روانگی اور وہاں سے مزدلفہ میں صبح شب قیام کا احوال، شیطان کو کنکریاں مارنے کے حوالے سے تمام تر واقعات اور مشکلات اور آخر میں پھر جدہ کی طرف واپسی کا احوال بیان کیا ہے۔

پہلے حصے میں مصنف نے ان تمام تر تفصیلات کو جن کا تعلق حج سے ہے بڑے اچھے اور عمدہ انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔اسی طرح اگلے حصے میں سفر طائف کا احوال اور مختلف مقدس مقامات جن میں مساجد کے حوالے سے بھی اور جو زیارات کی گئی جن میں مسجد عداس اور مسجد نبوی کا احوال و تذکرے شامل ہیں انہیں سفر نامے کا خاص حصہ بنایا گیا ہے۔ تیسرے حصے میں مدینے کے حوالے سے اپنی محبت و عقیدت کو قاری کے سامنے پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

سفر نامے کا چوتھا حصہ "روضہ رسول ﷺ کی زیارت اور روضہ رسول ﷺ سے مصنف کی محبت و عقیدت کو پیش کرنے کے حوالے سے ہے۔ اس میں وہ تمام احوال بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن سے گزر کر مصنف روضہ رسول ﷺ تک پہنچتے ہیں۔ روضہ رسول ﷺ کی زیارت کا مصنف کو بہت زیادہ اشتیاق تھا اس لیے اس حصہ کو کافی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔اس کے بعد مسجد نبوی، جنت البقیع، جبل احد، مسجدِ قبا، غار حرا اور پھر آخر میں مکے کی طرف روانگی کا احوال بیان کیا گیا ہے۔

یہ سفر نامہ چونکہ سفر نامہ حج ہے اس میں ہمیں جا بجا اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت و عقیدت کی مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ قاری سفر نامہ پڑھتے ہوئے ان مقامات میں خود کو چلتے پھرتے محسوس کرتا ہے یہ مصنف کا کمال ہے کہ انہوں نے اتنی خوبصورتی سے ان تمام مناظر کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے کہ انسان خود کو وہاں پر موجود محسوس کرتا ہے۔

"منہ ول کعبے شریف" میں سفر نامے کے آغاز سے ہی ہمیں مصنف کی مکے جانے کی تڑپ دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف حج کے اہم فریضے کو ادا کرنے کی غرض سے جا رہے تھے تو اس حوالے سے آپ کے جذبات و احساسات کافی گہرائی کے ساتھ قاری کے سامنے آتے ہیں۔ ائیر پورٹ پر پہنچتے ہی

مصنف کی بے چینی دکھائی دیتی ہے انہیں پل بھر بھی چین نہیں آرہا ہوتا بس اسی انتظار میں ہوتے ہیں کہ کب جہاز اپنی پرواز بلند کرے گا اور لبیک کا ورد شروع کریں گے۔ پھر جب پرواز کے دوران ہی پائلٹ بلند آواز ہو کر کہتا ہے کہ جہاز کے بائیں جانب دیکھئے مکہ کا شہر نظر آرہا ہے۔ تو اس لمحے بھی مصنف انتہائی بے چین دکھائی دے رہے ہوتے ہیں اور کھڑکی کے شیشے پر آنکھیں جھپکتے اسی انتظار میں ہوتے ہیں کہ ان کی آنکھیں انہیں کوئی ایسا منظر دکھادیں جو اس سے پہلے انہوں نے کبھی دیکھا نہ ہو۔

مکے پہنچنے کے بعد مصنف کچھ پریشان دکھائی دیے اور طرح طرح کے وسوسوں کا شکار محسوس ہوئے اور سوچنے لگے کہ کہیں یہ لوگ جو پہلے سے یہاں موجود ہیں وہ مصنف کو یہاں سے جانے کا نہ کہہ دیں کیونکہ وہ تو وہاں کے مقامی رہنے والے لوگ ہیں وہ کہیں اجنبی سمجھ کر مصنف کو دھتکار نہ دیں کہ جاؤ یہاں سے تمہارا یہاں کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ لیکن یہ سب سوچتے ہوئے بھی مصنف اپنے طواف کا ارادہ ترک نہ کر سکے اور طواف کرنے میں مشغول ہو گئے اور باقی تمام سوچوں پر غلبہ حاصل کر گئے۔ چکر کے دوران مصنف مختلف لوگوں کو بھی دیکھ رہے ہوتے ہیں جن میں اپاہج لوگ نظر آتے ہیں جن کو ڈولیوں میں ڈال کر ان کے عزیز اقارب چکر لگا رہے ہوتے ہیں یہ تمام منظر دیکھ کر مصنف خود کو کوستے ہیں کہ جب یہ لوگ ہمت کر سکتے ہیں تو میں کیوں نہیں کر سکتا۔

حج کے یوں تو تمام مناسک ہی اپنی جگہ مشکل ہوتے ہیں لیکن مزدلفہ اور میدان عرفات میں رات قیام کرنا انتہائی مشکل کام ہے اس حوالے سے مصنف کافی پریشان ہو جاتے ہیں کہ کیسے رات گزرے گی لیکن پھر اس رات قیام کی حکمت کے حوالے سے سوچنے لگ جاتے ہیں کہ بڑے بڑے تکبر اور غرور کرنے والوں کے سر آج کے رات جھکتے ہوں گے اور ان کی امیری کے بت ٹوٹے ہوں گے یقیناً اس کے پیچھے یہ ہی حکمت ہو گی۔

مصنف جب حج پر گئے تھے تب انہیں اس قسم کی کوئی خواہش نہ تھی۔ حج سے واپسی پر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد انہیں غار حرا جانے کا خیال ستانے لگا اور اس حوالے سے انہوں نے تیاری کرنا شروع کر دی۔ مصنف نہ صرف "غار حرا" جانا چاہتے تھے بلکہ وہاں رات قیام کرنے کی بھی شدید خواہش رکھتے تھے آپ نے اس کا ذکر اپنی اہلیہ سے کیا جنہوں نے اس حوالے سے آپ کا بھرپور ساتھ دیا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ آپ کی یہ خواہش عارضی نوعیت کی نہیں ہے آپ کو وہاں جا کر ہی سکون نصیب ہو گا۔

سفر نامہ حج "منہ ول کعبے شریف" کے بعد مستنصر حسین تارڑ کا جو دوسرا مذہبی سفر نامہ منظر عام پر آیا وہ "غار حرا میں ایک رات" کے نام سے ہے۔ مجموعی حوالے سے دیکھا جائے تو یہ سفر نامہ مصنف کے " غار حرا میں ایک رات قیام" کے حوالے سے متعلق ہے۔ مصنف نے اپنے اس سفر نامے میں وہ تمام مناظر اور احوال بیان کیے ہیں جن سے گزر کر وہ غار حرا میں پہنچے تھے جن جن اشخاص سے پالا پڑا ان سب کا احوال بھی ہمیں اس سفر نامے میں ملتا ہے۔

یہاں پر آپ نے مقدس مقامات کی زیارات بھی کیں اس کے بعد مستنصر حسین تارڑ جس مشن پر آئے تھے اس کی تکمیل میں لگ گئے اس حوالے سے آپ نے مناسب اور ضروری اشیاء کو ایک تھیلے میں رکھنا شروع کیا تا کہ سفر کے دوران مشکلات سے بچا جا سکیں۔ مصنف نے کھانے پینے کی اشیاء کے ساتھ بیٹری، جائے نماز، جو گرز اور چادر کو بھی تھیلے میں رکھا۔ اس طرح آپ نے اپنی تیاری مکمل کی اور اب غار حرا کی جانب جانے کی تیاری شروع کی۔ مصنف کی فیملی آپ کے رات قیام کو لے کر پریشان دکھائی دی کیونکہ ان کے نزدیک آپ کی صحت اور عمر اس قابل نہیں کہ آپ وہاں رات قیام کریں اس لیے بہتر یہ ہی ہے کہ زیارت کریں اور واپس آجائیں لیکن مصنف اس پر راضی نہ ہوئے اور رات قیام کی ضد پر قائم رہے۔

مستنصر حسین تارڑ کا "غار حرا" جانے اور رات کا قیام کرنے کے پیچھے جو مقصد چھپا ہوا تھا وہ خود کو اس دور میں لے جانا اور محسوس کرنا تھا جس دور میں حضور ﷺ وہاں پر شب و روز قیام کرتے تھے مصنف چاہتے تھے کہ وہ خود کو اسی دور میں لے جائیں اور بالکل اسی طرح سے محسوس کریں جیسے حضور ﷺ کیا کرتے تھے۔ مصنف جب کافی مسافت طے کرنے کے بعد غار میں پہنچے تب وقت رات کا تھا ہر طرف تاریکی اور اندھیرا چھایا ہوا تھا تھوڑے بہت زائرین جو غار کے باہر موجود تھے وہ بھی جانے کی تیاری میں تھے۔ مصنف اس بات سے خوش تھے کہ انہیں اکیلے بہت سارا وقت گزارنے کا موقع مل جائے گا۔

غار حرا میں رات قیام کے دوران مصنف نے خوب دعائیں مانگیں آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور آنسو بھی بے قابو ہو کر بہنے لگے۔ تیزی سے گزرتی ہوئی رات مصنف کو پریشان کرتی تھی کہ وقت کم رہ گیا ہے اور ابھی یہاں سے جانے کا دل نہیں کر رہا یہاں تک کہ تہجد کا وقت قریب آن پہنچا۔ نماز کی ادائیگی کے بعد پھر سے دعاؤں اور عبادتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جو دعائیں مصنف پہلے مانگ چکے تھے اب دوبارہ وہی مانگنے لگے۔ غار حرا کا صحن چاند کی چاندنی سے مکمل طور پر خالی ہو چکا تھا اور صبح کا سورج اپنی آب و تاب سے چمکنے کے لیے تیار

نظر آرہا تھا۔ مصنف اب خالی الذہن ہو کر بیٹھ گئے تھے کیونکہ انہیں اب دلی سکون حاصل ہو چکا تھا۔ جب وہ غار کے اندرون سے باہر آئے تو ہر طرف زائرین کا رش لگا ہوا تھا ہر کوئی اسی تگ و دو میں تھا کہ جلد از جلد غار میں داخل ہو جائے اور دو نفل ادا کرلے۔ مصنف اس حوالے سے خود کو بہت خوش نصیب سمجھ رہے تھے کہ پوری رات غار میں گزاری اور اپنی دلی تمنا کو پورا کیا۔

"منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" دونوں سفر ناموں میں مصنف نے اپنے فن کا بہترین استعمال کیا ہے۔ نہایت خوبصورت اور دلکش تشبیہات، لفظیات اور تراکیب کا استعمال کیا ہے۔ تحریر کو خوبصورت اور دلکش بنانا مستنصر حسین تارڑ سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ سیدھی سادھی اور عام سی بات کو بھی اس انداز اور ڈھنگ سے ادا کرتے ہیں کہ قاری لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مصنف نے منہ ول کعبے شریف میں پنجابی تشبیہات کا بھی خوبصورت استعمال کیا ہے جبکہ "غار حرا میں ایک رات" میں اردو تشبیہات کا استعمال دیکھنے میں آتا ہے۔ عام طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ تشبیہ کا مشکل ہونا اسے خوبصورت بناتا ہے لیکن مستنصر حسین تارڑ نے اپنے اس فن سے ثابت کر دیا کہ تشبیہ جتنی آسان اور سہل ہوتی ہے اتنی اس کی خوبصورتی بھی زیادہ ہوتی ہے۔

تشبیہ کا استعمال چاہے سفر میں کیا جائے یا عام تحریر میں یہ دونوں صورتوں میں نزاکت اور لطافت کو بڑھا دیتا ہے۔ مصنف کے فن کی ایک اہم خوبی اس کا اسلوب بھی ہوتا ہے۔ مصنف کی ذاتی صفات جب کسی تحریر میں نظر آنے لگتی ہیں تو وہ "اسلوب" کہلاتا ہے۔ اس میں ذہنی اور جذباتی تجربے کا ایک خارجی روپ بھی ہوتا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کی سفر نامہ نگاری میں ان کا اسلوب نگارش سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے "منہ ول کعبے شریف"اور "غار حرا میں ایک رات" دونوں سفر ناموں میں بیانیہ تکنیک کا استعمال کیا گیا ہے۔ مصنف کے اسلوب میں ہمیں خارجی بیانات کے ساتھ ساتھ داخلی تاثرات کی بھی خوبصورت آمیزش نظر آتی ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کو پڑھنے والے زیادہ تر لوگوں کا تعلق عام عوام سے ہے ایسے لوگ جو ادب کے حوالے سے خاص جان کاری نہیں رکھتے وہ بھی مستنصر حسین تارڑ کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں چونکہ مصنف نے سادہ اسلوب کی بنیاد رکھی اس لیے ہر خاص و عام میں خوب مقبولیت حاصل کی۔

"منہ ول کعبے شریف"اور"غار حرا میں ایک رات" دونوں سفر نامے بیانیہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں بہترین اور خوبصورت مکالمہ نگاری کا بھی استعمال کیا گیا ہے اور یہ مکالمے ہمیں تحریر شروع سے آخر تک نظر آتے ہیں۔

یہ دونوں سفر نامے چونکہ مذہبی نوعیت کے ہیں اس لیے مصنف نے مکالموں کے بیان کے حوالے سے خاص عقیدت کو ملحوظ خاص رکھا ہے۔ جذبات و احساسات کو بیان کرنا یوں بھی ایک مشکل کام ہے لیکن مستنصر حسین تارڑ نے اپنے فن کے ذریعے نہایت اچھے انداز میں ان جذبات کو الفاظ میں ڈھالا ہے۔ مصنف نے سادگی اور سلاست کا استعمال کرتے ہوئے اپنے تاثرات کو نہایت عمدہ انداز میں بیان کیا ہے۔

مناظر کے بیان کے حوالے سے مستنصر حسین تارڑ اپنی مثال آپ ہیں آپ ایک باکمال سفر نامہ نگار ہیں جنہوں نے منظر نگاری میں اپنا لوہا منوایا ہے۔ اپنی فنی بصیرت کا استعمال کرتے ہوئے ایسے مرقعے پیش کیے ہیں کہ جن سے قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور خود کو اس ماحول میں محسوس کرنے لگتا ہے۔ مناظر کے اچھے بیان سے اور رودادِ سفر کے حوالے سے قاری کی دلچسپی اور لگن میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ قاری کو کسی قسم کی بوریت بھی محسوس نہیں ہوتی۔ مستنصر حسین تارڑ نے اپنی بہترین منظر کشی کا استعمال کرتے ہوئے جامد خطوط میں بھی جان ڈال دی ہے۔ دونوں سفر ناموں میں منظر کشی اپنے اندر عقیدت و احترام کو لیے ہوئے ہے۔

مستنصر حسین تارڑ کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ فکر، تخیل اور عمدہ اندازِ بیان عطا کیا ہے۔ آپ کے سفر نامے "منہ ول کعبے شریف"اور"غار حرا میں ایک رات" میں آپکا تخیل اعلیٰ درجے پر فائز نظر آتا ہے۔ آپکی ان دونوں تحریروں میں تخیلاتی تصویریں آنکھوں کے سامنے چلتی پھرتی محسوس ہونے لگتی ہیں۔ مصنف نے اپنی قوت متخیلہ کا استعمال کرتے ہوئے غار حرا میں رات قیام کے دوران حضور ﷺ کو وہاں پر محسوس کیا اور پھر اس کا اظہار نہایت خوبصورت انداز میں کیا۔ مصنف کی اعلیٰ قوت متخیلہ اُسے قاری کے دل کے مزید قریب لے جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ مستنصر حسین تارڑ ہر خاص و عام کے لیے ایک بلند اور اعلیٰ پایہ کے مصنف کا مقام رکھتے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ کو یہ کمال حاصل ہے کہ وہ اپنے تخیل کو قاری کے سامنے اس انداز میں لاتے ہیں کہ وہ قاری کے دماغ پر سحر کی طرح اپنا اثر چھوڑ جاتا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ کے یہ دونوں سفر نامے اپنے اندر کہانی پن لیے ہوئے ہیں۔ کہانی پن کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ قاری سفر نامہ پڑھتے ہوئے کسی بھی قسم کی اکتاہٹ اور بوریت کا شکار نہیں ہوتا اور وہ کہانی میں دلچسپی لیے رہتا ہے کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مستنصر حسین تارڑ کے سفر ناموں کو صرف ادب سے تعلق رکھنے والے ہی نہیں بلکہ عام عوام بھی پڑھتے ہیں۔ مصنف نے اپنے سفر ناموں میں متعدد بار اس بات کا اقرار کیا ہے کہ اُن کے سفر نامے سیدھے سادے اور سپاٹ انداز میں نہیں بلکہ ان میں کہانی پن کے انداز کو شامل کیا گیا ہے اس کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ قاری کی دلچسپی قائم رہے۔ ''منہ ول کعبے شریف'' اور ''غار حرا میں ایک رات'' دونوں سفر ناموں میں کہانی پن کا انداز سفر نامے میں قاری کی دلچسپی کو بوریت میں بھی بدلنا شروع کر دیتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک ہی بات کو بہت زیادہ طویل کر دیا جائے حالانکہ قاری تک بات پہنچ جائے کہ آخر مصنف کیا کہنا چاہتا ہے تو پھر بات کو لمبا کرنا ٹھیک نہیں ہوتا لیکن چونکہ مستنصر حسین تارڑ کی تحریروں میں مبالغہ آرائی کے عناصر پائے جاتے ہیں اس لیے تحریروں کو پڑھتے ہوئے بعض اوقات بوریت محسوس ہونے لگتی ہے لیکن مصنف کو یہ کمال بھی حاصل ہے کہ جیسے ہی سفر نامے میں دلچسپی کم ہونے لگتی ہے وہ کہانی کو دوسری ڈگر پر ڈال کر قاری کو دوبارہ اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں اور یہ تب ہی ممکن ہوتا ہے جب مصنف سفر نامے کو تحریر کرنے کے فن کو اچھی طرح سے جانتا ہو اور مستنصر حسین تارڑ کا نام اس حوالے سے سرفہرست کے طور پر ہمارے سامنے آتا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ کے فن کی ایک اہم خوبی طنز و مزاح بھی ہے اور آپ کی تحریروں میں ہمیں اس کا استعمال دکھائی دیتا ہے۔ ''منہ ول کعبے شریف'' اور ''غار حرا میں ایک رات'' میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ اپنے سفر ناموں میں سنجیدہ ترین صورتحال اور مسائل کے بیان میں مزاح اور ظرافت کی ہلکی سی پھلجھڑی چھوڑ دیتے ہیں اور قاری ان جملوں پر دیر تک ہنسے بنا نہیں رہ سکتا۔ آپ کی ان دونوں تحریروں میں طنز کے ساتھ بھرپور مزاح موجود ہے اور آپ کا یہ ہی انداز قاری کو متاثر کرتا ہے اور تحریر میں اس کی دلچسپی مزید بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ''منہ ول کعبے شریف'' میں طنز و مزاح کے عناصر زیادہ پائے جاتے ہیں جبکہ ''غار حرا میں ایک رات'' میں یہ کم پائے جاتے ہیں۔ غارِ حرا جانے کے حوالے سے مصنف کو ایک خاص قسم کی انسیت اور محبت تھی جو کہ حج سے واپسی پر پیدا ہوئی اس سے پہلے مصنف کو ایسی لگن نہ تھی حج سے واپسی پر مصنف نے فیصلہ کر لیا کہ وہ غار حرا نہ صرف جائیں گے بلکہ رات قیام بھی کریں گے تاہم اس حوالے سے

آپ نے اپنی اس تحریر میں طنز و مزاح کو بھی شامل کیا ہے اور قاری کی دلچسپی کو مزید بڑھانے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ "منہ ول کعبے شریف" سفر نامہ حج ہے۔ اس میں حج کے دوران مصنف نے بہت سے جگہوں اور انسانوں کا مشاہدہ کیا ہے اور پھر ان کا اظہار مزاحیہ انداز میں کیا ہے، اور آپ کا یہ ہی انداز قاری کی دلچسپی میں اضافے کا باعث بھی بنتا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ کے دونوں مذہبی سفر ناموں "منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" کے اندر خود کلامی کے عناصر بھی پائے جاتے ہیں۔ خود کلامی انسان کے داخل کا نفسیاتی تجزیہ ہے۔ اس میں انسان خود سے باتیں کرتا ہے اور اپنے جذبات و احساسات جو وہ تمام صورتحال میں دوسروں کے سامنے پیش کرنے سے کتراتا ہے انہیں وہ خود کلامی کے ذریعے سے آسانی سے کہہ جاتا ہے کیونکہ اس میں اسے اس بات کا اطمینان رہتا ہے کہ یہ باتیں دوسروں تک نہیں پہنچے گی اور اظہار کے ذریعے اُسے سکون بھی مل جاتا ہے۔

خود کلامی بھی مکالمے کی طرح ہی سفر نامے کا اہم حصہ شمار کی جاتی ہے۔ خود کلامی ایک مشکل کام ہے کیونکہ اس میں سفر نامہ نگار کسی بھی کردار کی اندرونی کیفیات اس کے جذبات و احساسات کو بیان کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس تکنیک کا استعمال کرتے ہوئے سفر نامہ نگار اپنے کرداروں سے وہ کچھ کہلوا جاتا ہے جو شاید عام حالات میں کہنا ممکن نہیں ہوتا۔ کسی بھی کردار سے جب سفر نامہ نگار اپنے حوالے سے باتیں کرواتا ہے اور بعض اوقات یہ باتیں صرف وہ خود سے کر رہا ہوتا ہے یعنی کوئی دوسرا وہاں پر موجود ہی نہیں ہوتا یہ سب خود کلامی کے زمرے میں آتا ہے۔

"غار حرا میں ایک رات" قیام کے دوران مستنصر حسین تارڑ نے اپنی ذات کے حوالے سے خود کلامی کا سہارا لیا ہے اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ وہ یہ باتیں کسی دوسرے سے کر نہیں سکتے تھے اور دوسری وجہ یہ بھی کہ وہاں پر اُس سے کوئی دوسرا انسان موجود بھی نہیں ہوتا تاہم خود کلامی کا استعمال ان دونوں صورتوں میں کیا جاسکتا ہے۔ ایک سمجھدار سفر نامہ نگار ہونے کی حیثیت سے مستنصر حسین تارڑ نے خود کلامی کے اس فن کو اپنے دونوں مذہبی سفر ناموں "منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" میں نبھایا ہے۔

چوتھا باب ان دونوں مذہبی سفر ناموں کے فکری اور فنی تقابل کے حوالے سے ہے۔ تقابل کا مطلب موازنہ کرنا ہوتا ہے اس میں اشتراکات اور افتراقات دونوں کو شامل حال کیا جاتا ہے یعنی ایک جیسی خصوصیات رکھنے والی اور غیر مشترک خصوصیات دونوں کا آپس میں موازنہ کیا جاتا ہے۔

"منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" دونوں سفر ناموں میں فکری اشتراکات پائے جاتے ہیں یعنی "منہ ول کعبے شریف" میں اللہ سے محبت و عقیدت دیکھنے میں آتی ہے اور مصنف حج کا ارادہ کرتے ہوئے حج ادا کرتے ہیں اور غار حرا کی زیارت بھی کرتے ہیں لیکن حج سے واپسی پر انہیں اچانک غار حرا جانے اور وہاں رات قیام کرنے کا خیال آتا ہے اور اس خیال کے حوالے سے آپ سوچنا شروع کر دیتے ہیں اور گزرتے وقت کے ساتھ آپ کی سوچ مزید وسیع ہوتی چلی جاتی ہے اور "غار حرا" جانے کے حوالے سے آپ کی شدت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اپنی اس شدت کو دیکھتے ہوئے آپ غار حرا کی طرف سامان سفر باندھ لیتے ہیں اور آخر وہاں جا کر آپ کو سکون میسر آتا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو دونوں سفر نامے ایک ہی تسلسل کا حصہ نظر آتے ہیں اور ان کے پیچھے فکر بھی اللہ اور رسول ﷺ سے محبت و عقیدت ہے اور اپنی اِسی فکر کو سامنے رکھتے ہوئے مستنصر حسین تارڑ نے یہ دونوں مذہبی سفر نامے تحریر کیے ہیں۔

دونوں سفر ناموں کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد جو ایک بڑی فکری جہت سامنے آتی ہے وہ مصنف کا اسلامی تاریخی حوالہ جات کا بیان ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کو چونکہ تاریخ سے کافی لگاؤ ہے اس لیے آپ نے "منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" دونوں سفر ناموں میں بھی تاریخی حوالوں کو شامل کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ یہ تعداد میں کم ہیں لیکن اس حوالے سے بھی مصنف نے واضح کیا ہے کہ یہ مذہبی سفر نامے ہیں اس لیے تاریخی حوالوں کا استعمال کم کیا گیا ہے لیکن جہاں بہت ضروری سمجھا گیا وہاں انہیں شامل کیا گیا ہے۔

ان دونوں سفر ناموں کی ایک نہایت اہم مشترک خصوصیت زیاراتِ مقدسہ کا بیان ہے اور " غار حرا میں ایک رات" میں تو شروع کے ابواب میں خصوصاً انہی زیارات کی طرف مصنف کا سفر دیکھنے میں آتا ہے اور اس سلسلے میں آپ کی بیوی میمونہ آپ کے ساتھ ہیں۔ مصنف نے شروع کے صفحات میں ان تمام زیارات کی طرف سفر کیا جہاں سے کبھی حضور ﷺ کا گزر ہوا تھا اور آپ ﷺ نے وہاں چند لمحات قیام کیا

تھا ان مقدس مقامات میں ماریہ قبطیہ کا گھر، سلمان فارسی کی خندق، تیر اندازوں کا ٹیلہ، بدر کا میدان وغیرہ شامل ہیں۔ "منہ ول کعبے شریف" میں بھی مقدس مقامات کی طرف مصنف کی روانگی کا احوال دیکھنے میں آتا ہے۔ ان مقامات میں طائف کا شہر، مسجد عداس، مسجد نبوی اور روضہ رسول ﷺ، جنت البقیع، جبل احد اور قبا اور مدینہ جیسے اہم اور مقدس مقامات کی زیارات کے احوال اور تذکرے مفصل انداز میں "منہ ول کعبے شریف" کے شروع کے صفحات میں ملتے ہیں۔

فنی حوالے سے بھی ان دونوں مذہبی سفر ناموں میں اشتراکات دیکھنے میں آتے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ کے فن کی سب سے اہم خوبی ان کی آسان اور سادہ زبان ہے۔ یہ زبان اس قدر آسان اور سادہ ہے کہ قاری کو پڑھتے ہوئے کسی بھی قسم کی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا یہی وجہ ہے کہ ادب سے تعلق رکھنے والوں کے ساتھ ساتھ عام عوام بھی آپ کو بہت شوق اور دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔ مصنف نے ان دونوں مذہبی سفر ناموں "منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" میں بھی اپنی اس روش کو شامل کیا ہے اور آسان اور سادہ زبان کا استعمال کیا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کی سفر نامہ نگاری کی ایک اہم فنی خوبی تشبیہات کا استعمال ہے۔ یہ استعمال اتنا سادہ اور آسان ہے کہ بعض اوقات قاری تحریر پڑھتے ہوئے اس بات کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتا کہ کہاں پر تشبیہ استعمال کی گئی۔ مصنف نہایت سادگی بھرے انداز میں تشبیہ کا استعمال تحریر میں کر جاتے ہیں اور قاری کو اندازہ بھی نہیں ہوتا۔ یہ تشبیہات اپنے اندر چھوٹی چھوٹی کہیں جزئیات لیے ہوئے ہوتی ہیں۔ مصنف کو یہ کمال بھی حاصل ہے کہ اپنے ایک خیال کو قاری تک پہچانے کے لیے وہ بے شمار قسم کی آسان، سادہ اور سلاست و روانی سے بھرپور تشبیہات پیش کر دیتے ہیں اور یہ تشبیہات اپنے اندر ہر طرح کی جامعیت لیے ہوئے ہوتی ہیں تشبیہات کا یہ خوبصورت اور جزئیات بھرا انداز دونوں مذہبی سفر ناموں "منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" میں کیا گیا ہے۔

دونوں سفر ناموں میں پنجابی زبان کا استعمال کیا گیا ہے لیکن "منہ ول کعبے شریف" میں یہ کافی زیادہ دیکھنے میں آتا ہے جبکہ "غار حرا میں ایک رات" میں کم ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ "منہ ول کعبے شریف" اس سفر نامے کا نام بھی پنجابی زبان میں رکھا گیا ہے اس لیے اس میں پنجابی زبان و الفاظ کا استعمال زیادہ دیکھنے میں آتا ہے اور اس میں مصنف نے اپنی مادری زبان کو کافی زیادہ اہمیت دی ہے اور یوں بھی مستنصر حسین تارڑ اپنی اس تحریر کو نامکمل تصور کرتے ہیں جس میں پنجابی زبان کا استعمال نہ کیا گیا ہو۔ پنجابی زبان کے

استعمال میں بھی مصنف نے مشکل الفاظ وتراکیب کا استعمال نہیں کیا بلکہ نہایت عام اور سادہ زبان کو ملحوظ خاص رکھا ہے اس کے ساتھ ساتھ کہیں مقامات پر پنجابی زبان میں تشبیہات کا خوبصورت استعمال بھی ان دونوں مذہبی سفر ناموں میں دیکھنے میں آتا ہے جو تحریر کو دوبالا کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔

مستنصر حسین تارڑ کے یہ دونوں سفر نامے خوبصورت اور دلچسپ مکالموں سے لبریز ہیں اس کے ساتھ ساتھ یہ دونوں بیانیہ انداز میں تحریر کیے گئے ہیں۔ سفر نامے میں آنے والے کردار جو یکے بعد دیگرے سفر نامے کا حصہ بنتے چلے جاتے ہیں انہیں متعارف کرانے کے لیے بھی مصنف نے خوبصورت مکالموں کا سہارا لیا ہے۔ جن باتوں کے حوالے سے مصنف کو علم نہیں تھا انہیں جاننے اور سمجھنے کے لیے مصنف نے مکالموں کا ہی سہارا لیا اور تحریر کو مزید رونق اور خوبصورتی بخشی ہے۔ ''منہ ول کعبے شریف'' میں حج اور مناسکِ حج کے حوالوں سے مختلف تبصروں کو نہایت اچھے اور خوبصورت مکالموں کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔ '' غار حرا میں ایک رات قیام کے دوران مصنف کی ملاقات ایک بنگالی بابا سے ہوتی ہے یہ بابا''غار حرا'' کے بالکل دامن میں ڈیرہ جمائے بیٹھے تھے اور ان کی زبان بھی بنگالی تھی مصنف کو سمجھنے میں کافی مشکل بھی ہوئی لیکن اس کے باوجود آپ نے وہی کچھ مکالموں کی صورت میں بیان کیا جو آپ نے سنا وہی تحریر میں شامل کیا۔

دونوں سفر ناموں کی ایک اور اہم مشترک خصوصیت ان میں منظر نگاری کا خوبصورت اور دلکش استعمال ہے۔ یہ منظر نگاری قاری کو متاثر کیے بنا نہیں رہ سکتی قاری خود کو اس منظر میں چلتا پھرتا محسوس کرتا ہے۔ ''منہ ول کعبے شریف'' میں جدہ کے حوالے سے جو منظر کشی کی گئی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے مصنف نے انتہائی آسان اور سادہ الفاظ میں جدہ شہر کی منظر نگاری کی ہے۔ وہاں کے رہن سہن شاپنگ مالز، ہوٹلز اور ریسٹورانٹس کو نہایت عمدہ اور خوبصورت انداز میں اپنے قارئین کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

''غار حرا میں ایک رات'' میں بھی مصنف نے مناظر کا خوبصورت استعمال کرتے ہوئے ''غار حرا'' کی اصل تصویر پیش کرنے کی کامیاب سعی کی ہے کہ وہ کوئی عام غار نہیں ہے بلکہ ایک سرنگ کی طرح ہے۔ رات کو قیام کے دوران مصنف کی شدید خواہش تھی کہ آسمان ستاروں سے بھرا ہوا ہو اور وہ ستاروں کی چال کا مشاہدہ کریں اور بالکل ویسے ہی دیکھیں جیسے حضور ﷺ دیکھا کرتے تھے لیکن اس حوالے سے مصنف بدقسمتی کا شکار رہے کیونکہ اس رات آسمان پر کوئی ستارہ نمودار ہی نہیں ہوا اور مصنف کی یہ خواہش ادھوری ہی رہ گئی اس کا اظہار انہوں نے نہایت خوبصورت منظر کو بیان کرنے کے ساتھ کیا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ فکر، تخیل اور اعلیٰ انداز بیان عطا کیا ہے۔ "منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" دونوں مذہبی سفر ناموں میں آپ کا یہ تخیل اور اعلیٰ فکر نظر آتی ہے۔ دونوں سفر ناموں کی ایک اہم مشترک فنی خصوصیت ان میں پائی جانے والی قوت متخیلہ ہے۔ اس قوت نے سفر نامے کی اہمیت اور وقعت کو کہیں گنا بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ زندگی کے تجربات، فکر انگیز اور مدبرانہ سوچ ان مذہبی سفر ناموں میں کھل کر سامنے آتی ہے۔ مصنف نے دونوں سفر ناموں میں اپنے تجربات اور مشاہدات کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ قوت متخیلہ کا تعلق تخیل سے ہے۔ اس عمل سے انسان کی سوچ وسیع تر ہو جاتی ہے۔

"غار حرا" میں قیام کے دوران جب روشنی کے عکس مصنف کے جسم پر پڑتے تو وہ بہت احتیاط سے پہلو بدلتے کہ یہ وہی عکس نہ ہوں جو حضور ﷺ کے جسم پر پڑے ہوں۔ یہ مصنف کی قوت متخیلہ ہے جو انہیں یہ سب سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ "منہ ول کعبے شریف" میں حضور ﷺ کی اونٹنی قصویٰ کا ذکر مصنف نے نہایت تخیلاتی انداز میں کیا ہے جن راستوں پر حضور ﷺ کی اونٹنی چلی تھی مصنف نے ان راستوں پر چلتے ہوئے اپنے قدموں کو آہستہ آہستہ اور سنبھل سنبھل کے رکھا کہ کہیں قصویٰ کی مینگنیوں پر ان کے پاؤں نہ آ جائیں جو یہاں حضور ﷺ کے زمانے میں گری ہوں اور وہ اوپر سے گزر جائیں یہ مستنصر حسین تارڑ کا اعلیٰ تخیل ہی ہے کہ وہ اس حد تک آگے بڑھ کر سوچتے ہیں۔

"منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" دونوں سفر ناموں میں مبالغہ آرائی دیکھنے میں آتی ہے۔ کسی بھی شے کی حد سے زیادہ تعریف جو حقیقت میں اس قدر زیادہ تعریف کی حامل نہ ہو مبالغہ آرائی کے زمرے میں آتا ہے۔ مبالغے کا استعمال "منہ ول کعبے شریف" میں قدرے کم ہے کیونکہ یہ سفر نامہ حج ہے اس لیے اس میں مصنف نے مبالغے کا استعمال کم سے کم کیا جبکہ "غار حرا میں ایک رات" میں مبالغے کا استعمال بہت زیادہ ہے اس کی وجہ مصنف کی غار حرا کے حوالے سے ایک خاص عقیدت ہے شدت ہے وہاں جانے کی اور قیام کرنے کی اس حوالے سے ہمیں اس تحریر میں مبالغہ آرائی اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے۔

سفر ناموں میں ایک اور اہم مشترک خصوصیت ان میں پایا جانے والا کہانی پن کا انداز ہے یہ انداز قاری کو اپنے ساتھ جوڑنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس سے قاری بوریت اور اکتاہٹ کا بھی شکار نہیں ہوتا ساتھ ساتھ اس بات کا بھی انتظار رہتا ہے کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ کہانی کے انداز کو برقرار رکھتے ہوئے

مستنصر حسین تارڑ اکثر قدرے تفصیل میں بھی چلے جاتے ہیں لیکن ایک باکمال سفر نامہ نگار ہونے کی حیثیت سے وہ فوراً کہانی کو دوسری ڈگر پر ڈال کر قاری کی توجہ حاصل کرنے میں دوبارہ کامیاب ہو جاتے ہیں۔

"منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" دونوں سفر ناموں میں طنز و مزاح کے عناصر بھی پائے جاتے ہیں۔ طنز و مزاح ایک ہی وقت میں دو متضاد معنی و مفہوم رکھنے کے باوجود ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ کے دونوں مذہبی سفر ناموں "منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا میں ایک رات" میں طنز و مزاح کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ یہ طنز و مزاح کسی کی تضحیک کی غرض سے ہر گز نہیں کیا گیا بلکہ نہایت ہلکے پھلکے انداز میں تحریر میں قاری کی دلچسپی کو برقرار رکھنے کی غرض سے اختیار کیا گیا ہے۔ بعض جگہوں پر مصنف نے مزاح کے پردے میں بہت سنجیدہ پہلوؤں کو سامنے لانے کی بھی کوشش کی ہے۔

مستنصر حسین تارڑ کے دونوں مذہبی سفر ناموں کی ایک اہم مشترک خصوصیت ان میں پائے جانے والے خود کلامی کے عناصر ہیں۔ خود کلامی انسان سے وہ کچھ کہلوا جاتی ہے جو وہ عام حالات میں کہنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ اس میں ایسے جذبات و احساسات بھی ہو سکتے ہیں جنہیں انسان دوسروں کو بتانا تو چاہتا ہے لیکن اسے سمجھ نہیں آرہا ہوتا کہ وہ اپنی بات کو کس طرح سے دوسروں تک پہنچائے۔ حج کے دوران مصنف پر عجیب سی کیفیات طاری ہوئیں جس کا اظہار انہوں نے خود کلامی کے انداز میں کیا ہے۔ "غار حرا" میں رات قیام کرنے کے دوران مصنف نے بہت کچھ محسوس کیا جس میں سے زیادہ تر کا اظہار آپ نے خود کلامی کی صورت میں کیا۔ یہ دونوں سفر نامے بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو ایک ہی تسلسل کی دو کڑیاں نظر آتے ہیں۔ ان دونوں کے پیچھے ایک ہی مقصد کار فرما نظر آتا ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کے گھر کی زیارت، "منہ ول کعبے شریف" سفر نامہ حج ہے اور "غار حرا میں ایک رات" ایسا سفر نامہ ہے جس میں حضور ﷺ کے گھر کی زیارت کرنا اور وہاں قیام کرنا مقصود ہے۔ اس حوالے سے اگر دیکھا جائے تو یہ دونوں سفر نامے ایک ہی تسلسل کی دو کڑیوں کے طور پر سامنے آتے ہیں۔

"منہ ول کعبے شریف" اور "غار حرا کی رات" میں جہاں اتنی مشترک قدریں یا خصوصیات پائی جاتی ہیں وہیں ان میں افتراقات بھی پائے جاتے ہیں۔ "منہ ول کعبے شریف" میں مصنف حج کی نیت سے خانہ کعبہ جاتے ہیں لیکن اس حوالے سے ان میں کوئی خاص شدت اور تڑپ نہیں نظر آتی۔ فرض کی ادائیگی تو نظر آتی

ہے لیکن اس حوالے سے خاص لگن دیکھنے میں نہیں آتی۔ جبکہ ”غار حرا میں ایک رات“ میں مصنف کی ”غار حرا“ جانے اور وہاں قیام کرنے کی غرض سے خاص قسم کی دلچسپی، لگن اور تڑپ دیکھنے میں آتی ہے جو ان دونوں سفر ناموں کو ایک دوسرے سے منفرد قرار دیتی ہے۔

”منہ ول کعبے شریف“عنوان سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں پنجابی زبان کا استعمال زیادہ ہو گا جبکہ ”غار حرا میں ایک رات“ میں پنجابی زبان کا استعمال نہایت کم ہے بلکہ اس میں فارسی زبان کا استعمال دیکھنے میں آتا ہے جو اسے ”منہ ول کعبے شریف“ سے منفرد بناتا ہے۔

بحیثیت مجموعی دونوں سفر نامے اپنے اندر مختلف قسم کے اشتراکات اور افتراقات کو لیے ہوئے ہیں جو انہیں ممتاز بنانے میں نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ نے ان دونوں مذہبی سفر ناموں میں اپنی فکری جہات اور فنی خوبیوں کو مکمل انداز میں اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اور سفر نامہ نگاری کے حوالے سے نئے آنے والوں کے لیے ایک راہ ہموار کی ہے۔

ب۔ تحقیقی نتائج:

مستنصر حسین تارڑ کے زیر بحث دونوں مذہبی سفر ناموں کے فکری اور فنی تقابل کے تفصیلی تجزیے کے بعد درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں۔

۱۔ یہ دونوں مذہبی سفر نامے ایک ہی تسلسل کا حصہ نظر آتے ہیں۔ ”منہ ول کعبے شریف“میں مصنف حج کے حوالے سے تفصیلاً بیان کرتے ہیں اور حج سے وطن واپسی پر انہیں اچانک سے ” غار حرا“ جانے اور وہاں قیام کرنے کی تڑپ پیدا ہو جاتی ہے۔ آخر کار وہاں جا کر ہی آپکو سکون نصیب ہوتا ہے اور پھر وہاں سے وطن واپسی پر آپ اپنا دوسرا مذہبی سفر نامہ ”غار حرا میں ایک رات“ تخلیق کرتے ہیں اس لیے اگر دیکھا جائے تو یہ ایک ہی تسلسل کا حصہ ہیں اور ان کی کڑیاں ایک دوسرے سے ملتی بھی ہیں۔

۲۔ مستنصر حسین تارڑ کے ان دونوں مذہبی سفر ناموں میں حد درجے کی کہانی پن کا انداز پایا جاتا ہے۔ کہانی پن کو یوں تو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا لیکن مذہب کے حوالے سے اسے کافی رعایت حاصل ہے۔ کیونکہ اس میں اللہ اور رسول ﷺ سے محبت اور عقیدت کو بیان کرنے کے لیے جذبات واحساسات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اسلئے اسے رعایت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

۳۔ فکری حوالے سے اگر دیکھا جائے تو یہ دونوں مذہبی سفر نامے ایک ہی فکر کی بھرپور عکاسی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں "منہ ول کعبے شریف" میں نیت حج کی ہے تو "غار حرا میں ایک رات" میں حضور ﷺ سے محبت وعقیدت کھل کر سامنے آتی ہے۔ دونوں کے پیچھے فکر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے اعلیٰ درجے کی محبت وعقیدت کارفرما ہے۔

۴۔ دونوں سفر ناموں میں آسان اور سادہ اندازِ بیان اختیار کیا گیا ہے قاری کو پڑھتے ہوئے کہیں بھی مشکل سے دوچار نہیں ہونا پڑتا اور یہ دونوں مذہبی سفر نامے اپنے اندر بہترین فنی خصوصیات کو بھی لیے ہوئے ہیں اچھی اور عمدہ تشبیہات اور سادہ اندازِ بیان ان دونوں سفر ناموں کو خوبصورت بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مستنصر حسین تارڑ کی مذہب کے حوالے سے عقیدت بھی سامنے آتی ہے۔

۵۔ "منہ ول کعبے شریف" میں حج کے حوالے سے مصنف کی خاص لگن وتڑپ نظر نہیں آئی لیکن "غار حرا میں ایک رات" قیام کے حوالے سے مصنف کافی بے صبرے اور تذبذب کا شکار نظر آئے۔

۶۔ سفر ناموں کو پڑھتے ہوئے قاری کسی بھی قسم کی بوریت یا اُکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا۔

۷۔ دونوں مذہبی سفر ناموں کے فکری وفنی تقابل سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ دونوں اپنے اپنے انداز میں اعلیٰ درجے کی فکر اور فن اپنے اندر لیے ہوئے ہیں۔ دونوں سفر نامے فکر اور فن کے اصولوں پر پورا اترتے ہیں اور اپنے اندر اعلیٰ درجے کی جامعیت بھی رکھتے ہیں۔

ج۔ سفارشات:

ان نتائج کی روشنی میں درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ مستنصر حسین تارڑ کے مذہبی سفر ناموں کا دوسرے مصنفین کے لکھے گئے مذہبی سفر ناموں کے حوالے سے تقابل پر مبنی تحقیقی کام کرنے کی ضرورت ہے۔

۲۔ مستنصر حسین تارڑ کے مذہبی سفر ناموں میں پائے جانے والے ثقافتی عناصر کے حوالے سے تحقیقی کام کیا جا سکتا ہے۔

کتابیات

الف۔ بنیادی مآخذ

مستنصر حسین تارڑ، منہ ول کعبے شریف، لاہور سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء

مستنصر حسین تارڑ، غار حرا میں ایک رات، لاہور سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء

ب۔ ثانوی مآخذ

کتب

ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر، وطن سے وطن تک، ادارہ مطبوعات و تحقیقات اردو کراچی، ۱۹۸۶ء

ابو ثوبان غلام قادر، محمد رسول اللہ ﷺ کی نجی زندگی، مکتبہ اسلامیہ، مارچ ۲۰۱۱ء

ابو ضیاء محمود، احمد غضنفر، رسول اللہ ﷺ کی پاکباز بیویاں، درزار ابلاغ، ستمبر ۲۰۱۳ء

اشفاق احمد، مستنصر حسین تارڑ کا پکھیرو، مشمولہ عالمی فروغ اردو ادب ایوارڈ ۲۰۰۸ء

انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب میں سفر نامہ، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور ۱۹۸۶ء

احمد خان دُرانی، نور کی ندیاں، کاروانِ ادب، ملتان، ۱۹۸۴ء

انتظار حسین، نئے شہر پُرانی بستیاں، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء

پروفیسر ثریا حُسین، پیرس و پارس، دارالاشاعت پنجاب لاہور، ۱۹۸۴ء

تحسین فراقی، ڈاکٹر، (مقدمہ) عجائبات فرہنگ، از یوسف خان کمبل پوش، مکہ بکس، لاہور، ۱۹۸۳ء

توحید احمد، تقابلی ادب: ایک تنقیدی جائزہ، پورب اکادمی، اسلام آباد، جون ۲۰۱۵ء

جیلانی کامران، حج کے سفر ناموں کی روایت، رسالہ ماہ نور، لاہور، نومبر ۱۹۷۸ء

حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز (مرتب) کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام، ۱۹۸۷ء

ذوالفقار علی احسن، اردو سفر نامے میں جنس نگاری کا رجحان، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۲۰۰۷ء

رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصنافِ ادب، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء

زینت مسعود زینب، عراق کا سفر نامہ، ساشا پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۰۲ء

سعید اسعد گیلانی، مشاہدات حرمین، ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۸۴ء
سہراب انور، ڈاکٹر، ہمارے حضور ﷺ، دار الاشاعت، ۲۰۰۳ء
سلیم آغا قزلباس، ڈاکٹر، جدید اردو افسانے کے رجحانات، انجمن ترقی اردو، پاکستان، ۲۰۰۰ء
سلیم اختر، ڈاکٹر، تنقیدی اصطلاحات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء
شاہد اشرف، ڈاکٹر، عابد سیال اور علم بدیع کے مباحث، مجلس ترقی ادب، لاہور
صالحہ عابد حسین، سفر زندگی کے لیے سوز و ساز، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۲۰۱۱ء
طارق سعید، اسلوب اور اسلوبیات، نگارشات پبلشرز، لاہور ۱۹۹۸ء
غفور شاہ قاسم، ڈاکٹر، مستنصر حسین تارڑ، شخصیت اور فن، مشمولہ قومی زبان، اگست ۲۰۱۳ء
کرنل افضل کیانی، بلاوا، بُک کارنر جہلم، ۱۹۸۰ء
قدسیہ قریشی، ڈاکٹر، اُردو سفر نامے انیسویں صدی میں، جامع نگر، نئی دہلی، فروری ۱۹۸۷ء
محمد خان کرنل، بجنگ آمد، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۹۸ء
وحید الرحمٰن، ڈاکٹر، منہ ول کعبے شریف، مشمولہ قومی زبان، دسمبر ۲۰۱۲ء

ج۔ رسائل وجرائد

انور مسعود، ڈاکٹر، اوراق جنوری، فروری ۱۹۷۸ء
ہفت روزہ عزم، مشمولہ مستنصر حسین تارڑ سے خصوصی انٹرویو، ۲۰۰۶ء
فرزانہ سید، نقوش ادب، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۳ء

د۔ لغات

ابن منظور، لسان العرب، دارِ صابر بیروت، جلد دوم، ۱۳۰۰ھ
اردو لغت، جلد ہشتم، اردو لغت بورڈ کراچی ۲۰۰۱ء
اردو انگریزی لغت، فیروز سنز لمیٹڈ، راولپنڈی ۱۹۹۷ء
جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی اردو لغت، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۹۷ء
سید احمد دہلوی، مولوی (مرتب)، فرہنگ آصفیہ، (جلد اول)، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء
سید احمد دہلوی، مولوی (مرتب)، فرہنگ آصفیہ، (جلد سوم)، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، ۱۹۷۷ء

سید شہاب الدین دسنوی، فہمیدہ بیگم (مرتبین)، اردو جامع اللغات، جہلم بک کارنر، جہلم، سن ن
شان الحق حقی، فرہنگ تلفظ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء
فیروز اللغات (اردو) جامع ایڈیشن جدید ترتیب و اخبارون کے ساتھ مرتبہ: الحاج مولوی فیروز الدین
فیروز سنز لمیٹڈ، کراچی تیسرا ایڈیشن، ۱۹۸۳ء
محمد عبداللہ خویشگی، فرہنگ عامرہ، طبع اول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، جون ۱۹۸۹ء

ہ۔ویب گاہیں (انٹرنیٹ ذرائع)

Advanced Learner(s Dictionary, Oxford University Press OX2, 6d Great Clareden Street Oxford.
http://www.mukaalma.com/14092,related posts orgin=24036=2.21
Jamil Jalbi.Dr. Quami-English-Urdu Dictionary, 1982
Jeseph T, Shipley (Edited) dictionary PF Literary terms, London, 1955
Khawabgarrificion.blogspot.com/2011/02/blog-post-2130huml\
New.www.express.com/epaper/pupwindow, 95px. ID=1103385252 and issue=NP-LHE
Udb.gov.pk/result.Php,search-کہانی and Posi=offline
Urdu Lughat.info/words/2453 تخیل
Webgardii.ir/list/صنعت مبالغہ